ایک جامع روایت کی تشریح کے ضمن میں

اہم ترین اِصلاحی مضامین کا مرتب اور مستند مجموعہ

اللہ سے شرم کیجیے

مرتب:

مُفتی محمد سلمان منصورپوری مدظلہ

7231788
7211788

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ سے شرم کیجئے
مفتی محمد سلیمان منصورپوری مدظلہ
مکتبۃ العلم
۱۸-اردو بازار ۰ لاہور ۰ پاکستان
Ph:7211788-7231788

نام کتاب .... اللہ سے شرم کیجئے

تصنیف .... مفتی محمد سلیمان منصورپوری

طابع .... خالد مقبول

مطبع .... افضل شریف پرنٹرز

کمپوزنگ .... قرآن ہاؤس

(0300-4584830)
(042-7248279)

ملنے کے پتے

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7224228

❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور 7221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۸- اردو بازار ٥ لاہور ٥ پاکستان 7211788

التماس

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ سے شرم کیجیے

دس باتیں

۱۔ توحید مسلمانوں کے لئے ایمان کی جڑ ہے۔

۲۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کی کامیابی ہے۔

۳۔ شریعت پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے امن ہے۔

۴۔ جہالت پر چلنا انسان کے لئے بربادی ہے۔

۵۔ اتفاق سے رہنا مسلمانوں کی خاص شان ہے۔

۶۔ تقویٰ سے انسان معرفت تک پہنچ سکتا ہے۔

۷۔ نفسانی خواہش انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔

۸۔ توبہ کر لینا آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔

۹۔ ضد پر اڑے رہنا ابلیس کا عمل ہے۔

۱۰۔ منزل تک وہی پہنچتا ہے جس کو حق کی تلاش ہے۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حسن ترتیب

باب ششم قیامت کے احوال ۳۱۸

بفضلہ تعالیٰ و عونہ

انتساب

اپنے محبّ ومحبوب اور مشفق ومحسن استاذ اعظم ،فقیہ الامت ،عارف باللہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کے نام......جن کی توجہات عالیہ اور پرفیض صحبتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ہزاروں افراد کی ہدایت و اصلاح ،تذکیر آخرت ،اور دینی مزاج میں پختگی پیدا کرنے کا ذریعہ بنادیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔آمین۔

اپنے مخدوم ومکرم ،والد معظم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیوبند کے نام.... جو احقر کے صرف مشفق باپ ہی نہیں بلکہ محسن ترین استاذ اور مربی بھی ہیں ،جن کی مثالی تربیت اور کامل نگرانی اس ناکارہ کے لئے برابر راہِ حق پر استقامت اور دینی خدمات کی انجام دہی کے لئے معاون بنتی رہی ہے۔اللہ تعالیٰ آں موصوف کا سایۂ شفقت وعاطفت تادیر صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے اور آپ کی عنایتوں کا بہتر سے بہتر بدلہ دارین میں عطا فرمائے۔آمین۔

اپنی مخدومہ ومکرمہ ،والدہ معظمہ مدظلہا (صاحبزادی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) کے نام.....جن کی مخلصانہ سحر گاہی دعائیں احقر کے لئے زندگی کا بڑا سرمایہ ہیں۔رب رحمٰن ورحیم آں موصوفہ کا سایۂ رحمت ،صحت وعافیت کے ساتھ باقی رکھے ،اور آپ کی دعاؤں کی بدولت اس ناکارہ کو ایسی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے جو رضائے خداوندی کے ساتھ والدین محترمین کے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں بے مثال ٹھنڈک پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔آمین ،وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۳/۱۲/۱۴ھ

اظہار مسرت اور دعا

امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ،اما بعد!

آج کل مسلم معاشرہ میں اخلاقی زبوں حالی حد سے تجاوز کر رہی ہے ہر طرف بے حیائی، معاصی، اور منکرات کا دور دورہ ہے، اسلامی اخلاق روبہ زوال ہیں آخرت سے غفلت عام ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں جابجا اسلامی اخلاق اپنانے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور آخرت کو یاد رکھنے کی نہایت تاکید وارد ہوئی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ عزیزم مولوی مفتی محمد سلمان سلمہٗ نے امر بالمعروف ونہی المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے شرم وحیا سے متعلق ایک جامع روایت کی تشریح کے ضمن میں بہت سے اصلاحی مفید موضوعات پر مستند مواد یکجا طور پر جمع اور مرتب کر دیا ہے۔ جس کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس پیدا ہوگا اور آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کا داعیہ دل میں ابھرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آں عزیز کی محنت کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے نفع بخش بنائے۔ آمین۔

اسعد غفرلہٗ

۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

پیش لفظ

الحمد لله رب العلمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، سيدنا ومولانا محمد واله وصحبه اجمعين، اما بعد!

آج احقر کے جسم کا رواں رواں منعم حقیقی، رب کریم کی بارگاہ میں تشکر وامتنان کے جذبات لیے معمور ہے۔ بلاشبہ یہ اللہ رب العالمین کا عظیم فضل و احسان اور محسن انسانیت، فخر دوعالم، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی برکت ہے کہ اس ناکارہ و نالائق کو سراپا ناکارگی اور تساہلی کے باوجود آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور اقوال واحوال سلف کو ایک خاص ترتیب سے جمع کرنے کی سعادت میسر آئی۔ اس عظیم نعمت پر رب کریم کا جس قدر بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ عربی کا ایک شعر ہے:

اِنَّ الْمَقَادِيْرَ اِذَا سَاعَدَتْ ☆ اَلْحَقَتِ الْعَاجِزَ بِالْقَادِرِ

(ترجمہ: تقدیرِ الٰہی جب کسی کی مددگار ہوتی ہے تو وہ عاجز اور درماندہ شخص کو بھی کسی قابل بنا دیتی ہے)

واقعۃً احقر کا حال بھی اسی شعر کا مصداق ہے۔

یہ مضمون آج سے دس سال قبل لکھنا شروع کیا تھا۔ اور اس کی تحریک اس طرح ہوئی تھی کہ رمضان المبارک میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کی ''شاہی مسجد'' میں ظہر کی نماز کے بعد مختصر اصلاحی بیان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ رمضان ۱۴۱۳ھ میں یہ خدمت احقر کے سپرد کی گئی۔ احقر نے مناسب سمجھا کہ روزانہ الگ الگ حدیث پر بیان کرنے کے بجائے پورے مہینہ کسی ایک جامع حدیث کو بنیاد بنا کر گفتگو کی جائے۔ تاکہ بیان کا تسلسل برقرار رہے۔ اور ہر روز پہلی بات دہرانے کی وجہ سے سامعین کے لئے یاد کرنا بھی آسان ہو۔ چنانچہ حدیث: ''استحيوا من الله'' الخ کو منتخب کر کے گفتگو شروع ہوئی اور ۲۷-۲۸ دن تک مسلسل اسی حدیث شریف کے متعلقات پر بیان ہوتا رہا، اسی دوران احقر نے اپنی

یادداشت کے لئے ''مشکوۃ شریف'' اور علامہ منذری کی ''الترغیب والترہیب'' نیز ''احیاء العلوم'' کوسامنے رکھ کر مضامین وموضوعات کی ایک سرسری فہرست بنا کر رکھ لی تاکہ بعد میں کام دے۔

رمضان المبارک کے بعد خیال آیا کہ اس فہرست کے مطابق تفصیلی مضمون لکھ کر منتشر مواد کو یکجا کر دیا جائے۔ تاکہ اپنی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنے۔ چناں چہ اللہ کے بھروسہ پر کام شروع کیا گیا اور ''ندائے شاہی'' دسمبر ۱۹۹۳ء میں اسکی پہلی قسط شائع ہوئی لیکن ۱۰/ قسطوں کے بعد یہ سلسلہ موقوف ہوگیا کیونکہ احقر اپنی تساہلی کی بناپر آگے مضمون نہ لکھ سکا تھا۔ پھراسی سستی میں کئی سال گزر گئے تاہم احقر کو برابر اس مضمون کی فکر رہی اور اللہ تعالیٰ سے اس کی تکمیل کی دعا کرتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوئی اور اگست ۱۹۹۸ء سے دوبارہ ندائے شاہی میں اسکی اشاعت شروع ہوگئی تا آنکہ رفتہ رفتہ احقر کی ذہنی ترتیب کے مطابق بھی ضروری موضوعات پر خاصا مواد جمع ہوگیا۔ اب تک اسکی کل ملاکر ۵۵ قسطیں شائع ہوچکی ہیں۔ فللہ الحمد والشکر

اس کتاب میں بفضلہٖ تعالیٰ تذکیر آخرت سے متعلق احادیث شریفہ کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے کہ اگر کوئی شخص صدق دل سے اور عمل کی نیت سے اس کا مطالعہ کرے گا تو انشاء اللہ یقیناً اس کو نفع ہوگا۔ کم از کم اپنے ضمیر کی کوتاہیوں سے پردے ضرور ہٹیں گے۔ اور دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی کامیابی کی فکر دل میں جاگزیں ہوجائے گی تاہم ان ہدایات نبویہ سے کامل اور زوداثر نفع کے لئے مناسب ہوگا کہ ہم ان کا مطالعہ کرتے وقت اپنے ضمیر کا جائزہ ضرور لیتے رہیں۔ اگر مطالعہ کے وقت اس کا اہتمام رکھا گیا تو یہ مضامین دل میں ہدایت کے ایسے چراغ جلائیں گے جن سے پوری زندگی منور بلکہ نور افشاں ہوجائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

احقر کی عمر عزیز کا زیادہ تر حصہ تو یوں ہی ضائع ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت وعافیت فرصت اور مواقع الغرض ہر طرح کی نعمتوں سے اس قدر نوازا جسکا احاطہ ناممکن

ہے مگر سستی اور کاہلی کا غلبہ رہا۔ جسکی وجہ سے نعمتوں کا کچھ بھی حق ادا نہ ہوسکا۔ مگر اب تک کی تقریباً ۳۵ سالہ زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جن اعمالِ خیر کی توفیق بخشی ہے ان میں اس اصلاحی مضمون لکھنے کی سعادت کو احقر اپنے لئے سب سے زیادہ موجب نجات عمل تصور کرتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کی ذات سے کامل یقین ہے کہ یہ مضمون احقر کے لئے آخرت میں زادِ راہ بنے گا۔ اور خود احقر کی غفلت کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس رب کریم کی شان بھی کیسی عجیب ہے کہ خیر کی توفیق مرحمت فرما کر خود ہی قبولیت سے بھی مشرف فرماتا ہے۔

اے اللہ! اس محنت کو خالص اپنی رضا کا ذریعہ بنالے۔ اور ہم سب کے حق میں دارین میں صلاح اور فلاح اور عافیت کے فیصلے فرمادے۔ آمین۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ

۱۴۲۳/۲/۲۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از: حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی

خداوند قدوس جل مجدہ نے آقائے نامدار، سرکار دو عالم ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر جن مقاصد عالیہ کے تحت مبعوث فرمایا ان میں اہم مقصد تزکیہ ہے یعنی انسانوں کو اچھے اخلاق اختیار کرنے اور برے اخلاق سے دور رہنے کی تلقین کر کے بہترین، مہذب اور با اخلاق انسان بنانا، یہ کام اگر چہ تمام دیگر انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی اپنے اپنے زمانے میں انجام دیتے چلے آئے ہیں۔ مگر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس کام کی تکمیل کرنے کے لئے ہوئی ہے چناں چہ آپ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ

میں اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہونچانے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ (رواہ احمد عن ابی ہریرہؓ)

ایک صاحب ایمان کے لیے اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا کتنا ضروری ہے اس کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک میں یوں واضح فرمایا ہے:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَاناً اَحْسَنُهُمْ خُلُقاً

سب سے کامل درجہ کا مسلمان وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

(رواہ ابوداؤد، والدارمی)

"خلق حسن" اس ملکہ راسخہ کا نام ہے جس کی بناء پر اچھے اعمال آسانی کے ساتھ بلا تکلف صادر ہوتے ہیں اسلام میں پسندیدہ اخلاق کی ایک طویل فہرست جن میں صبر و شکر صدق و امانت، خوش کلامی، نرم مزاجی، انس و محبت، زہد و قناعت، توکل و رضا، ایثار و قربانی، تواضع و خاکساری، احسان و سخاوت، رحم دلی وغیرہ شامل ہیں، مگر ان میں شرم و حیا کی خصلت بڑی اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں ایمان و حیا

کے درمیان بڑا گہرا تعلق بیان فرمایا ہے:

اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعاً فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ

حیا اور ایمان ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں جب ان میں سے ایک اٹھایا گیا تو دوسرا بھی اٹھایا گیا۔ (بیہقی)

یعنی اگر کسی شخص میں ''حیا'' نہیں پائی جاتی تو سمجھو کہ ایمان بھی نہیں پایا جاتا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

اِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ.

حیا ایمان کا جز ہے۔ (منفق علیہ)

''حیا'' اس انفعالی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو اس بات کے اندیشہ کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے کہ اس کام کے کرنے پر اس کو ملامت کی جائے گی یا اس کو سزا دی جائے گی۔ اور اصطلاح شریعت میں طبیعت انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے ہر نا مناسب اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو جو درحقیقت ایمان کا تقاضہ ہے اور دین اسلام کا امتیازی خلق ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقاً وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ.

ہر دین کا امتیازی خلق ہوتا ہے اور دینِ اسلام کا امتیازی خلق حیا ہے۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

یعنی جنابِ رسول ﷺ کی شریعت میں حیا کے اختیار کرنے پر خاص زور دیا گیا ہے کیوں کہ انسان کو برائیوں سے روکنے اور خوبیوں پر آمادہ کرنے میں شرم وحیا کو بڑا دخل ہے۔

مخلوق سے شرما کر برائیوں وفواحش ومنکرات سے دور رہنا بھی اچھی خصلت ہے لیکن ایک مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے خالق و مالک حق سبحانہ وتعالیٰ سے شرم وحیا کرے، جو تمام محسنوں سے بڑا محسن ہے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ اس کے ساتھ جس کا زیادہ احسان وکرم ہوتا ہے اسی سے زیادہ شرماتا ہے اور اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے سے باز رہتا ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نصیحت

فرمائی کہ:

اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے حیا کرنی چاہئے۔

راوی حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حاضرین نے عرض کیا کہ:

اِنَّا نَسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

ہم الحمدللہ، اللہ سے شرم کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَآثَرَ الْآخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ. (ترمذی شریف)

حیا کا مطلب صرف اتنا نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور جن کو وہ جامع ہے (افکار وخیالات) انکی نگہداشت کرو اور پیٹ کی اور جو کچھ اس میں بھرا ہوا ہے (غذا وغیرہ) ان سب کی نگرانی کرو اور موت کو اور بوسیدگی کو یاد کرو، جو شخص آخرت کو اپنا مطمح نظر بنائے وہ دنیا کی ٹیپ ٹاپ سے کنارہ کش رہے گا اور آخرت کی راحتوں کو دنیا کی لذتوں پر ترجیح دے گا، جس شخص نے یہ سارے کام کر لئے سمجھو کہ وہ واقعی طور پر اللہ سے حیا کرتا ہے۔

اس حدیث پاک میں حیاء ایمانی اور اس کے ثمرات ونتائج کو بڑے جامع ومختصر انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، جن کی تفصیل وضاحت کرنے کی توفیق عزیز مکرم جناب مولوی و مفتی سید محمد سلمان منصور پوری سلمہ استاذ حدیث ومفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ملی ہے۔

آں عزیز کی زیر نظر تالیف ''اللہ سے شرم کیجئے'' میں قارئین کو ''حیا'' سے متعلق بہت سے مضامین یکجا مل جائیں گے جن کو پڑھ کر حیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

خداوند کریم آں عزیز کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے، اور مسلمانوں کو اس تالیف سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

احقر محمد عثمان منصور پوری غفی عنہ

۱۵ صفر ۱۴۲۳ھ

تقریظ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی مدظلہ

الحمد لله الذی جعل الحیاء شعبة من الایمان. والصلاة والسلام علی امام المتقین و خاتم الانبیاء وعلی آله وصحبه. اما بعد!

حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی تازہ تصنیف بنام ''اللہ سے شرم کیجئے'' سے اس خاکسار نے استفادہ کیا ہے۔

یہ کتاب اسلامی معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی اور عریانیت اور امریکہ اور یورپ کی فیشن پرستی کی اصلاح اور سدھار کے لیے نہایت قیمتی تحفہ ہے، اس وقت ہر مسلمان اور ایمان والے کے گھر میں اس طرح کی کتابیں ہونی ضروری ہیں، نیز اس قسم کی کتابیں ہندی اور انگلش میں شائع ہو کر نئے دور کے ہر مرد وعورت کے مطالعہ میں رہنی چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب موصوف سے وقت کی ضرورت کی اہم خدمت لی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے اور موصوف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

حرفِ آغاز

اللہ سے شرم کیجئے

اسلام میں حیاء کی اہمیت

حیا کا مستحق کون؟

حیا کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان الحمد لله نحمده و نستعينه من يهده الله فلا مضل له و من يضلل له فلا هادى له و اشهد ان لا اله الله وحده لاشريك له (مسلم شريف ۱\۲۸۵) و اشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى اله واصحابه واهل بيته وذرياته اجمعين۔ اما بعد۔

الحياء من اللّٰه

حدثنامحمد بن عبيد حدثنا ابان بن اسحق عن الصباح بن محمد عن مُرَّةَ الْهَمَدانِى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضى الله تعالىٰ عنهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ: اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ: اِنَّا نَسْتَحْيِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ: لَيْسَ ذٰلِکَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْىٰ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأسَ وَمَا حَوٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا وَعٰى. وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى. وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَکَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا. فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسْتَحْىٰ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ. (مسند احمد بن حنبلؒ رقم ۳۶۷۱)

قال المحقق احمد محمد شاكرؒ: اسناده ضعيف، ابان بن اسحق الاسدى وثقه العجلى وذكره ابن حبان فى الثقات و ترجمه البخارى فى الكبير ۱/ ۴۵۳ فلم يذكر فيه جرحا الصباح بن محمد بن ابى حازم فحلى الاحمسى ضعفه ابن حبان جداً. وقال كان ممن يروى الموضوعات عن الثقات وهو غلو، وقال العقيلى فى حديثه وهم و يرفع الموقوف وقال الذهبى فى الميزان رفع حديثين هما من قول عبداللهؓ يعنى هذا والذى بعده الخ (المسند بتحقيق احمد محمد شاكر ۵۳۸/۳)

وقال المحقق محمد احمد عبدالقادر عطا: الحديث، اورده السيوطى فى الجامع الصغيرمع اختلاف يسيرفى اللفظ وعزاه لاحمد بن

حنبل فی المسند والترمذی فی سننه والحاکم فی المستدرک والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن مسعودؓ ورمز لصحته،ورده المناوی،وفی سنده ابان بن اسحق قال الازدی ترکوه لکن وثقه العجلی عن الصباح بن مرة قال الذهبی فی المیزان:

رالصباح واه،وقال المنذری:رواه الترمذی وقال غریب لا یعرف الامن هذا الوجه ای من حدیث ابان بن اسحق عن الصباح، وقال المنذری:ابان فیه مقال،والصباح مختلف فیه،وقالوا الصواب وقفه،انظر الحدیث فی:سنن الترمذی ۲۴۵۸ومسند احمد ۳۸۷/۱ والمستدرک۳۲۳/۴والمعجم الکبیر للطبرانی ۲۴۶/۳،والجمع الصغیر للطبرانی ۱۷۷/۱،ومشکاة المصابیح ۱۶۰۸، والدرالمنثور ۲۶۴/۱، ومجمع الزوائد ۳۸۴/۱۰،ومالی الشجری ۱۹۷/۲،وحلیة والاولیاء ۳۵۸/۱رقم:۲۰۹۴،والحاف اسادة المتقین ۱۲۱/۳، ۳۲۸۹-۳۲۹،وکنز العمال ۵۷۸۱، ۵۷۵۲، ۵۷۵۳، ۹۲۷۹، ۴۲۷۴، والمطالب العابیة ۱۵۶۲،والجامع الصغبر ۹۷۳،وفیض القدیر ۴۸۷/۱ (مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا تعلیق:محمد عبدالقادر عطا،ص ۸۰)

اسلام میں "حیا" کی اہمیت

حیا انسان کی فطری صفت ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ حیادار ہوگا اتنا ہی وہ اپنے معاشرے میں باوقار سمجھا جائے گا اس لیے کہ حیا ایک خاص حالت کا نام ہے جو انسان کے دل میں ایمان کے سبب سے ہر برائی اور عیب کے کام سے تنفر اور انقباض پیدا کرتی ہے۔

(مظاہر حق ۴/۱۷۰)

شریعت اسلامی میں اس صفت کو نمایاں مقام حاصل ہے اور جنابِ رسول اللہ ﷺ نے امت کو اسکی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ وفی روایة الحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ. (بخاری شریف ۲/۴۳۸)

حیا کا نتیجہ صرف خیر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ساری کی ساری خیر ہی ہے۔

۲۔ حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقاً وَ خُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَيَاءُ.

(بیھقی فی شعب الایمان ۶/۱۳۲، حدیث ۶۱۸۸، مشکوۃ شریف ۲/۴۳۲)

ہر دین کی (خاص) عادت ہوتی ہے اور اسلام کی عادت حیا ہے۔

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا:

اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْاِيْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِيْعاً فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ. (بیھقی فی شعب الایمان ۶/۱۴۰، حدیث ۷۷۲۷، مشکوۃ شریف ۲/۴۳۲)

حیا اور ایمان دونوں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی اُٹھ جائے تو دوسرا بھی خود بخود اُٹھ جاتا ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلیٰ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (بخاری شریف ۲/۹۰۴، حدیث ۶۱۲۰، مشکوٰۃ شریف ۲/۴۳۱)

پہلے انبیاء کے کلام سے لوگوں نے یہ جملہ بھی پایا ہے کہ اگر تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔ (یعنی کوئی چیز تجھ کو برائی سے روکنے والی نہ ہوگی۔)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ. (بخاری شریف ۱/۲، حدیث ۹ مسلم شریف ۱/۴۸ مشکوٰۃ شریف ۱/۴)

حیا ایمان کا (اہم ترین) شعبہ ہے۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ. (ترمذی شریف ۲/۲۱، مشکوٰۃ ۲/۴۳۱)

حیا ایمان میں سے ہے۔ اور ایمان (یعنی اہلِ ایمان) جنت میں ہیں۔ اور بے حیائی بدی میں سے ہے اور بدی (والے) جہنمی ہیں۔

۷۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مَا کَانَ الْفُحْشُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہٗ وَمَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ.

(ترمذی شریف ۲/۱۸ عن انسؓ الترغیب والترھیب ۳/۲۶۹)

بے حیائی جب بھی کسی میں ہوگی تو اسے عیب دار ہی بنائے گی۔ اور حیا جب بھی کسی چیز میں ہوگی تو اسے مزین اور خوبصورت ہی کرے گی۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَاِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مُقِيْتًا مُمَقَّتًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا مُقِيْتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْاَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَاِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا مُلَاعَنًا فَاِذَا لَمْ تَلْقَهُ اِلَّا رَجِيْمًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْاِسْلَامِ.

(الترغيب و الترهيب ۳/۲۷۰، ابن ماجه شريف ۲/۲۹۴ عن ابن عمرؓ)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیا کی صفت چھین لیتا ہے۔ پس جب اس سے حیا نکل جاتی ہے تو وہ (خود) بغض رکھنے والا اور (دوسروں کی نظر میں) مبغوض ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ بغیض و مبغوض ہو جاتا ہے تو اس سے امانت نکل جاتی ہے۔ جب اس سے امانت نکل جاتی ہے تو وہ خائن اور (لوگوں کی نظر میں) بددیانت ہو جاتا ہے۔ جب وہ خائن اور بددیانت ہو جاتا ہے۔ تو اس میں سے رحم کا مادہ نکل جاتا ہے۔ جب اس سے رحمت نکلتی ہے تو وہ لاعن وملعون ہو جاتا ہے پس جب لاعن اور ملعون ہوتا ہے تو اس سے اسلام کا پھندا (عہد) نکل جاتا ہے۔

الغرض برائیوں سے حیا اور شرم نہ صرف عام لوگوں بلکہ شریعت کے نزدیک بھی نہایت پسندیدہ عادت ہے۔ جو ہر مومن میں پوری طرح پائی جانی چاہئے مسلمان اگر اس صفت سے محروم ہو تو وہ کبھی کامل طور پر ایمان کے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

حیاء کا مستحق کون؟

ویسے تو ہر انسان اپنے اندر کچھ نہ کچھ حیا اور شرم کا مادہ رکھتا ہے۔ یعنی وہ دوسرے انسانوں کے سامنے عموماً بے حیائی اور بے شرمی کے کاموں کو پسند نہیں کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ اسے کوئی شخص برائی کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔ اسی طرح اپنی بے عزتی کے خیال سے بہت سے لوگ برسرِ عام برائی سے بچے رہتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کا داعیہ انسانوں سے شرم کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جس سے دنیا میں بچاؤ کی بہت سی شکلیں موجود ہیں۔ مثلاً ستر کھولنا ایسا عمل ہے جو لوگوں کے سامنے حیا کی وجہ سے نہیں کیا جاتا لیکن خلوت اور تنہائی

میں یہ عمل حیا اور مروت کے خلاف نہیں سمجھا جاتا وغیرہ۔ مگر اسلامی شریعت میں حیاء سے مراد محض انسانوں سے حیاء نہیں بلکہ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس اللہ علیم وخبیر سے شرم کرنے کی تلقین کرتا ہے جو ظاہر و پوشیدہ، حاضر و غائب ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس سے شرم کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جو فعل بھی اس کی نظر میں برا ہو اسے کسی بھی حال میں ہرگز ہرگز نہ کیا جائے اور اپنے تمام اعضاء و جوارح کو اس کا پابند بنایا جائے کہ ان سے کسی بھی ایسے کام کا صدور نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے شرمانے کے تقاضے کے خلاف ہو۔ اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ نے امت کو واضح ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ (شعب الایمان للبیہقی ۱۴۲/۶، مشکوۃ شریف ۱۴۰/۱، ترمذی شریف ۸۶/۲، الترغیب و الترھیب ۲۶۹/۳)

اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرو جتنی اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ صحابہ نے عرض کیا تمام تعریف اللہ کے لیے ہے اے اللہ کے نبی! ہم اللہ سے شرم تو کرتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جو شخص اللہ سے شرمانے کے حق کو ادا کریگا تو (اسے تین کام کرنے ہونگے اول یہ کہ) اپنے سر کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جس کو سر نے جمع کیا اور (دوسرے یہ کہ) پیٹ کی حفاظت کرے اور اس چیز کی جو پیٹ سے لگی ہوئی ہے اور (تیسرے یہ کہ) موت کو اور موت کے بعد کے حالات کو یاد کرے اور (خلاصہ یہ ہے کہ) جو شخص آخرت کا ارادہ کرے وہ دنیا کی زیب و زینت چھوڑ دے پس جو ایسا کریگا تو وہ اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کریگا۔

اس واضح حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اللہ سے حیا کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے لیے محض زبانی دعویٰ کافی نہیں بلکہ اپنے جسم و روح اور خواہشات کو اطاعت خداوندی کے

رنگ میں رنگنا اور ہر حالت میں اللہ کی بندگی کا خیال رکھنا ضروری اور لازم ہے۔

اللہ سے حیا کا جذبہ کیسے پیدا ہو گا؟

اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا جذبہ کیسے پیدا کیا جائے؟ اس کے متعلق علماء عارفین کے درج ذیل اقوال انتہائی چشم کشا اور مفید ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی نعمتوں کے استحضار کے ساتھ اپنی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے جو درمیانی حالت پیدا ہوتی ہے اسی کا نام حیا ہے۔''

(شعب الایمان ۶/۱۴۷)

۲۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے کہ ''جو چیز انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے پر آمادہ کرتی ہے وہ انعامات خداوندی کی معرفت اور اس کے مقابلے میں ان پر جو شکر گزاری واجب ہے اس کو کوتاہی کا احساس ہے، اس لئے کہ جس طرح اللہ کی عظمت بے حد و حساب ہے اسی طرح اس کے شکر کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ (حوالہ بالا ۶/۱۴۷)

۳۔ محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں'' کہ حیاء اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ اولاً تم اپنے محسن کے احسانات کی طرف نظر کرو پھر یہ غور کرو کہ ان احسانات کے بدولت تم اپنے محسن کے ساتھ کیسی زیادتیاں کر رکھی ہیں؟ جب تم ان دونوں باتوں کا استحضار کرنے لگو گے۔ تو تمہیں انشاء اللہ حیا کی صفت سے سرفراز کیا جائے گا۔'' (حوالہ بالا ۶/۱۴۸)

ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اولاً اللہ تعالیٰ کی ان انمول اور بے حساب نعمتوں کو یاد رکھنا چاہیے جو ہم پر ہر وقت بارش کی طرح برس رہی ہیں، پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم ان نعمتوں کا کیا حق ادا کر رہے ہیں؟ اور ہم سے کتنی کوتاہیاں ہو رہی ہیں؟ اس استحضار سے خود بخود ہمیں احساس ہو گا کہ ہمارے لئے کوئی بھی ایسا کام کرنا ہرگز مناسب نہیں جس سے ہمارے عظیم محسن کو ناگواری ہوتی ہو، اور اس کی نعمتوں کی ناقدری لازم آتی ہو، اسی احساس کا نام ''حیا'' ہے جو مومن کی اہم ترین امتیازی صفت ہے، اللہ تعالیٰ امت کے ہر فرد کو صفت ''حیا'' سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

سر کی حفاظت

☆ شرک سے اجتناب

☆ تکبر سے پرہیز

☆ زبان کی حفاظت

☆ آنکھ کی حفاظت

☆ ستر پوشی کا اہتمام

☆ کان کی حفاظت

☆ داڑھی منڈوانا بھی بے شرمی ہے

پہلی فصل

سر کی حفاظت

حدیث بالا میں پہلی ہدایت سر اور اس سے متعلق اعضاء کی حفاظت کی دی گئی ہے۔اس سے یہ مراد نہیں کہ سر کو محض جسمانی بیماریوں سے بچایا جائے اور دوا وغیرہ کے ذریعہ سے اسکی حفاظت کے طریقے اختیار کیے جائیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ سر اور اس سے متعلقہ اعضاء کو ہر اس برائی سے محفوظ رکھا جائے جس سے شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً ہمارا سر اللہ کے دربار کے علاوہ کسی اور کے دربار میں نہ جھکے۔ ہماری آنکھیں ناجائز چیزوں کو نہ دیکھیں، ہمارے کان حرام آوازوں کو نہ سنیں۔اور ہماری زبان ناجائز باتوں کا تلفظ نہ کرے۔قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ میں ان چیزوں کی حفاظت پر مختلف انداز میں زور دیا گیا ہے۔جس کی قدرے تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

شرک سے اجتناب

سر کی حفاظت کا اوّل عنصر یہ ہے کہ آدمی کا دماغ کسی بھی حال میں اللہ ربّ العزت کے ساتھ عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا روادار نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے کو معبود بنانا یا سمجھنا اسلام کی نظر میں نا قابل معافی جرم ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ

(سورۃ النساء آیت: ۴۸:۱۱۶)

بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس سے نیچے کے گناہ جس کے چاہے۔

احادیث طیبہ میں سختی کے ساتھ شرک کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔اور نہ صرف شرک حقیقی (یعنی معبود سمجھ کر غیر اللہ کو سجدہ کرنا وغیرہ) بلکہ شرک کے شائبہ (یعنی غیر اللہ سے معبود

جیسا معاملہ کرنے) سے بھی بچنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ مرض الوفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جو چند اہم ترین وصیتیں ارشاد فرمائیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ:

اَلاَ وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَائِھِمْ وَصَالِحِیْھِمْ مَسَاجِدَ. اَلاَ! فَلاَ تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ. اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذٰلِکَ.

(مسلم شریف ۱/۲۰۱)

خبردار! تم سے پہلی امتوں کے لوگ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو سجدہ گاہ مت بنانا۔ میں تم کو اس کام سے روکتا ہوں۔

عام طور پر انبیاء یا اولیاء اللہ کو خدا نہیں سمجھا جاتا، اور نہ انہیں خدا سمجھ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی قبروں کو سجدہ کرنے سے نہایت شدت سے منع کر دیا گیا۔ اس لیے کہ یہ ظاہری طور پر شرک حقیقی کے مشابہ ہے۔ اور رفتہ رفتہ آدمی کے اندر شرک کے جراثیم کو بڑھانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا سر کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء اس بات کی متقاضی ہے کہ ہمارا سر اللہ تعالیٰ کے دربار کے علاوہ کسی کے سامنے نہ جھکے، اور اللہ تعالیٰ جیسی تعظیم اور کسی کی نہ کی جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

آج کل قبروں کے سامنے سر جھکانے اور ماتھا ٹیکنے کا رواج عام ہے۔ جب لوگوں کو اس بدعملی سے منع کیا جاتا ہے اور ان کے سامنے وہ صحیح احادیث پڑھی جاتی ہیں جن میں قبروں کے سجدہ سے ممانعت کی گئی ہے تو ان میں سے بعض بے توفیق لوگ محض تلبیس کے لیے یہ رکیک تاویل کرتے ہیں کہ "احادیث شریفہ میں جس سجدہ کی ممانعت وارد ہے وہ نماز والا سجدہ ہے۔" یعنی قبروں کو ایسا سجدہ نہ کیا جائے جیسا نماز میں ہوتا ہے۔ لہٰذا "نماز کے سجدہ کے علاوہ دوسری طرح سر جھکانا احادیث کی رو سے ممنوع نہیں ہے۔" حالانکہ یہ تاویل بالکل بے اصل ہے۔ یہاں جو حکم سجدہ کا ہے وہی حکم رکوع یا کسی بھی طرح ماتھا ٹیکنے کا ہے۔ اور اس طرح کی سبھی عبادات جیسی حرکتیں غیر اللہ کے لیے ناجائز اور حرام ہیں۔ خود

فقہاء احناف نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب درمختار میں لکھا ہے۔

وَكَذَا مَا يَفْعَلُونَهُ مِنْ تَقْبِيلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَى الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِيُّ بِهِ آثمانِ، لِأَنَّهُ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ. وَهَلْ يُكَفَّرُ؟ إِنْ عَلَى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتعظيم كُفْرٌ وإِن على وجهِ التحيةِ لا. وَصَارَ آثماً مُرْتَكِباً لِلْكَبِيرَةِ. (در مختار)

اور اسی طرح جو جاہل لوگ علماء اور سر برآوردہ حضرات کے سامنے زمین چومنے کا عمل کرتے ہیں وہ حرام ہے۔ اور اس عمل کا کرنے والا اور اس سے راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں اس لیے کہ یہ بت کی عبادت کے مشابہ ہے۔ اور کیا اسکی تکفیر کی جائے گی؟ تو اگر عبادت اور تعظیم کی نیت سے ہو تو تکفیر ہوگی اور اگر محض احترام کے طور پر ہو تو تکفیر تو نہ ہوگی۔ مگر وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَفِي الزَّاهِدِي: اَلْإِيمَاءُ فِي السَّلَامِ اِلَى قَرِيبِ الرُّكُوعِ كَالسُّجُودِ وَفِي الْمُحِيطِ: اَنَّهُ يُكْرَهُ الانحناءُ لِلسُّلْطَانِ وَغَيْرِهِ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ اِطْلَاقُ السُّجُودِ عَلَى هٰذَا التَّقْبِيلِ.

(شامی بیروت ۶۲۸/۹ کتاب الحظر والاباحۃ، قبیل فصل فی البیع، شامی کراچی ۳۸۳/۶)

اور فتاویٰ زاہدی میں ہے کہ رکوع کے قریب تک جھک کر سلام کرنا بھی سجدہ ہی کے حکم میں ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہاء کے ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی تقبیل پر سجدہ ہی کا حکم لگایا گیا ہے۔

بہرحال فقہاء کی یہ عبارت سے یہ طے ہوگیا کہ ممانعت صرف نماز جیسے سجدہ تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح بھی حد سے زیادہ تعظیم کی جائے اور عبادت کی صورت اپنائی جائے وہ غیر اللہ کے سامنے ممنوع ہے۔ اس لیے جو شخص بھی اللہ سے شرم کریگا وہ اپنے سر کو کبھی بھی قبروں وغیرہ کے سامنے جھکانے کی جسارت نہ کر سکے گا۔

شرک خفی

شرک کی ایک قسم اور ہے جسے شرکِ خفی یا ریا کاری کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی عبادت اس لیے کی جائے تا کہ کوئی دوسرا شخص اس سے خوش ہو۔یا اس کا کوئی دنیوی مطلوب شہرت وعزت ،دولت وغیرہ اس کے ذریعہ حاصل ہو جائے۔ شریعت کی نظر میں یہ عمل اگرچہ کفروشرک کے درجہ کا نہیں ،لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے نہایت مبغوض ہے،اور انسان کی ساری محنت کو اکارت کردیتا ہے۔اس بارے میں آنحضرت ﷺ کے بعض ارشادات مبارکہ ذیل میں درج ہیں:

۱۔ مَنْ تَزَيَّنَ بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ لَا يُرِيْدُهُمَا وَلَا يَطْلُبُهَا لُعِنَ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ. (الترغیب ۱/ ۳۲عن ابی ہریرہؓ)

جو شخص آخرت کے عمل کو مزین کرے درانحالیکہ وہ آخرت کا طالب نہ ہو تو اس پر آسمان وزمین میں لعنت کی جاتی ہے۔

۲۔ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ طُمِسَ وَجْهُهُ وَمُحِقَ ذِكْرُهُ وَاُثْبِتَ اسْمُهُ فِي النَّارِ. (الترغیب والترھیب ۱/ ۳۲عن الجارودؓ)

جو آخرت کے کسی عمل سے دنیا کا طالب ہو اس کے چہرے پر پھٹکار ہوتی ہے۔اسکا ذکر مٹا دیا جاتا ہے اور اس کا نام جہنم میں لکھ دیا جاتا ہے۔

۳۔ مَنْ اَحْسَنَ الصَّلٰوةَ حَيْثُ يَرَاهُ النَّاسُ وَاَسَاءَهَا حَيْثُ يَخْلُو فَتِلْكَ اسْتِهَانَةٌ اسْتَهَانَ بِهَا رَبَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى (الترغیب والترھیب ۱/ ۳۲عن ابن مسعودؓ)

جو شخص نماز کو اس لیے اچھا پڑھے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور جب تنہائی میں جائے تو نماز خراب پڑھے (آداب وشرائط کا لحاظ نہ رکھے) تو یہ ایسی اہانت ہے جسکے ذریعے سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توہین کر رہا ہے۔

۴۔ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَلّٰى يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ. (الترغیب و الترھیب ۱/ ۳۴عن شداد بن اوسؓ)

جس نے ریا کے قصد سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اسنے شرک کیا اور جس نے شہرت کے لیے صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا۔

۵۔ اَلشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّی فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ (ابن ماجہ ۳۱۰، الترغیب والترھیب ۱/۳۳ عن ابی سعید الخدریؓ)

شرک خفی یہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور جب یہ دیکھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے تو اپنی نماز خوب اچھی کر دے۔

۶۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِیَّاکُمْ وَشِرْکَ السَّرَائِرِ ! قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا شِرْکُ السَّرَائِرِ؟ قَالَ : یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیُصَلِّی فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ جَاھِداً لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ النَّاسِ اِلَیْہِ فَذٰلِکَ شِرْکُ السَّرَائِرِ.

(الترغیب والترھیب ۱/۳۴ عن محمود بن لبیدؓ)

اے لوگو! چھپے ہوئے شرک سے بچتے رہو، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھپا ہوا شرک کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو تو لوگوں کے اسکی طرف دیکھنے کی وجہ سے وہ اپنی نماز کو خوب کوشش کر کے مزین کرے تو یہ پوشیدہ شرک ہے۔

۷۔ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمُ الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ قَالُوْ وَمَا الشِّرْکُ الْاَصْغَرُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: الرِّیَاءُ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِذَا جَزَی النَّاسَ بِاَعْمَالِھِمْ اِذْھَبُوْا اِلَی الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِی الدُّنْیَا فَانْظُرُوْا ھَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَھُمْ جَزَاءً . (الترغیب والترھیب ۱/۳۴)

میں سب سے زیادہ تم پر جس بات کا اندیشہ کرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے صحابہؓ نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہوتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا یہ ریا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتے وقت ارشاد فرمائیگا کہ انہی لوگوں کے پاس جاؤ جن کو دنیا میں تم (اپنی عبادت) دکھاتے تھے تو دیکھو کیا تم انکے پاس کوئی بدلہ پاؤ گے۔

۸۔ اَمَا اِنَّھُمْ لَا یَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰکِنْ یُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِھِمْ. وَالشَّھْوَۃُ الْخَفِیَّۃُ اَنْ یُّصْبِحَ اَحَدُھُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَہٗ شَھْوَۃٌ مِّنْ شَھَوَاتِہٖ فَتَرَکَ صَوْمَہٗ. (مشکوٰۃ شریف ۲/۵۶۳)

(امت میں شرک رائج ہونے کی بابت پوچھنے پر آپ نے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ سورج (چاند) پتھر اور بت کی پوجا تو نہیں کرینگے لیکن اپنے اعمال میں ریا کاری کریں گے (یہی شرک ہے) اور پوشیدہ شہوت کہ کوئی آدمی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ وہ روزے دار ہو پھر شہوتوں میں سے کوئی شہوت اسکے سامنے آجائے جس کی بناء پر وہ اپنا روزہ چھوڑ دے۔

۹۔ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ: وَادٍ فِیْ جَھَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْہُ جَھَنَّمُ کُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَۃِ مَرَّۃٍ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَنْ یَدْخُلُہٗ؟ قَالَ: اُعِدَّ لِلْقُرَّاءِ الْمُرَائِیْنَ بِاَعْمَالِھِمْ.

(الترغیب والترھیب ۱/۳۳)

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہو۔ جُبّ الحزن (غم کی گھاٹی) سے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رسول اللہؐ جب الحزن کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جہنم میں ایسی وادی ہے جس سے خود جہنم ہر دن چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ: اے اللہ کے رسولؐ اس میں کون لوگ داخل ہونگے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ریا کار قاریوں کے لیے اسے تیار کیا گیا ہے۔

یہ ارشاداتِ عالیہ ہماری تنبیہ کے لیے کافی ہیں کہ ہمیں اپنے سر کو ہر اس عمل و عقیدے سے محفوظ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرنے کے تقاضے کے منافی ہو۔ ریا کاری اور عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک کرنا درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کیساتھ نہایت بے حیائی اور بے شرمی کی بات ہے۔ اسی لیے اللہ سے حیاء کرنے میں سب سے اول جس چیز کو ذکر کیا گیا وہ سر اور اس سے متعلقہ چیزوں کو محرمات سے محفوظ رکھنا ہے۔

دوسری فصل

تکبر سے پرہیز

سر کی حفاظت کا دوسرا عنصر اور اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنے کا ایک اہم تقاضہ یہ ہے کہ ہمارا سر اور ہمارا دماغ کبر و خود نمائی کے مہلک جذبات و جراثیم سے پوری طرح پاک ہو۔ کبریائی صرف اور صرف ذات خداوندی کو زیب دیتی ہے۔ قرآنِ کریم کھلے لفظوں میں اعلان کرتا ہے:

۱۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

(سورۃ جاثیہ آیت ۳۷)

اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست، حکمت والا۔

زمین پر اکڑ کر چلنا اور سر کو متکبرانہ انداز میں ہلاتا جلانا، قرآن و حدیث کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمایا گیا:

۲۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا. (سورۃ بنی اسرائیل ۳۷)

اور مت چل زمین پر اکڑتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہونچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر۔

۳۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ.

(سورۃ لقمان آیت ۱۹)

اور مت چل زمین پر اتراتا، بیشک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا بڑائیاں کرنے والا۔

اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ اِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا

مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ. (ابوداؤد ۲/ ۵۶۶ عن ابی هریرةؓ مسلم ۲/ ۳۲۹، ابن ماجه ۳۰۸)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو ان میں سے کوئی چیز بھی مجھ سے لینے کی کوشش کریگا میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔

۲۔ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءٍ. (مسلم ۱/ ۱ ۵ عن عبداللہ بن مسعودؓ ترمذی ۲/ ۲۰ مشکوۃ ۲/ ۴۳۳)

کوئی بھی ایسا شخص جنت میں نہ جاسکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔

۳۔ يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ يُسَاقُوْنَ اِلٰى سِجْنٍ فِي جَهَنَّمَ يُسَمّٰى "بُوْلَسَ" تَعْلُوْهُمْ نَارُ الْاَنْيَارِ يُسْقَوْنَ مِنْ عُصَارَةِ اَهْلِ النَّارِ طِيْنَةِ الْخَبَالِ. (ترمذی عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده مشکوۃ ۲/ ۴۳۳، الترھیب ۳/ ۳۵۵)

تکبر کرنے والوں کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح آدمیوں کی صورت میں جمع کیا جائیگا ذلت ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوگی، انکو جہنم کے قید خانہ کی طرف لیجایا جائے گا جس کا نام "بولس" ہوگا ان پر "آگوں کی آگ" بلند ہوگی۔ اور انہیں دوزخیوں کے زخموں کا نچوڑ (خون پیپ وغیرہ) پلایا جائے گا جس کا نام "طینۃ الخبال" ہوگا۔

۴۔ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهِ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهُ مَا اَصَابَهُمْ. (ترمذی شریف ۲/ ۲۰ عن سلمة الاکوعؓ)

آدمی برابر اپنے نفس کو (تکبر کی جانب) کھینچتا رہتا ہے تا آنکہ اسکا نام سرکشوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پس اسے بھی وہی (عذاب) ہوگا جو ان متکبرین کو ہوگا۔

۵۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ دَرَجَةً يَرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهِ دَرَجَةً حَتّٰى يَجْعَلَهُ اللّٰهُ فِي

اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ وَمَنْ تَکَبَّرَ عَلَی اللّٰہِ دَرَجَۃً یضعہُ اللّٰہُ بِہٖ دَرَجَۃً حَتّٰی یَجْعَلَہٗ فِیْ اَسْفَلِ سَافِلِیْنَ. (ابن ماجہ ۳۰۸، الترغیب و الترهیب ۳/ ۳۵۱)

جو اللہ کے لیے ایک درجہ انکساری کرے اللہ تعالیٰ اسکا مرتبہ بلند کرتا ہے تا آنکہ اسے علیین میں اعلیٰ مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ اور جو اللہ پر ایک درجہ تکبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا مرتبہ گھٹاتا ہے۔ حتی کہ اسے جہنم کے سب سے نچلے درجہ پہنچا دیتا ہے۔

۶۔ اِیَّاکُمْ وَالْکِبْرَ فَاِنَّ الْکِبْرَ یَکُوْنُ فِی الرَّجُلِ وَاِنَّ عَلَیْہِ الْعَبَاءَۃَ. (رواہ الطبرانی عن عبداللہ بن عمرؓ، الترهیب و الترهیب ۳/ ۳۵۲)

تکبر سے بچتے رہو۔ اس لیے کہ تکبر آدمی میں پایا جاتا ہے اگر چہ اس پر (بزرگی کا) چوغہ ہو۔

۷۔ بَیْنَمَا رَجُل مِمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ یَجُرُّ اِزَارَہٗ مِنَ الْخُیَلَاءِ خُسِفَ بِہٖ فَھُوَ یَتَجَلْجَلُ فِی الْاَرْضِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ. (نسائی شریف ۲/ ۲۹۸ عن عبداللہ بن عمرؓ، الترغیب العرهیب ۳/ ۳۵۶)

تمہارے سے پہلی امتوں کا ایک شخص تکبر کی بناء پر اپنا تہبند لٹکاتا تھا تو اسے زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت تک دھنستا ہی چلا جا رہا ہے۔

۸۔ مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. (بخاری شریف ۲/ ۸۶۰ عن عبداللہ بن عمرؓ حدیث ۵۷۸۵، العرغیب و العرهیب ۳/ ۳۵۷)

جو شخص بڑائی کی وجہ سے اپنے کپڑے (ٹخنے سے) نیچے لٹکائے تو اللہ قیامت کے دن اس طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا۔

۹۔ مَنْ تَعَظَّمَ فِیْ نَفْسِہٖ اَوِ اخْتَالَ فِیْ مِشْیَتِہٖ لَقِیَ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ. (ورواہ الطبرانی عن ابن عمرؓ، الترغیب و العرهیب ۳/ ۳۵۷)

جو شخص اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور چال میں تکبر کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ تکبر اور خود پسندی ایسی بدترین خصلت ہے، جو انسان کو دنیاء آخرت کہیں کا نہیں چھوڑتی، اور پھر اللہ کے مقابلہ میں تکبر کرنا نعوذ باللہ نہایت بے حیائی اور دیدہ دلیری کی بات ہے۔ اس لیے اپنے دماغ کو اس ناسور سے محفوظ رکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے شرم کرنے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ہمیں ہر اعتبار سے تواضع اور انکساری کی صفت پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تواضع کے ذریعہ انسان بلندی کے ناقابل تصور مقام تک پہنچ جاتا ہے اور تکبر کی وجہ سے اگرچہ خود کو کتنا ہی بڑا سمجھتا رہے مگر لوگوں کی نظر میں کتے اور خنزیر سے بدتر ہو جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۳۴) اللہ تعالیٰ اس منحوس برائی سے ہمیں محفوظ رکھے اور اپنی ذاتِ کامل سے حیاء کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

تیسری فصل

زبان کی حفاظت

حدیث بالا میں سر کی حفاظت ہی کو حیاء کا مدار قرار نہیں دیا گیا بلکہ "فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى" کے الفاظ لا کر بتایا گیا کہ سر کے متعلق جو اعضاء و جوارح ہیں، اور جن سے کسی فعل اور تصرف کا صدور ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کے لیے انہیں بھی معاصی اور منکرات سے بچانا اور محفوظ رکھنا ضروری اور لازم ہے۔

سر کے متعلقہ اعضاء میں انسان کی زبان کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ چھوٹی سی زبان اگر راستی پر چلتی رہے تو عظیم القدر درجات کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنتی ہے۔ اور اگر زبان ہی بے حیاء بن جائے اور اللہ رب العزت کے خوف سے بے نیاز ہو کر ممنوع کلمات صادر کرتی رہے تو انسان کے لیے حد درجہ شقاوت اور محرومی کا سبب بن جاتی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں:

اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ: اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا.

(ترمذی شریف ۶۶/۲ ۔بیہقی فی شعب الایمان ۲۴۴/۴ حدیث ۴۹۴۶ ، مشکوۃ شریف ۴۱۳/۲)

جب آدمی صبح سو کر اٹھتا ہے تو سارے اعضاء زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے اللہ سے ڈرتی رہ! اس لیے کہ ہم تیرے ساتھ ہیں اگر تو سیدھی رہے تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگی تو ہم ٹیڑھے ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ زبان کو قابو میں رکھنا اللہ سے حیاء کا حق ادا کرنے والے کے لیے ضروری ہے۔ بغیر اس کے شرم کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر نبی برحق، رسول اکرم ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ زبان کی حفاظت کی ترغیب دی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

۱۔ **مَنْ صَمَتَ نَجَا.** (بیہقی فی شعب الایمان ۲۵۴/۴ حدیث ۴۹۸۳)

جو(غلط بات کہنے سے) خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

۲۔ ایک صحابی عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ نجات کیسے حاصل ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

اَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ. (ترمذی ۲/۶۶ بیہقی فی شعب الایمان ۱/۲۹۲ حدیث ۸۰۵)

اپنی زبان قابو میں رکھو، اور تمہارا گھر تمہیں گنجائش دے (بلا ضرورت وہاں سے نہ نکلو) اور اپنی غلطی پر رویا کرو۔

۳۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ؐ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ میرے اوپر سب سے زیادہ کس بات کا خوف کرتے ہیں؟ تو آپ ؐ نے اپنی زبان پکڑی اور (اور اس کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا: ھٰـــذَا (ترمذی شریف ۲/۶۶، مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۳) یعنی سب سے زیادہ خطرہ کی چیز یہ زبان ہے۔

۴۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَقَامُ الرَّجُلِ لِلصَّمْتِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً. (مشکوٰۃ ۲/۴۱۴ عن عمران بن حصین ؓ، بیہقی فی شعب الایمان ۴/۲۴۵ حدیث: ۴۹۵۳)

انسان کا خاموشی کو اختیار کرنے کا مرتبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔

۵۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یَـا اَبَاذَرٍّ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی خَصْلَتَیْنِ ھُمَا اَخَفُّ عَلَی الظَّھْرِ وَاَثْقَلُ فِی الْمِیْزَانِ مِنْ غَیْرِھِمَا؟ قَالَ: بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ: طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِھِمَا. (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۵، بیہقی فی شعب الایمان ۴/۲۴۲ حدیث ۴۹۴۱)

اے ابوذر کیا میں تمہیں ایسی دو عادتیں نہ بتاؤں جو پیٹھ پر ہلکی (یعنی کرنے میں آسان) اور میزان عمل میں بھاری ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ضرور بتائیں۔تو آپؐ نے فرمایا (۱) لمبی خاموشی۔(۲) خوش اخلاقی۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔مخلوق نے ان دونوں عادتوں سے بڑھکر کوئی عمل نہیں کیا۔

۶۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ یَّضْمَنُ لِی مَابَیْنَ لَحْیَیْه وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْهِ اَضْمَنُ لَهُ الْجَنَّةَ. (بخاری شریف ۲/۹۵۸ عن سہل بن سعدؓ)

جو شخص مجھ سے اس چیز کی ضمانت لے لے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کی جو اس کے پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) تو اسکے لیے جنت کی میں ضمانت لیتا ہوں۔

۷۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا اَکْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَی اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، اَتَدْرُوْنَ مَا اَکْثَرُ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ اَلاجُوْفَانِ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ. (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ،مشکوۃ ۲/۴۱۲)

کیا تم جانتے ہو کیا چیز لوگوں کو سب سے زیادہ جنت داخل کرے گی؟ وہ اللہ کا تقویٰ اور خوش اخلاقی ہے۔اور کیا تمہیں معلوم ہے سب سے زیادہ کیا چیز لوگوں کو جہنم میں پہنچائے گی؟ وہ دو درمیانی چیزیں یعنی منہ اور شرم گاہ ہیں۔

۸۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حوالہ سے آنحضرت ﷺ کی یہ نصیحت بھی نقل کی گئی ہے۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ.

(بخاری شریف ۲/۹۵۹)

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ یا تو خیر کی بات

کہے ورنہ خاموش رہے۔

۹۔ ایک دوسری حدیث میں حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ نقل فرماتے ہیں:

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَکْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ. وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَکْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَیْهِ سَخَطَهُ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ. (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۲)

بیشک آدمی کوئی خیر کی بات زبان سے نکالتا ہے مگر اس کے درجہ کو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کے ذریعے اس کے لیے قیامت تک اپنی رضا کو لکھ دیتا ہے۔ اور آدمی کوئی برا کلمہ کہتا ہے اسکے درجہ کو بھی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے قیامت تک اس سے اپنی ناراضی مقرر فرما دیتا ہے۔

یہ ارشادات مبارکہ ہمیں بتاتے ہیں کہ زبان کی حفاظت کس قدر مہتم بالشان اور ضروری امر ہے، جس کا لحاظ رکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ہرگز ادا نہیں ہو سکتا۔

زبان کی آفتیں

زبان کے ذریعہ جن گناہوں کا صدور ہوتا ہے، یا زبان جن معاصی کے ارتکاب کا ذریعہ بنتی ہے وہ بے شمار ہیں، ان سب کو تحریر میں لانا دشوار ہے۔ تاہم امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں زبان کے گناہوں کو ۲۰ عنوانوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں انسان زبان کے ذریعہ مبتلا ہوتا ہے۔ ذیل میں وہ گناہ ترتیب وار پیش ہیں:

(۱) بے ضرورت کلام کرنا۔

(۲) ضرورت سے زائد بات کرنا۔

(۳) حرام چیزوں کا تذکرہ کرنا (مثلاً فلم کی اسٹوری، فاسقوں کی مجلسوں کا ذکر وغیرہ)

(۴) جھگڑا کرنا۔

(۵) دوسرے کی حقارت کی غرض سے شور مچانا۔

(۶) گالم گلوچ اور فحش کلامی کرنا۔

(۷) مٹھار مٹھار کر بات چیت کرنا۔

(۸) دوسرے پر لعن طعن کرنا۔

(۹) ناجائز مذاق کرنا۔

(۱۰) گانا اور غلط اشعار پڑھنا۔

(۱۱) دوسرے کا استہزاء کرنا۔

(۱۲) کسی کا راز ظاہر کرنا۔

(۱۳) جھوٹا وعدہ کرنا۔

(۱۴) جھوٹ بولنا۔

(۱۵) کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنا۔

(۱۶) چغلی کھانا۔

(۱۷) دوغلی باتیں کرنا۔

(۱۸) غیر مستحق کی تعریف کرنا۔

(۱۹) اپنی غلطیوں سے بے خبر رہنا۔

(۲۰) عوام میں ایسی دینی باتیں بیان کرنا جو ان کی سمجھ سے باہر ہوں (مثلاً تقدیر اور ذات وصفاتِ خداوندی سے متعلق گفتگو کرنا وغیرہ)۔ (احیاء العلوم جلد نمبر۳)

یہ سب گناہ ایسے ہیں جو عموماً زبان ہی کی بے احتیاطی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء اور شرم کرنے کے لیے اپنے کو ان سب منکرات سے بچانا ضروری اور لازم ہے۔

چوتھی فصل

جھوٹ

زبان کے ذریعہ سے سب سے زیادہ جس گناہ کا ارتکاب کر کے بے حیائی کا ثبوت دیا جاتا ہے وہ جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا ہے۔

قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ. (سورۃ آل عمران آیت ٦١)

پس لعنت کریں اللہ کی ان پر جو کہ جھوٹے ہیں۔

اور احادیث مبارکہ میں مختلف انداز سے اس گناہ کی شناعت کو بیان فرمایا گیا ہے

(۱) ایک اور حدیث میں ہے:

اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلاً مِنْ نَتْنِ مَاجَاءَ بِهٖ. (رواہ الترمذی ۲/۱۸)

جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو اس کلمہ کی بدبو کی وجہ سے جو اس نے بولا ہے رحمت کا فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ نے سچائی کو اختیار کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقاً. وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا. (متفق علیہ مشکوۃ شریف ۲/۴۱۲)

سچ کو اختیار کرو، اس لیے کہ سچ بولنا نیکی کی طرف لیجاتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے، اور آدمی برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا متلاشی رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اس کا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچتے رہو۔ اس لیے کہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور فسق و فجور جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔ اور آدمی برابر جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ کو تلاش کرتا رہتا ہے تا آنکہ اللہ کے یہاں اس کا نام جھوٹوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔

(۳) ایک مرتبہ اپنے خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپ کو آسمان پر لے گئے ہیں، وہاں آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا، ایک کھڑا ہوا ہے اور دوسرا بیٹھا ہوا ہے۔ کھڑا ہوا آدمی بیٹھے ہوئے آدمی کے کلے کو لوہے کی زنبور سے گدی تک کاٹتا ہے، پھر دوسرے کلے کو اسی طرح کاٹتا ہے، اتنے میں پہلا کلا ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ یہ عمل برابر جاری ہے۔ آپؐ نے اپنے ساتھی فرشتوں سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا:

اَلَّذِیْ رَاَیْتَہٗ یُشَقُّ شِدْقُہٗ فَکَذَّابٌ یَکْذِبُ بِالْکِذْبَۃِ تُحْمَلُ عَنْہُ حَتّٰی تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَیُصْنَعُ بِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ. (بخاری شریف ۱/۱۸۵، ۲/۲۰۰)

جس کو آپ نے دیکھا کہ اسکے کلے چیرے جا رہے ہیں وہ ایسا بڑا جھوٹا ہے جس نے ایسا جھوٹ بولا کہ وہ اس سے نقل ہو کر دنیا جہاں میں پہونچ گیا، لہٰذا اس کے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ کیا جاتا رہے گا۔

(۴) رسول اکرم ﷺ نے مذاق میں بھی جھوٹ بولنے سے ممانعت فرمائی۔ بلکہ ایسے شخص کے لیے تین مرتبہ بددعا فرمائی ہے۔

وَیْلٌ لِّمَنْ یُّحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِہِ الْقَوْمَ، وَیْلٌ لَّہٗ، وَیْلٌ لَّہٗ.

(رواہ احمد والترمذی، مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۳)

جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لیے بربادی ہو، بربادی ہو، بربادی ہو۔

آج کل عام لوگ ہنسانے کے لیے نت نئے چٹکلے تیار کرتے ہیں۔ اور محض اس لیے جھوٹ بولتے ہیں تاکہ لوگ ہنسیں، انہیں آنحضرت ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد اپنے پیش نظر

رکھنا چاہیے اور اس برے فعل سے باز آنا چاہیے۔

(۵) رسولِ اکرم ﷺ نے جھوٹ بولنے کو بڑی خیانت قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثاً هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهِ كَاذِبٌ. (رواہ ابوداؤد مشکوۃ ۲/۴۱۳)

یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی گفتگو کرے جس میں وہ تجھے سچا سمجھتا ہو حالانکہ تو اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔

(۶) جھوٹ بولنے کو منافق کی خاص علامتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ. اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ. (بخاری شریف ۲/۹۰۰ ومسلم شریف ۱/۵۶)

منافق کی تین (خاص) نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اور جب اسے امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے۔

(۷) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سچ کو جنت کی ضمانت قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِضْمَنُوْلِی سِتًّا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ. اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ، وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ، وَاَدُّوْا اِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ، وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ: (بیهقی فی شعب الایمان ۴/۲۰۴ ـ ۳۲۰ حدیث ۴۸۰۲ ـ ۵۲۵۶ عن عبادة بن الصامت)

تم مجھ سے اپنی طرف سے چھ باتوں کی گارنٹی لے لو، میں تمہارے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔ (۱) جب بات کرو تو سچ بولو۔ (۲) جو وعدہ کرو اسے پورا کرو۔ (۳) اپنی امانت کو ادا کرو۔ (۴) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ (۵) اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ (۶) اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم سے) روکے رکھو۔

(۸) آنحضرت ﷺ نے سچ بولنے کو ان اعمال میں شمار فرمایا جو محبت خدا اور رسول ؐ کی نشانی ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْيُحِبَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ.

(بیهقی فی شعب الایمان ۲/ ۲۰۱ حدیث ۱۵۳۳)

جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرے، اور اللہ اور اسکا رسول اس سے محبت کرے تو وہ جب بولے سچ بولے، اور جب اسے کوئی امانت سپرد کی جائے تو اسے ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

(۹) اسی طرح جھوٹ سے بچنے پر آنحضرت ﷺ نے جنت کی ضمانت لی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَاِنْ كَانَ مَازِحًا. (الترغیب و الترهیب ۳/ ۳۶۴ بیهقی فی شعب الایمان ۴/ ۲۱۷ حدیث ۵۲۴۳ عن ابی امامہؓ)

میں اس شخص کے لیے بیچ جنت میں گھر کی کفالت لیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے اگر چہ مذاق ہی میں کیوں نہ ہو۔

سچ میں ہی نجات ہے

واقعہ یہ ہے کہ جھوٹ سے بچنا اور ہر معاملہ میں سچ کو اختیار کرنا تقربِ خداوندی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ اس صفت کی بدولت انسان میں واقعۃً اللہ رب العالمین سے شرم وحیا کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اور خیرات کی توفیق عطا ہوتی ہے، اس کے برخلاف جھوٹ کے معاملے میں لاپرواہی برتنا سخت نقصان اور محرومی کا سبب ہے، جھوٹ سے وقتی طور پر کوئی دنیاوی فائدہ تو اُٹھایا جا سکتا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے وہ نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا، اور سچ بول کر ہو سکتا ہے وقتی کچھ نقصان محسوس ہو لیکن اس کا نتیجہ اخیر میں ہمیشہ اچھا اور مفید ہی برآمد ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

تَحَرَّوا الصِّدْقَ وَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنَّ الْهَلَكَةَ فِيهِ فَإِنَّ فِيهِ النَّجَاةَ. (الترغیب والترہیب ۳/۳۶۵ عن منصور بن المعتمرؒ)

سچ کو تلاش کرو، اگرچہ اس میں تمہیں ہلاکت معلوم ہو، اس لیے کہ نجات اسی (سچ بولنے) میں ہے۔

اسلامی تاریخ میں غزوۂ تبوک میں بلاعذر شرکت نہ کرنے والے مخلص صحابہؓ (حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن الربیع اور حضرت ہلال ابن امیہؓ) کا نام سنہرے حروف سے نقش ہے جنہوں نے سچ کو اختیار کر کے صحیح صحیح معاملہ آنحضرت ﷺ کو بتلا دیا تھا جس کی وجہ سے اگرچہ انہیں پچاس دن بائیکاٹ کی تکلیف جھیلنی پڑی لیکن آخرکار ان کی توبہ کی قبولیت کے سلسلے میں قرآن کریم کی آیات (وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا الخ) نازل ہوئیں، اور انہیں ان کی سچائی کی بنا پر رب ایزدی کی جانب سے رحمت ومغفرت کا تمغہ عطا کیا گیا، اور جن منافقین نے جھوٹے عذر پیش کر کے بظاہر اپنی جان بچالی تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے جہنمی ہونے کا اعلان فرمایا۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۴)

تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جھوٹے آدمی کا اعتماد لوگوں میں مجروح ہو جاتا ہے، اور لوگ اسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جھوٹ سے زیادہ کوئی صفت ناپسند نہ تھی۔

(الترغیب والترہیب ۳/۳۶۷)

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مومن میں ہر صفت ہو سکتی ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا (یعنی اگر جھوٹا ہو تو اس کے ایمان میں نقص ہوگا) (الترغیب ۳/۳۶۸)

اور حضرت عمر فاروقؓ نے کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک کمال ایمان حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ مذاق (تک) میں جھوٹ بولنے اور جھگڑا کرنے سے باز نہ آجائے، اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔ (الترغیب ۳/۳۶۷)

یہ بھی جھوٹ ہے

ان ہدایات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے، جھوٹ کا معاملہ کتنا نازک ہے؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عنه قَالَ: دَعَتْنِي أُمِّي يَوْمًا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ فِي بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالَ أُعْطِيكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أَرَدْتِ أَنْ تُعْطِيَهُ؟ قَالَتْ أَرَدْتُ أَنْ أُعْطِيَهُ تَمْرًا۔ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَمَا إِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذِبَةٌ۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۷۰)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمارے مکان میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے (میری جانب بند مٹھی بڑھا کر) کہا: یہاں آؤ میں تمہیں دوں گی (جیسے مائیں بچے کو پاس بلانے کے لیے ایسا کرتی ہیں) آنحضرت ﷺ نے والدہ سے ارشاد فرمایا: تمہارا اسے کیا دینے کا اردہ تھا؟ والدہ نے جواب دیا کہ میں اسے کھجور دینا چاہتی تھی، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اسے کھجور نہ دیتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت سی ایسی باتیں جنہیں معاشرہ میں جھوٹ نہیں سمجھا جاتا ہے، ان پر بھی جھوٹ کا گناہ ہوسکتا ہے۔ بچوں کو جھوٹی تسلیاں دینا اور جھوٹے وعدے کرنا عام طور پر ہر جگہ رائج ہے، اور اسے جھوٹ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ حالانکہ ارشاد نبویؐ کے مطابق یہ بھی جھوٹ میں داخل ہے۔ اسی طرح ہنسانے کے لیے اور محض تفریح طبع کے لیے جھوٹ بولنے کو گویا کہ حلال سمجھا جاتا ہے، اور اسے قطعاً عیب کی چیز شمار نہیں کیا جاتا۔ جبکہ اس مقصد سے جھوٹ بولنا بھی سخت گناہ ہے۔

تجارت پیشہ حضرات متوجہ ہوں

خرید وفروخت کے معاملہ میں بھی دل کھول کر جھوٹ بولا جاتا ہے، اور قطعاً اسکے

گناہ ہونے کا احساس نہیں کیا جاتا۔ تاجر کے پیشِ نظر بس یہ رہتا ہے کہ اسکی دوکان کا مال بکنا چاہیے بھلے ہی جھوٹ بولنا پڑے۔ گاہکوں کو لبھانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور محض چند روزہ نفع کے لیے آخرت کی محرومی مول لی جاتی ہے۔ اسی بنا پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔

(مشکوٰۃ ۱/۲۴۴، ترمذی ۱/۲۳۰)

(اکثر) تاجر قیامت کے دن فاجروں کی صف میں اٹھائے جائیں گے، مگر وہ (تاجر) جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کرے اور سچ بولے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ التُّجَّارَ ھُمُ الْفُجَّارُ۔

بیشک تاجر ہی فاجر ہیں۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ نے بیع کو حلال نہیں فرمایا (پھر بیع کرنے والے کیوں خطا کار ہیں؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

بَلٰی الٰکِنَّھُمْ یَحْلِفُوْنَ فَیَاْثَمُوْنَ وَیُحَدِّثُوْنَ فَیَکْذِبُوْنَ۔ (الترغیب ۲/۳۶۶)

ہاں (بیع حلال تو ہے) مگر یہ (تاجر) قسمیں کھا کر گنہگار ہوتے ہیں۔ اور جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں، (اس لیے انہیں فاجر کہا گیا)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جنکی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہ فرمائے گا اور نہ انکا تزکیہ کرے گا، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسے بدنصیب لوگ کون ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَہٗ بِالْحَلْفِ الْکَاذِبِ۔ (مسلم شریف ۱/۷۱، الترغیب ۲/۳۶۷)

(ایک) وہ جو اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکائے، (دوسرے) وہ جو صدقہ کر کے احسان جتائے، (تیسرے) وہ جو اپنے سامان کو جھوٹی قسم کے ذریعہ فروخت کرے۔

ہمارا عمل

آج حال یہ ہے کہ عام طور پر دکاندار اپنے مال کو بیچنے کے لیے۔ (۱) کم درجہ کے مال کو اعلیٰ درجہ کا بتاتے ہیں۔ (۲) قیمت کے بارے میں بے دھڑک جھوٹ بول دیتے ہیں کہ اتنے روپے کی تو ہمیں بھی نہیں پڑی، تاکہ گاہک متاثر ہو جائے، اور اس سے زائد قیمت پر خرید لے (۳) اگر گاہک کسی کمپنی کا سامان مانگے تو یہ نہیں کہتے کہ ہمارے پاس اس کمپنی کا مال نہیں ہے دوسری جگہ سے لے لو، بلکہ یہ کہہ کر گاہک کو دھوکہ دیتے ہیں کہ تم جس کمپنی کا مال مانگ رہے ہو اس کا مال تو بازار میں آ ہی نہیں رہا ہے دوسری کمپنی کا خرید لو تا کہ اسکے یہاں رکھا ہوا مال بک جائے (۴) پرانے مال پر نیا لیبل لگا دیتے ہیں (۵) مال کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔

الغرض ہر وہ طریقہ اپناتے ہیں جس سے گاہک خریدنے پر مجبور ہو جائے، اور اسی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، یہ دینی امور سے بے رغبتی اور لاپرواہی کی دلیل ہے، جھوٹ بہر حال جھوٹ ہے وہ جس وقت بھی بولا جائے اس کا گناہ ہوگا، اس لیے خاص کر تجارت پیشہ حضرات کو اپنی زبانوں کو لگام دینے کی ضرورت ہے، وہ اگر اللہ پر بھروسہ کر کے سچائی اور دیانتداری کے ساتھ کمائی کریں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں بے حساب برکت عطاء فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کا حشر حضرات انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔

(ترمذی شریف ۱/۲۲۹)

جھوٹی تعریفیں

شیطان نے اس زمانہ میں جھوٹ کے پھیلاؤ کے لیے نت نئی رسمیں اور طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔ انہی میں سے ایک رسم لوگوں کی جھوٹی تعریف کرنے، اور بے سروپا

القاب دینے کی بھی ہے۔ اور تو اور خود علماء بھی اس بارے میں احتیاط نہیں کرتے۔ جلسوں کے اشتہارات میں اس جھوٹ کی بھرمار ہوتی ہے۔ حتی کہ ایک معمولی شخص کے ساتھ ایک ایک لائن کے آداب والقاب لگا کر مکمل جھوٹ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مقرروں کے تعارف، سپاسناموں اور منقبتی نظموں میں وہ مبالغہ آرائی کی جاتی ہے کہ الامان الحفیظ۔ پھر طرہ یہ کہ اس عمل کو جھوٹ سمجھا بھی نہیں جاتا۔ اللہ کی نظر میں یہ عمل نہایت ناپسندیدہ ہے۔ خاص کر جب کسی نا اہل اور فاسق و فاجر کی تعریف کی جاتی ہے (جیسا کہ آج کل لیڈروں اور افسران کی خوشامد وغیرہ کا طریقہ ہے) تو اس گناہ کی وجہ سے عرش خداوندی تک کانپ اٹھتا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ۔ (مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۴ عن انسؓ)

جب فاسق شخص کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ رب العزت کو غصہ آتا ہے، اور اسکی بنا پر عرش خداوندی حرکت میں آجاتا ہے۔

مالداروں، عہدے داروں اور فاسق و فاجر لوگوں کی تعریف کرنے والے لوگ اس حدیث سے عبرت حاصل کریں اور سوچیں کہ وہ اپنی زبان کو اس گناہ میں مبتلا کر کے کس قدر بے حیائی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

تعریف میں احتیاط

پھر چونکہ محض تعریف کرنا بھی اس معنی کر فتنہ سے خالی نہیں ہے کہ جس شخص کی تعریف کی جارہی ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی تعریف سن کر عجب اور تکبر میں مبتلا ہو جائے اور اپنے باطنی عیوب اس سے پوشیدہ ہو جائیں، اس لیے شریعت میں منہ پر تعریف کرنے والوں کی ہمت شکنی کے احکامات دیئے گئے ہیں، اور خواہ مخواہ تعریف کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ زبان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائی کی خیر

خواہی بھی پیشِ نظر رہے۔(۱) حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے کسی شخص کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَهۡلَكۡتُمۡ اَوۡقَالَ قَطَعۡتُمۡ ظَهۡرَ الرَّجُلِ۔ (بخاری شریف ۸۹۵/۲ عن ابی موسی الاشعری، مسلم شریف ۴۱۴/۲)

تم نے اسے ہلاک کر ڈالا، یا فرمایا کہ تم نے اس آدمی کی کمر توڑ دی۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

وَيۡحَكَ قَطَعۡتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ يقوله مرارًا، اِنۡ كَانَ اَحَدُكُمۡ مَا دِحًا لَا مَحَالَةَ فَلۡيَقُلۡ اَحۡسِبُ كَذَا وَكَذَا اِنۡ كَانَ يُرَى اَنَّهُ كَذٰلِكَ وَحَسِيۡبُهُ اللّٰهُ، وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا۔ (بخاری شریف ۸۹۵/۲ عن ابی بکرۃؓ مسلم شریف ۴۱۴/۲ مشکوٰۃ ۴۱۲/۲)

تیرے لیے ہلاکت ہو، تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی (یہ جملہ کئی بار ارشاد فرمایا) تم میں جسے کسی کی تعریف ہی کرنی ہو تو وہ یوں کہا کرے کہ میرا فلاں کے بارے میں گمان ہے (مثلاً وہ نیک ہے) جبکہ وہ اسے واقعی ایسا ہی سمجھتا ہو اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کا جاننے والا ہے۔ اور تعریف کرنے والا جزم و یقین کے ساتھ حتمی طور پر کسی کی تعریف نہ کرے (کہ اس کا حقیقی علم صرف اللہ کو ہے)۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے پیشہ ور مادحین کو اس طرح ہمت شکن جواب دینے کی تلقین فرمائی:

اِذَا رَأَيۡتُمُ الۡمَدَّاحِيۡنَ فَاحۡثُوۡا فِيۡ وُجُوۡهِهِمُ التُّرَابَ۔ (مسلم شریف ۴۱۴/۲ عن المقداد بن الاسودؓ مشکوٰۃ شریف ۴۱۲/۲)

جب تم (مفاد پرست) تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔

مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منہ نہ لگاؤ، اور وہ تم سے جن دنیاوی منافع کی امیدیں باندھے ہوئے ہیں انہیں پورا نہ کرو۔ تاکہ وہ پھر آگے بھی اس بے جا مدح کی جرأت نہ کر سکیں۔ الغرض حیاء خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی زبان کو ہر اس چیز سے محفوظ

رکھیں جس میں جھوٹ اور خلاف واقعہ ہونے کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ ہمیں حتی الامکان اللہ سے شرم کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

---

۱ تعریف تین طرح کی ہوتی ہے: (۱) منہ پر تعریف کرنا (۲) غائبانہ میں تعریف کرنا۔ اس نیت سے تا کہ جس کی تعریف کی گئی ہے اس تک بات پہنچ جائے۔ یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں (۳) غائبانہ میں تعریف قطع نظر اس سے کہ کسی کو اسکا علم ہو یا نہ ہو، یہ جائز ہے۔ (مظاہر حق ۴/۹۶)

پانچویں فصل

غیبت بھی بے حیائی ہے

زبان کے ذریعہ سے جو گناہ صدور میں آتے ہیں، اور جن کے ذریعہ کھلم کھلا اللہ رب العزت کے ساتھ بے شرمی اور بے حیائی کا ثبوت دیا جاتا ہے ان میں ایک گھناؤنا جرم غیبت کا ہے۔ یہ وبا آج چائے کے ہوٹلوں سے لیکر "سفید پوش حاملین جبہ ؤدستار" کی مبارک مجلسوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ مجلس کی گرمی آج غیبتوں کے دم سے ہوتی ہے۔ اور سلسلہ گفتگو دراز کرنے کے لیے عموماً غیبت ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اب یہ مرض اس قدر عام ہوچکا ہے کہ اس کی برائی اور گناہ ہونے کا احساس تک دل سے نکلتا جارہا ہے۔ یہ صورت حال افسوس ناک ہی نہیں بلکہ اندیشہ ناک بھی ہے، اس کا تدارک جبھی ہوسکتا ہے، اور اس سے بچنے اور محفوظ رہنے کا جذبہ اسی وقت بیدار ہوسکتا ہے جبکہ حدیث کے الفاظ فلیحفظ الرأس وما وعی کے مضامین کا ہروقت استحضار رکھا جائے۔ اور اللہ رب العزت سے حیاء کا حق ادا کرنے کی برابر کوشش کی جاتی رہے۔ اور ساتھ میں بارگاہ ایزدی میں الحاح وزاری اور لجاجت کے ساتھ اسی بدترین روحانی بیماری سے نجات اور شفاء کی استدعاء اور درخواست بھی کی جاتی رہے۔ آج کے دور میں اللہ کی خاص توفیق کے بغیر اس گناہ سے بچنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

غیبت کرنا مردار بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ہے

غیبت کی شناعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے غیبت سے بچنے کا حکم کرتے ہوئے غیبت کرنے کو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے کے مثل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ (الحجرات آیت: ۱۲)

اور برا نہ کہو پیچھے ایک دوسرے کے، بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتی ہے تم کو اس سے۔

ظاہر ہے کہ کوئی شخص ہرگز ہرگز اس بات کا تصور نہیں کر سکتا کہ کسی بھی مردہ کا گوشت کھائے چہ جائے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا۔ قرآن کریم یہ یقین ہمارے دل میں بٹھانا چاہتا ہے کہ جس طرح تمہاری طبیعت اپنے بھائی کا گوشت کھانے پر آمادہ نہیں ہوتی، اسی طرح تمہیں اس کی بُرائی کرنے سے بھی پوری طرح احتراز کرنا چاہیے۔ کیونکہ غیبت کرنا گویا اسکی عزتِ نفس کو بیچ کھانا ہے، جو اسی طرح مکروہ اور ناپسندیدہ ہے جیسے اس کا گوشت کھانا ناپسندیدہ اور کراہت کا باعث ہوتا ہے۔

غیبت کیا ہے؟

جب غیبت پر کسی کو ٹوکا جاتا ہے تو وہ فوراً یہ جواب دیتا ہے کہ کیا ہوا؟ میں تو حقیقت حال بیان کر رہا ہوں۔ گویا کہ یہ حقیقت بیان کرنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ خام خیالی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِیْبَۃُ؟ قَالُوْا: اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ: ذِکْرُکَ اَخَاکَ بِمَا یَکْرَہُ۔ قِیْلَ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ فِیْ اَخِیْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ فِیْہِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْہِ فَقَدْ بَہَتَّہٗ۔ (مسلم شریف ۲/ ۳۲۲ عن ابی ہریرہؓ)

کیا تمہیں معلوم ہے غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کے بارے میں ان باتوں کا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہوں (غیبت ہے) ایک شخص نے سوال کیا کہ اگر میرے بھائی کے اندر وہ صفات ہوں جو میں نے کہی ہیں (تو کیا پھر غیبت ہوگی؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر وہ برائی تیرے ساتھی میں پائی جائے تبھی تو وہ غیبت ہوگی اور اگر وہ بات اس کے اندر نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا ہے۔ (جو غیبت سے بھی بڑا گناہ ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ اس برائی کا بیان کر دینا بھی غیبت ہے جو برائی مذکورہ شخص میں پائی جاتی ہو۔ اور اس کے عموم میں ہر ایسی برائی کا بیان شامل ہے جس سے مذکورہ شخص کی عزت میں فرق آتا ہو خواہ وہ دنیا کی برائی ہو یا دین کی۔ جسم کی برائی ہو یا اخلاق کی، اولاد کی برائی ہو یا بیوی کی، خادم کی برائی ہو یا غلام کی۔ الغرض جس چیز کے بیان سے کسی کی بے عزتی ہوتی ہو اس کا اظہار غیبت کے حکم میں داخل ہے۔ (روح المعانی ۱۵۸/۲۶)

سامنے برائی کرنا بھی گناہ ہے

اور بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح پیٹھ پیچھے برائی کرنا غیبت ہے اسی طرح سامنے برائی کرنا بھی شناعت میں غیبت کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ الفاظ قرآن وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ میں صراحۃً اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اور حدیث کی تعریف ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ کے عموم سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں نقل کرتے ہیں:

وَفِی الزَّوَاجِرِ: لَا فَرْقَ فِی الْغِیْبَۃِ بَیْنَ اَنْ تَکُوْنَ فِیْ غَیْبَۃِ الْمُغْتَابِ اَوْ بِحَضْرَتِهٖ هُوَ الْمُعْتَمَدُ۔ (روح المعانی ۱۵۸/۲۶، کتاب الزواجر ۲۶/۲)

اور زواجر میں لکھا ہے کہ غیبت خواہ مغتاب کی غیر موجودگی میں کی جائے یا اسکی موجودگی میں (دونوں صورتوں میں) کوئی فرق نہیں ہے۔ یہی قابلِ اعتماد بات ہے۔

عام طور پر غیبت کی یہ تاویل بھی کی جاتی ہے کہ "صاحب! یہ بات تو میں اس کے منہ پر کہہ چکا ہوں۔" یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ غیبت صرف وہ ہے جو پیٹھ پیچھے کی جائے۔ اور سامنے کسی کی توہین کریں تو وہ غیبت نہیں ہے حالانکہ حضرات مفسرین کی تشریح سے یہ بات واضح ہے کہ کسی کے سامنے ہر ایسی بات کہنا جو اسے بری لگے، اور اسکی عزت میں اس کی وجہ سے فرق آئے، یہ سب صورتیں غیبت کی وعید میں شامل ہیں، اور ان سے احتراز کی ضرورت ہے، الا یہ کہ غیبت سے مقصود تحقیر اور بے عزتی نہ ہو، بلکہ اصلاح یا دوسروں کو شر سے بچانا

وغیرہ ہو، تو اس کے مسائل ضرورت اور مجبوری کے تحت فقہ کی کتابوں میں الگ سے بیان کیے گئے ہیں۔ (عالمگیریہ ۵/۳۶۲، معارف القرآن ۸/۱۲۳)[1]

آنکھیں کھولیے

احادیثِ مبارکہ میں نہایت شدت کے ساتھ معاشرۂ اسلامی سے اس گھناؤنے جرم کی بنیادیں اکھاڑ پھینکنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، نبی اکرم ﷺ نے غیبت کے متعلق اتنی سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) آنحضرت ﷺ نے سفر معراج میں دوزخ کے معائنہ کے وقت کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جو مردار کھا رہے تھے، تو آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا:

هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ۔ (الترغیب والترھیب ۳/۳۳۰)

یہ وہ لوگ ہیں جو (دنیا میں) لوگوں کا گوشت (یعنی انکی عزت) کھاتے تھے۔ (یعنی غیبت کیا کرتے تھے)

(۲) اسی طرح آپ ﷺ نے دوزخ میں کچھ ایسے بدنصیبوں کو بھی دیکھا جو اپنے تانبے کے ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے۔ انکے بارے میں پوچھے جانے پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] علامہ شامی نے وہ گیارہ مواقع بیان کیے ہیں جن میں کسی کی برائی بیان کرنا غیبت کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ (۱) بطور حسرت و افسوس کے کسی کی برائی بیان کرنا (۲) غیر معین طور پر عام اہل بستی کے عیب بیان کرنا۔ (۳) برسرعام بری حرکتیں کرنے والے کی حرکتیں بیان کرنا (۴) لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے کسی بدعقیدہ شخص کی بدعقیدگی کا اظہار کرنا (۵) حاکم کے سامنے ظلم کے مداوے کے لیے ظالم کا ظلم بیان کرنا (۶) جو بھی شخص برائی روکنے پر قادر ہو اس کے سامنے متعلقہ شخص کے عیوب ظاہر کرنا۔ (مثلاً باپ کے سامنے بیٹے یا مالک کے سامنے خادم کی برائی کرنا) (۷) رشتہ داری قائم کرنے کے متعلق مشورہ دیتے وقت متعلقہ شخص کے عیوب کا اظہار کر دینا (۸) فتویٰ لیتے وقت صحیح صورت حال مفتی کو بتا دینا (۹) غلام وغیرہ خریدنے والے سے غلام کا عیب بیان کرنا (۱۰) محض تعارف کرانے کے لیے کسی کو "نابینا، لنگڑا" وغیرہ کہنا (۱۱) مجروح اور غیر معتبر رواۃِ حدیث اور مصنفین کے حالات کا افشا کرنا، یہ صورتیں غیبت میں داخل نہیں ہیں، لیکن سب میں یہ شرط ہے کہ ان میں بھی تحقیر مسلم کا عنصر ہرگز شامل نہ ہونا چاہیے۔ (شامی کراچی ۶/۴۰۸، شامی ۹/۵۰۱-۵۰۰، فصل فی البیع)

هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِي أَعْرَاضِهِمْ۔ (ابو داؤد شریف ۲/۲۶۹. رواہ بیہقی ۵/۳۰۰ عن انسؓ، الترغیب والترھیب ۳/۳۳۰)

یہ وہی لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔ اور ان کی عزتوں سے کھلواڑ کرتے تھے۔

(۳) نیز ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سفر معراج کے دوران کچھ ایسی عورتوں اور مردوں کو دیکھا جو سینوں کے بل لٹکے ہوئے تھے۔ تو میں (ﷺ) نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا:

هٰؤُلَاءِ اللَّمَّازُوْنَ وَالْهَمَّازُوْنَ الخ۔ (رواہ البیہقی عن راشد بن سعدؓ، الترغیب والترھیب ۳/۳۳۰)

یہ زبان اور آنکھ کے اشاروں کے ذریعہ غیبت کرنے والے ہیں۔

(۴) ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے غیبت اور کسی مسلمان کی آبروریزی کو بدترین سود سے تعبیر فرمایا، آپ کا ارشاد مبارک ہے:

اِنَّ الرِّبَا نَيِّفٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا أَهْوَنُهُنَّ بَابًا مِّنَ الرِّبَا مِثْلُ مَنْ أَتٰى أُمَّهٗ فِي الْاِسْلَامِ وَدِرْهَمٌ مِّنَ الرِّبَا أَشَدُّ مِنْ خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً وَأَشَدُّ الرِّبَا وَأَرْبَى الرِّبَا وَأَخْبَثُ الرِّبَا اِنْتِهَاكُ عِرْضِ الْمُسْلِمِ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِهٖ۔ (رواہ البیہقی ۵/۲۹۹ عن ابن عباسؓ حدیث ۶۷۱۵، الترغیب ۳/۳۲۶)

سود کے ستر سے زیادہ دروازے ہیں۔ ان میں سب سے کمتر سود کے دروازے کا گناہ ایسا ہے جیسے (نعوذ باللہ) کوئی شخص اپنی ماں سے بحالت اسلام بدکاری کرے اور سود کا ایک درہم ۳۵ مرتبہ زنا کرنے سے بھی سخت ہے۔ اور سب سے سخت ترین سود، سب سے بڑا سود، اور سب سے بدترین سود کسی مسلمان کی عزت وحرمت کو پامال کرنا ہے۔

(۵) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے بے خیالی میں ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کے متعلق غیبت کے کلمات نکل گئے (یعنی آپ نے اشارہ سے انہیں قصیرۃ (پستہ قد) کہہ دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اسطرح تنبیہ فرمائی:

لَقَدُ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْمُزِجَ بِهَا الْبَحرُ لَمَزَجَتْهُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد، مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۴)

تم نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر میں ڈالا جائے تو وہ بات سمندر کے پانی کو خراب کردے۔

(۶) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے حضرات صحابہؓ کے مجمع میں فرمایا کہ غیبت زنا سے بڑھ کر ہے۔ صحابہؓ نے حیرت سے سوال کیا کہ حضرت یہ کیسے؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِىْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ وَفِىْ رِوَايَةِ أَنَسٍؓ قَالَ: صَاحِبُ الزِّنَا يَتُوْبُ وَصَاحِبُ الْغِيْبَةِ لَيْسَ لَهٗ تَوْبَةٌ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۵/۳۰۶ عن ابی سعید وجابرؓ حدیث ۶۷۴۱-۶۷۴۲ مشکوٰۃ شریف ۲/۴۱۵)

انسان زنا کرکے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ محض اسکے سچی توبہ کرنے پر اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیتا ہے۔ اور (اسکے برخلاف) غیبت کرنے والے کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک اس کو مغتاب معاف نہ کردے۔ اور حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ زنا کرنیوالا (بڑے گناہ کے احساس سے) توبہ کرلیتا ہے۔ اور غیبت کرنیوالے کو (اپنے گناہ کا احساس نہ ہونے کی وجہ سے) توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ (یہی وجہ ہے کہ غیبت کی شناعت زنا سے بھی زیادہ ہے)

(۷) مشہور صحابی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبت کی وجہ سے انسان عذاب قبر کا مستحق ہو جاتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

بَيْنَا اَنَا اُمَاشِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ اٰخِذٌ بِيَدِىْ وَرَجُلٌ عَنْ يَسَارِهٖ فَاِذَا نَحْنُ بِقَبْرَيْنِ اَمَامَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِىْ كَبِيْرٍ وَبَلٰى فَاَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِجَرِيْدَةٍ فَاسْتَبَقْنَا فَسَبَقْتُهٗ فَاَتَيْتُهٗ بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا نِصْفَيْنِ فَاَلْقٰى عَلٰى ذَا الْقَبْرِ قِطْعَةً وَعَلٰى ذَا الْقَبْرِ قِطْعَةً وَقَالَ اِنَّهٗ يُهَوَّنُ عَلَيْهِمَا مَا كَانَتَا رَطْبَتَيْنِ وَمَا يُعَذَّبَانِ اِلَّا فِىْ

الْبَوْلِ وَالْغِیْبَةِ (مسند احمد بن حنبل ۳۵/۵ حدیث ۲۰۲۵۲)

اس دوران کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، اور آپ ﷺ میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، اور ایک شخص آپ کے بائیں جانب تھا کہ اچانک ہم دو قبروں پر پہنچے جو ہمارے سامنے تھیں۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں (قبر والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور (تمہاری دانست میں) کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا حالانکہ وہ گناہ بڑا ہے۔ لہٰذا کون ہے جو ایک ٹہنی میرے پاس لائے۔ تو ہم حکم کی تعمیل میں جھپٹے۔ میں جلدی جا کر آپ کے لیے ایک ٹہنی لے آیا آپ ﷺ نے اس ٹہنی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ٹکڑا اس قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر ڈال دیا۔ اور فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ان (قبر والوں) پر عذاب میں تخفیف کی جاتی رہے گی اور ان دونوں کو صرف پیشاب (سے نہ بچنے) اور غیبت (کرنے) کی بناء پر عذاب دیا جا رہا ہے۔

(۸) حضرت شفی بن ماتع الاصبحیؒ مرسلا روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعَةٌ یُؤْذُوْنَ اَهْلَ النَّارِ عَلٰی مَا بِهِمْ مِنَ الْاَذٰی یَسْعَوْنَ مَابَیْنَ الْحَمِیْمِ وَالْجَحِیْمِ یَدْعُوْنَ بِالْوَیْلِ وَالثُّبُوْرِ یَقُوْلُ بَعْضُ اَهْلِ النَّارِ لِبَعْضٍ، مَابَالُ هٰؤُلَاءِ قَدْ اٰذَوْنَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی، قَالَ: فَرَجُلٌ مُغْلَقٌ، عَلَیْهِ تَابُوْتٌ مِنْ جَمْرٍ، وَرَجُلٌ یَجُرُّ اَمْعَاءَهٗ وَرَجُلٌ یَسِیْلُ فُوْهُ قَیْحاً وَدَماً۔ وَرَجُلٌ یَاْکُلُ لَحْمَهٗ، فَیُقَالُ لِصَاحِبِ التَّابُوْتِ مَابَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰی مَابِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَیَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ قَدْ مَاتَ وَفِیْ عُنُقِهٖ اَمْوَالُ النَّاسِ، ثُمَّ یُقَالُ لِلَّذِیْ یَجُرُّ اَمْعَاءَهٗ مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰی مَابِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَیَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ کَانَ لَایُبَالِیْ اَیْنَ اَصَابَ الْبَوْلُ مِنْهُ ثُمَّ یُقَالُ لِلَّذِیْ یَسِیْلُ فُوْهُ قَیْحاً وَدَماً، مَا بَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَیَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ کَانَ یَنْظُرُ اِلٰی کَلِمَةٍ فَیَسْتَلِذُّهَا کَمَا یُسْتَلَذُّ الرَّفَثُ ثُمَّ یُقَالُ لِلَّذِیْ یَاْکُلُ لَحْمَهٗ مَابَالُ الْاَبْعَدِ قَدْ اٰذَانَا عَلٰی مَا بِنَا مِنَ الْاَذٰی؟ فَیَقُوْلُ: اِنَّ الْاَبْعَدَ کَانَ یَاْکُلُ لُحُوْمَ النَّاسِ بِالْغِیْبَةِ وَیَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَةِ۔

(رواہ ابن ابی الدنیا و الطبرانی الترغیب و الترھیب ۳۲۹/۳)

چار قسم کے جہنمی اہل جہنم کے لیے اذیت پر اذیت کا باعث ہونگے جو حمیم (کھولتے ہوئے پانی) اور جحیم (دہکتی ہوئی آگ) کے درمیان دوڑتے ہونگے، اور موت اور ہلاکت کو پکارتے ہونگے (جنہیں دیکھ کر) اہل جہنم آپس میں کہیں گے کہ ان پر کیا مصیبت آئی کہ یہ (اپنے ساتھ) ہمیں بھی مصیبت در مصیبت میں مبتلا کر رہے ہیں تو (ان چاروں میں) ایک وہ شخص ہوگا جو بیڑیوں میں بندھا ہوگا اور اس پر انگاروں کا صندوق رکھا ہوگا۔ دوسرا وہ آدمی ہوگا جو اپنی آنتیں گھسیٹتا ہوگا اور تیسرے شخص کے منہ سے پیپ اور خون بہہ رہا ہوگا، اور چوتھا شخص خود اپنا گوشت کھاتا ہوگا۔ پس صندوق والے سے پوچھا جائے گا۔ کہ ابعد (اللہ کی رحمت سے دور) کا کیا ماجرا ہے جسنے ہمیں مصیبت پر مصیبت میں ڈال رکھا ہے؟

وہ جواب دیگا کہ یہ بدنصیب اس حال میں مرا کہ اس کی گردن پر لوگوں کے مالی حقوق تھے۔ پھر آنتیں کھینچنے والے سے اسی طرح کا سوال کیا جائے گا۔ وہ جواب دیگا کہ یہ محروم القسمت اس کی بالکل پروانہیں کرتا تھا کہ پیشاب اس کے بدن پر کہاں لگ رہا ہے۔ اس کے بعد منہ سے پیپ اور خون نکالنے والے سے اہل جہنم اسی طرح کا سوال کریں گے۔ تو وہ جواب میں کہے گا کہ یہ ازلی بدبخت جب کسی غلط بات کو دیکھتا تو اس سے اس طرح لطف اندوز ہوتا تھا جیسے بدکاری سے لطف حاصل کیا جاتا ہے۔ اور آخر میں خود اپنا گوشت کھانے والے سے صورت حال معلوم کی جائیگی تو وہ کہے گا کہ یہ کمترین محروم القسمت (دنیا میں) پیٹھ پیچھے (غیبت کر کے) لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا۔ اور چغلی کھانے میں دلچسپی لیتا تھا۔ (اللہ ہمیں ان رذائل سے محفوظ رکھے۔ آمین)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے متنبہ فرمایا:

مَنْ اَكَلَ لَحْمَ اَخِيهِ فِي الدُّنْيَا قُرِّبَ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: كُلْهُ مَيْتاً كَمَا اَكَلْتَهُ حَيّاً فَيَاكُلُهُ وَيَكْلَحُ وَيَضْجُ۔ (رواہ ابویعلی، الترغیب ۳/۳۲۹)

جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے (غیبت کرے) تو وہ گوشت قیامت کے دن اس کے قریب کیا جائیگا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ جیسے دنیا میں زندگی کی حالت میں (اپنے بھائی کا) گوشت کھایا تھا اب مردہ ہونے کی حالت میں اسکا گوشت کھا۔ پس وہ (مجبوراً) اسے کھائے گا اور منہ بنائے گا اور چیختا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ،

(۱۰) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر چلا گیا، تو بعد میں ایک دوسرے شخص نے اس جانے والے شخص کے متعلق کچھ غیبت والے کلمات کہہ دیئے تو آنحضرت ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ دانتوں میں خلال کرے۔ اس نے جواب دیا: حضور میں نے تو گوشت کھایا ہی نہیں، کس واسطے خلال کروں؟ تو آپ نے فرمایا:

اِنَّکَ اَکَلْتَ لَحْمَ اَخِیْکَ۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۲۸)

تو نے اپنے بھائی کا (غیبت کرکے) گوشت کھایا ہے۔

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود اپنا واقعہ نقل فرماتی ہیں:

قُلْتُ لِا مْرَاَۃٍ مَرَّۃً وَاَنَا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ اِنَّ ھٰذِہٖ لَطَوِیْلَۃُ الذَّیْلِ فَقَالَ الْفِظِیْ، اِلْفِظِیْ، فَلَفَظْتُ بُضْعَۃً مِنْ لَحْمٍ۔ (رواہ ابن ابی الدنیا، الترغیب والترہیب ۳/۳۲۷)

ایک مرتبہ جبکہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس تھی میں نے ایک عورت کے متعلق کہہ دیا کہ یہ تو لمبے دامن والی ہے تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے دو مرتبہ فرمایا۔ تھوکو، تھوکو، چنانچہ میں نے گوشت کا لوتھڑا تھوکا (یہ غیبت کے کلمہ کا اثر تھا)

(۱۲) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک بدبودار ہوا کا جھونکا آیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَتَدْرُوْنَ مَا ھٰذِہِ الرِّیْحُ؟ ھٰذِہٖ رِیْحُ الَّذِیْنَ یَغْتَابُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(رواہ احمد، الترغیب والترہیب ۳/۳۳۱)

کیا تم جانتے ہو یہ کیسی ہوا ہے؟ یہ ان لوگوں کی (بدبودار) ہوا ہے جو اہل ایمان کی غیبت کرتے ہیں۔

ان روایات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت میں غیبت کس قدر ناگوار صفت ہے جس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

علماء کی غیبت

علماء اور اکابر ملت کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے غیبت کا ارتکاب عام لوگوں کی

غیبتوں کے مقابلہ میں زیادہ شدت اور قباحت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں علماء کرام کی جماعت کا درجہ نہایت بلند ہے۔ اس لیے ان کی بے عزتی اور بے توقیری بھی اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ ناپسند ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ عَادَىٰ لِي وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۳ عن ابی ہریرۃؓ)

جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کردیتا ہوں۔

اسی طرح مثل معروف ہے: لُحُوْمُ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَةٌ۔ یعنی علماء کا گوشت نہایت زہریلا ہوتا ہے۔ جو ان کی غیبت کرنے والوں کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔ علماء اور اولیاء اللہ کی تحقیر وتذلیل ایسا جرم ہے۔ جس کی سزا اللہ تعالیٰ نہ صرف آخرت میں بلکہ دنیا میں بھی دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارے میں بے احتیاطی کرتے ہیں وہ قدرتی طور پر دنیا ہی میں ذلت وخواری اور تنگیوں میں مبتلا کردیئے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے اور دانائی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے کو عذاب خداوندی سے بچائے اور "خاصان خدا" کی برائی کرکے اپنے لیے تباہی کا سامان مہیا نہ کرے۔ اور کسی ایسی مجلس میں نہ شریک ہو جس میں لوگوں کی غیبتیں کی جاتی ہوں۔

چغل خوری

چغل خوری بھی دراصل غیبت ہی کا ایک اعلیٰ درجہ ہے۔ جس کے معنی، فساد کی غرض سے[1] کسی شخص کے راز کو دوسرے کے سامنے ظاہر کرنے کے آتے ہیں، قرآن کریم میں متعدد جگہ چغل خوروں پر لعنت کی گئی ہے اور نبی اکرم ﷺ نے چغل خور کے بارے میں نہایت سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، مشہور حدیث ہے:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ۔ (مسلم شریف ۱/۷۰)

چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

اسی طرح ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ زیادہ تر قبر کا عذاب چغل خوری اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۲۳)

---

[1] یہ قید اس لیے لگائی کہ اگر کسی کے راز کے افشاء میں کوئی شرعی مصلحت ہو تو اس راز کو ظاہر کرنے میں حرج نہیں ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ (النووی علی مسلم ۱/۷۱)

اسی لیے زبان کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ ہم اسے چغلی کی گندگی میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھیں۔

چغلی اور غیبت سنے تو کیا کرے؟

عام طور پر لوگوں کا یہ معمول ہے کہ اگر ان کے سامنے کسی شخص کی برائی کی جاتی ہے تو یا تو کہنے والے کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، یا خاموش رہتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ شریعت کے مطابق نہیں، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنِ اغْتِیْبَ عِنْدَهُ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ یَنْصُرْهُ وَهُوَ یَسْتَطِیْعُ نَصْرَهُ اَدْرَکَهُ اِثْمُهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (الترغیب والترھیب ۳/ ۳۳۴ عن انس ؓ)

جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ طاقت کے باوجود (اس کا دفاع کرکے) اس بھائی کی مدد نہ کرے تو اس شخص کو (اپنے مسلمان بھائی کی طرف سے دفاع نہ کرنے کا) وبال دنیا اور آخرت میں ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیبت سن کر خاموش رہنا بھی گناہ ہے۔ حتی الامکان اپنے مسلمان بھائی سے خوش گمان رہ کر اس کی طرف سے صفائی دینے کا اہتمام رکھنا چاہئے۔ یہ اہتمام رکھنا نہایت باعث اجر و ثواب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی وسعت کے مطابق مغتاب شخص کی طرف سے صفائی پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد فرماتا ہے۔ (الترغیب ۳/ ۳۳۵)

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی غیبت یا چغلی سنے تو اسے چھ باتوں کا التزام کرنا چاہئے۔ (۱) چغل خور کی شکایت پر ہرگز یقین نہ کرے اس لیے کہ وہ خبر دینے والا شرعاً فاسق ہے۔ (۲) چغل خور کو اس کے غلط فعل پر متنبہ کرے اور اسے عار دلائے۔ (۳) چغل خور کے فعل کو دل سے برا سمجھے اور اس بناء پر اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ (۴) جسکی چغلی کی گئی ہے اس کی طرف سے بدگمان نہ ہو۔ (۵) چغل خور نے جو بات پہنچائی ہے اس کی کھود کرید اور تحقیق و تفتیش میں نہ پڑے۔ (۶)

چغل خور کے فعل کو کسی دوسرے سے بیان نہ کرے ورنہ خود چغلی کرنے والے کے درجہ میں آجائے گا۔ (احیاء العلوم ۳/۹۴)

حضرت حاجی امداد اللہ کا معمول

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں نہ تو کسی کی شکایت سنی جاتی تھی اور نہ وہ کسی سے بدگمان ہوتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کی بات نقل کرتا تو سن کر اس کی تغلیط فرمادیتے، کہ تم غلط کہتے ہو وہ ایسا نہیں ہے۔ (معارف امدادیہ ۴۳)

ایک مرتبہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں ایک شخص نے آکر کہا کہ فلاں شخص نے آپ کے بارے میں یہ نازیبا باتیں کہی ہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اسنے تو میری پیٹھ پیچھے برائی کی تھی۔ اور تو نے میرے منہ پر میری برائی کردی اس لیے تو اس سے زیادہ برا ہوا۔ حضرتؒ کے اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ اسے پھر کبھی کسی کی شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ (معارف امدادیہ ۱۱۶)

کاش اگر آج ہم بھی اس طریقہ کو اپنالیں تو بآسانی ہم اس عظیم گناہ سے اپنے کو بچاسکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا واقعی حق ادا کرسکتے ہیں۔

بعض بزرگوں کے اقوال وواقعات

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ غیبت سے ہوتا ہے۔ ایک حصہ چغلی سے اور ایک حصہ پیشاب سے نہ بچنے سے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان دین میں غیبت کا اثر آکلہ بیماری سے زیادہ خطرناک صورت میں رونما ہوتا ہے۔ جس طرح مرض آکلہ پورے بدن انسان کو گلادیتا ہے اسی طرح مرض غیبت دین کو چٹ کر جاتا ہے۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی زین العابدینؒ کے سامنے کسی شخص کی غیبت کی، تو آپ نے فرمایا: خبردار! غیبت مت کرنا۔ یہ عمل ان لوگوں کی غذا ہے جو انسانوں کی صورت میں کتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میری نظر میں تمہاری اتنی قدر نہیں ہے کہ مفت میں اپنی نیکیاں تمہارے حوالہ کردوں۔

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے ان کی غیبت کی ہے، تو آپ نے غیبت کرنے والے کے پاس کچھ تازہ کھجوریں بھجیں اور کہلایا کہ تم نے اپنی نیکیوں میں سے کچھ حصہ مجھے ہدیہ کیا ہے تو میں اس احسان کے بدلے میں یہ کھجوریں بھیج رہا ہوں، اگرچہ یہ تمہارے احسان کا پورا بدلہ نہیں ہے۔ اس لیے معذور خیال فرمائیں۔ (از مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم الدین ملخصا)

مشہور صاحب معرفت بزرگ حضرت میمون بن سیارؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک حبشی کا مردہ جسم ہے، اور کوئی کہنے والا ان کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ اس کو کھاؤ! میں نے کہا کہ اے خدا کے بندے میں اس کو کیوں کھاؤں؟ تو اس شخص نے کہا کہ اس لیے کہ تو نے فلاں شخص کے حبشی زنگی غلام کی غیبت کی ہے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم، میں نے اس کے متعلق کوئی اچھی بری بات کی ہی نہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ ہاں! لیکن تو نے اس کی غیبت سنی تو ہے۔ اور تو اس پر راضی رہا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت میمونؒ کا حال یہ ہو گیا تھا کہ نہ خود کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ کسی کو اپنی مجلس میں غیبت کرنے دیتے۔ (تفسیر خازن، بیروت ۴؍۱۷۱)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے فرمایا کہ: "اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا" (غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے) میں غیبت کے شدید تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زنا گناہ باہی (شہوت سے صادر ہونے والا) ہے اور غیبت گناہ جاہی (تکبر سے نکلنے والا) ہے۔ زنا کے صدور کے بعد نفس میں عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ میں نے یہ خبیث اور گھناؤنا کام کیا (اور توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے) اور غیبت میں ابتلاء کے بعد آدمی کو ندامت تک نہیں ہوتی (اور وہ توبہ سے محروم رہتا ہے) اس بناء پر غیبت کو زنا سے بھی بدتر فرمایا گیا ہے۔ (معارف امدادیہ ۱۴۱)

ایک واقعہ

چغل خوری کے مفاسد بیان کرتے ہوئے امام غزالیؒ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص بازار میں غلام خریدنے گیا۔ ایک غلام اسے پسند آگیا۔ بائع نے کہا کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے بس یہ ہے کہ اس میں چغلی کی عادت ہے، مشتری اس پر راضی ہو گیا اور غلام خرید کر گھر لے آیا۔ ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ غلام کی چغل خوری کی عادت نے یہ گل کھلایا کہ اس نے اس شخص کی بیوی سے جا کر تنہائی میں کہا کہ تمہارا شوہر تمہیں پسند نہیں کرتا اور اب اس کا ارادہ باندی رکھنے کا ہے۔ لہٰذا رات کو جب وہ سونے آئے تو استرے سے اس کے کچھ بال کاٹ کر مجھے دیدو۔ تاکہ میں اس پر عمل سحر کرا کر تم دونوں میں دوبارہ محبت کا انتظام کرسکوں۔ بیوی اس پر تیار ہو گئی اور اس نے استرے کا انتظام کرلیا۔ ادھر غلام نے اپنے آقا سے جا کر یوں بات بنائی کہ تمہاری بیوی نے کسی غیر مرد سے تعلقات قائم کرلیے ہیں اور اب وہ تمہیں راستہ سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔ اس لیے ہوشیار رہنا۔ رات کو جب وہ بیوی کے پاس گیا تو دیکھا کہ بیوی استرا لا رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ غلام نے جو خبر دی تھی وہ سچی تھی۔ اس لیے قبل اس کے بیوی کچھ کہتی اس نے اسی استرے سے بیوی کا کام تمام کردیا۔ جب بیوی کے گھر والوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے آکر شوہر کو قتل کردیا۔ اس طرح اچھے خاصے خاندانوں میں خونریزی کی نوبت آگئی۔ (احیاء العلوم ۳/۹۵)

الغرض غیبت اور چغلی ایسی بدترین بیماریاں ہیں، جن سے معاشرہ فساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے، گھر گھر لڑائیاں ہوتی ہیں، دلوں میں کشیدگی اور نفرت جاگزیں ہوتی ہے۔ رشتہ داریاں ٹوٹ جاتی ہیں، خاندانوں مین آگ لگ جاتی ہے، اور بنے بنائے گھر اجڑ جاتے ہیں۔ اور یہ سب فساد زبان کی بے احتیاطی اور اللہ تعالیٰ سے بے شرمی اور بے حیائی کی وجہ سے رونما ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکور میں فرمایا گیا ہے کہ حیاء خداوندی کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہوسکتا جب تک اولاً سر اور اسکے متعلقہ اعضاء کی حفاظت کا اہتمام نہ کیا جائے۔ اور ان اعضاء میں زبان کو ممتاز اور نازک حیثیت حاصل ہے، اس لیے ہمیں زبان کی حفاظت کا ہر ممکن خیال رکھنا چاہیے۔

چھٹی فصل

گالم گلوچ اور فحش کلامی

زبان سے صادر ہونے والے بدترین گناہوں میں لعن طعن اور فحش کلامی کرنا داخل ہے۔ یہ بدزبانی کسی بھی صاحب ایمان کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔ زبان کے ذریعہ ایذا رسانی کرنے والوں کو قرآن کریم میں سخت گناہ کا مرتکب قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب آیت ۵۸)

اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کیے، تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا۔

اور نبی اکرم ﷺ نے بہت سی احادیث مبارکہ میں گالم گلوچ، بدزبانی اور فحش کلامی کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے بعض ارشادات مبارکہ درج ذیل ہیں:

(۱) لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ۔ (مسلم شریف ۱/۷۲)

مؤمن پر لعنت کرنا ایسا (ہی برا) ہے جیسے اس کو قتل کرنا۔

(۲) لَا يَنْبَغِيْ لِصِدِّيْقٍ اَنْ يَّكُوْنَ لَعَّانًا۔ (ریاض الصالحین ۵۵۳)

کسی صدیق کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بہت لعنت کرنے والا ہو۔

(۳) لَا يَكُوْنُ اللَّعَّانُوْنَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ریاض الصالحین ۵۵۳)

لعنت کرنے والے لوگ قیامت کے روز نہ تو سفارشی ہونگے اور نہ گواہی دینے والے ہونگے۔

(۴) لَا تَلَاعَنُوْا بِلَعْنَةِ اللّٰهِ وَلَا بِغَضَبِهٖ وَلَا بِالنَّارِ۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۱۳)

اللہ کی لعنت، اس کے غضب اور جہنم کے ذریعہ آپس میں لعن طعن مت کرو۔

(۵) سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ۔ (مسلم شریف ۱/۵۸)

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔

(۶) لَا یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّاناً۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۱۳)

سچا مومن لعنت باز نہیں ہوتا۔

(۷) لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ۔

(مشکوۃ شریف ۲/۴۱۲)

مومن کامل لعن طعن کرنے والا اور فحش اور بے حیائی کرنے والا نہیں ہوتا۔

(۸) اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا لَعَنَ شَیْئاً صَعِدَتِ اللَّعْنَةُ اِلَی السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَاءِ دُوْنَهَا ثُمَّ تَهْبِطُ اِلَی الْاَرْضِ فَتُغْلَقُ اَبْوَابُهَا دُوْنَهَا ثُمَّ تَاخُذُ یَمِیْناً وَشِمَالاً فَاِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغاً رَجَعَتْ اِلَی الَّذِیْ لُعِنَ فَاِنْ کَانَ اَهْلاً لِذٰلِكَ وَاِلَّا رَجَعَتْ اِلٰی قَائِلِهَا۔ (رواہ ابو داؤد حدیث ۴۹۰۵ بریاض الصالحین ۵۵۳)

جب کوئی شخص کسی چیز پر لعنت کرتا ہے۔ تو اس کی لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے وہاں اس کے لیے دروازے بند ہوتے ہیں۔ پھر زمین کی طرف اترتی ہے تو اس کے دروازوں کو بھی بند پاتی ہے۔ پھر دائیں بائیں جانے کا راستہ ڈھونڈتی ہے اور جب کوئی راستہ نہیں پاتی تو جس پر لعنت کی گئی ہے، اس شخص کی طرف آتی ہے، اگر وہ لعنت کا مستحق ہے تو فبہا، ورنہ لعنت کرنے والے لوٹ جاتی ہے (یعنی لعنت کرنے والے کی لعنت خود اسی کے گلے میں پڑ جاتی ہے)

(۹) اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ۔ (مسلم شریف ۱/۴۸)

کامل مسلمان وہ جس کے ہاتھ اور زبان سے عام مسلمان محفوظ رہیں (وہ کسی کو ہاتھ اور زبان سے تکلیف نہ دے)

(۱۰) یہودی اپنی خباثت باطنی کی بناء پر جب جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آتے تو بجائے "السلام علیکم" کہنے کے "السام علیکم" کہا کرتے تھے، جس کے معنی موت

کے ہیں، تو آپ ﷺ ان کے جواب میں ''وعلیکم'' کہہ کر خاموش ہو جاتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان کی بددعا انہی کے منہ پر ماردی جاتی لیکن حضرت عائشہؓ کو یہودیوں کی حرکت پر سخت غصہ آتا اور جواب کے ساتھ ساتھ ان پر لعنت بھیجتیں اور اللہ کے غضب کی بددعا دیتی تھیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ نصیحت فرمائی:

مَهْلًا يَاعَائِشَةُ اعَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ۔

(بخاری شریف ۸۹۱/۲)

عائشہ ٹھہرو! نرمی اختیار کرو، اور سختی اور بدکلامی سے بچتی رہو۔

اس لیے کہ مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہے کیونکہ ان کی بددعا حضور ﷺ کے حق میں قبول نہ ہوگی اور حضور ﷺ کی بددعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔

(۱۱) آنحضرت ﷺ کے خادم خاص حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں!

لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَبَّاباً وَلَا فَاحِشاً وَلَا لَعَّاناً كَانَ يَقُولُ لِاَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَالَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ۔ (بخاری شریف ۸۹۱/۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گالیاں دینے والے، فحش کلامی کرنے والے اور لعنت کرنے والے نہ تھے، (زیادہ سے زیادہ) ہم میں سے کسی پر عتاب ہوتا تو یہ فرماتے: اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔ اسے کیا ہوا۔

(۱۲) ایک موقع پر رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص خود اپنے والدین کو گالیاں دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نَعَم: يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهُ۔ (مسلم شریف ۶۴/۱)

ہاں (یہ اس طرح ممکن ہے کہ) وہ کسی شخص کے باپ کو گالی دے پھر وہ شخص اس کے باپ کو گالی دے۔ اسی طرح یہ کسی کی ماں کو گالی دے پھر اس کی ماں کو گالی دی جائے

(اس طرح یہ گالی دینے والا خود اپنے والدین کو گالیاں دلوانے کا سبب بن گیا)

(۱۳) حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہلی مرتبہ حاضر ہوئے۔ سلام کیا تعارف ہوا۔ دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ پھر حضور ﷺ سے کچھ نصیحتوں پر عہد لینے کی درخواست کی۔ رسول اکرم ﷺ نے کئی نصیحتیں فرمائیں جن میں ایک اہم نصیحت یہ تھی:

"لَا تَسُبَّنَّ أَحَداً"

تم ہرگز کسی کو گالی مت دینا۔

حضرت جابر ابن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نصیحت کو اس قدر مضبوطی سے تھاما کہ پھر مرتے دم تک کسی انسان کو تو کیا کسی جاندار تک کو گالی نہیں دی۔

(۱۴) ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں کچھ لوگوں کو مچھروں نے کاٹ لیا، انہوں نے مچھروں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو منع فرمایا کہ:

لَا تَسُبُّوهَا فَنِعْمَتِ الدَّابَّةُ فَإِنَّهَا أَيْقَظَتْكُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الترغیب والترهیب ۳/۵۱۵)

مچھر کو برا بھلا نہ کہو۔ وہ اچھا جانور ہے۔ اس لیے کہ وہ تمہیں اللہ کی یاد کے لیے بیدار اور متنبہ کرتا ہے۔ (اسی طرح آپ ﷺ نے مرغ کو لعنت کرنے سے بھی منع فرمایا ہے)

ذرا اندازہ لگائیں جب جانوروں کو برا بھلا کہنے سے روکا گیا ہے تو انسانوں کو ایک دوسرے پر لعن طعن کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے؟

اپنی عزت اپنے ہاتھ

اس بدزبانی اور فحش کلامی سے انسان کا وقار خاک میں مل جاتا ہے۔ خواہ آدمی کتنا ہی باصلاحیت اور اونچے عہدہ پر ہو لیکن بدزبانی کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اس لیے اپنی عزت اور وقار کی حفاظت کے لیے بھی زبان پر کنٹرول کرنا اور اسے بدکلامی سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ آج جب ہم اپنے مسلم معاشرہ کی طرف نظر اٹھاتے

ہیں تو یہ دیکھ کر سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ ہمارے یہاں گالیاں لوگوں کے تکیہ کلام، کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ نہایت فحش، غلیظ کلمات زبانوں پر اس طرح چڑھے رہتے ہیں کہ ان کے نکلتے وقت ذرہ برابر ان کی قباحت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اور یہ صرف بڑوں ہی کا حال نہیں بلکہ سڑکوں پر کھیلتے کودتے بچے بھی گالیوں کے معاملہ میں اپنے مربیوں کے کان کاٹتے نظر آتے ہیں۔ یہ نہایت تکلیف دہ صورت حال ہے۔ ہمارا یہ فریضہ ہونا چاہیے کہ ہم خود اپنے کو اسلامی رنگ میں رنگیں۔ اور زبان کی حفاظت کر کے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا ثبوت دیں تا کہ ہمیں معاشرہ میں باوقار مقام حاصل ہو سکے، اور ہماری آنے والی نسلیں بھی باعزت طور پر زندگیاں گزار سکیں۔

خلاصہ یہ کہ ہماری زبان جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش کلامی، لعن طعن اور ہر اس گناہ سے محفوظ رہنی چاہیے جن کا صدور زبان سے ممکن ہے۔ اسی صورت میں ہم ارشاد نبوی: "فلیحفظ الراس وماوعیٰ" پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

ساتویں فصل

آنکھ کی حفاظت

شرعی طور پر سر کی حفاظت کا تیسرا اہم عنصر اپنی آنکھوں کو گناہوں سے محفوظ رکھنا ہے، آنکھوں کی ذرا سی بے احتیاطی انسان کو بڑے بڑے سنگین گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ آج جو دنیا میں فحاشی اور بے حیائی کا دور دورہ ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی بد نظری اور نظر کی بے احتیاطی ہے۔ شیطان انسان کے ہاتھ میں بد نظری کا ہتھیار دے کر پوری طرح مطمئن ہو چکا ہے۔ اب اسے کسی بھی طاغوتی منصوبہ کو بروئے کار لانے میں زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ یہ بد نظری خود بخود اس کی آرزوؤں کی خاطر خواہ تکمیل کر دیتی ہے۔ نظر کی حفاظت میں کوتاہی بے شرمی کی بنیاد، فتنہ وفساد کا مؤثر ذریعہ اور منکرات و معاصی کا سب سے بڑا محرک ہے۔ تجربہ اور تحقیق سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آج کم از کم ۷۰ فیصد جرائم اور فحاشیاں محض اس بنیاد پر دنیا میں وقوع پذیر ہوتی ہیں کہ ان کی باقاعدہ تربیت سینما ہالوں، ٹی وی پروگراموں اور ویڈیو کیسٹوں کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ ان شیطانی آلات کے فروغ نے مکرم ومحترم رشتوں کی آنکھوں سے حیاء اور شرم کا پانی نیست و نابود کر دیا۔ باعزت گھرانوں کا معاشرتی وقار خاک میں مل گیا۔ اچھے اچھے دینداروں کی شرافت داغدار ہوگئی۔ اسی بد نظری کی پاداش میں بلند وبالا ورع وتقویٰ کے میناروں میں دراڑیں پڑ گئیں اور ذرا سی بد احتیاطی نے زندگی بھر کی نیک نامیوں پر بٹہ لگا دیا۔

اسی بدترین گناہ کی سنگینی اور خطرناکی محسوس کرتے ہوئے اسلامی شریعت نے بد نظری کے ہر دروازہ کو بند کرنے پر نہایت زور دیا ہے۔ قرآن کریم کے احکامات اور احادیث طیبہ کی روشن ہدایات اس سلسلہ میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ. (سورة

النور آیت: ۳۰ پ ۱۸)

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔

اسی طرح کی ہدایت مسلمان عورتوں کو بھی خصوصیت کے ساتھ دی گئی ہے۔ اور انہیں پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اعضاء زینت کو فتنہ کے مواقع پر ظاہر نہ کریں۔ (سورۂ النور: ۳۱) نیز سورۂ احزاب کی آیات میں جو پردہ کے احکامات دیئے گئے ہیں وہ بھی بدنظری کے سدباب کے لیے احتیاطی تدابیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلامی شریعت نے ان تدابیر کو وجوب کا درجہ دیکر اپنی جامعیت اور صحیح معنی میں عملی مذہب ہونے کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسلام برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم رکھتا ہے۔ اور اس کے لیے اسی انداز میں تدبیریں بھی کرتا ہے۔ آج کل کے نام نہاد، مہذب سماج کی طرح نہیں، کہ جو انسداد فحاشی کیلئے صرف کانفرنسوں، ریلیوں اور تجویزوں کا سہارا لیتا ہے۔ اور خود سر سے پیر تک فحاشی کی غلاظتوں میں ملوث ہے۔ دنیا میں اسلام سے بڑھ کر کوئی مذہب بے حیائیوں پر روک لگانے والا نہیں ہے۔ قرآن وسنت میں فحاشی کی بنیاد (جہاں سے یہ بیماری جڑ پکڑتی ہے) یعنی آنکھ کی بے احتیاطی کو سختی سے قابو میں کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ ایسی بنیاد ہے کہ اگر صرف اس پر ہی قابو پالیا جائے تو ساری بے حیائی دنیا سے رخصت ہو سکتی ہے۔

بعض احادیث شریفہ

یہی وجہ ہے نبی آخرالزماں محمد مصطفیٰ ﷺ نے نظر کو شیطان کا زہریلا تیر قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلنَّظْرَةُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِيْسَ مَنْ تَرَكَهَا مِنْ مَخَافِيْ اَبْدَلْتُهٗ اِيْمَانًا يَجِدُ حَلَاوَتَهٗ فِيْ قَلْبِهٖ۔ (الترغیب والترھیب ۲۳/۳ عن عبداللہ بن مسعودؓ)

نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے۔ جو اسے میرے خوف سے چھوڑ دے تو میں اس کے عوض اسے ایسا ایمان عطا کروں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں

محسوس کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کو سختی سے متنبہ فرمایا:

لَتَغُضُّنَّ اَبْصَارَکُمْ وَلَتَحْفَظُنَّ فُرُوْجَکُمْ اَوْلَیَکْسِفَنَّ اللّٰہُ وُجُوْھَکُمْ۔

(الترغیب والترھیب ۲۵/۳ عن ابی امامۃ)

اپنی نظریں نیچی رکھو اور شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو بے نور بنادے گا۔

ایک موقع پر آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اگر اچانک کسی (اجنبی) عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ فوراً وہاں سے نظر ہٹالو۔

(مشکوٰۃ شریف ۲۶۸/۲)

حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ علی! ایک مرتبہ بلا ارادہ دیکھنے کے بعد دوسری مرتبہ (اجنبی عورت کو) دیکھنے کا ارادہ مت کرنا۔ اس لیے کہ پہلی (بلا ارادہ) نظر تو معاف ہے مگر دوسری مرتبہ دیکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ۲۶۹/۲)

حضرت حسن بصریؒ آنحضرت ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو قصداً (بلا عذر کسی کے ستر کو یا اجنبی عورت کو) دیکھنے والا ہو۔ اور وہ بھی ملعون ہے جسے (بلا عذر واضطرار) دیکھا جائے۔ (مثلاً مرد ستر کھول کر گھومے یا عورت بے پردہ پھرے)۔ (مشکوٰۃ شریف ۲۷۰/۳)

ان پاک ارشادات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں نگاہ کی حفاظت پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔

پردہ کے احکامات

اسی بنا پر اسلامی فقہ میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ پردہ اور حجاب کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ تاکہ ان کو پیش نظر رکھ کر انسان ہر اعتبار سے اپنی نظر کو جہنم کا ایندھن بنانے سے محفوظ رکھ سکے۔ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس

سرہ نے ''اصلاح الرسوم'' میں پردہ کے احکامات کا خلاصہ بیان فرمایا جس کی تلخیص درج ذیل ہے۔

مرد کے لیے ناف سے گھٹنے کے نیچے تک مردوں اور عورتوں سے بدن چھپانا فرض ہے۔ سوائے اپنی بیوی کہ اس سے کوئی عضو چھپانا ضروری نہیں۔ گو بلاضرورت اسے بھی بدن دکھانا خلاف اولیٰ ہے۔

عورت کو دوسری (مسلمان) عورت کے سامنے ناف سے گھٹنے تک بدن کھولنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض عورتیں (خصوصاً دیہاتوں میں) دوسری عورتوں کے سامنے ننگی بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ بالکل گناہ ہے۔

عورت کو اپنے شرعی محرم کے سامنے ناف سے گھٹنے تک اور کمر اور پیٹ کھولنا حرام ہے۔ البتہ سر، چہرہ، بازو اور پنڈلی کھولنا گناہ نہیں ہے۔ گو بعض اعضاء کا بلاضرورت کھولنا مناسب بھی نہیں۔ اور شرعی محرم وہ ہے جس سے عمر بھر کسی طرح نکاح صحیح ہونے کا احتمال نہ ہو۔ جیسے باپ، حقیقی بھائی، علاتی (باپ شریک) بھائی، اخیافی (ماں شریک) بھائی، ان بھائیوں کی اولادیں۔ اسی طرح انہی تینوں طرح کی بہنوں کی اولاد اور انہی جیسے رشتہ دار جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے۔ اور جس سے عمر میں کبھی بھی نکاح صحیح ہونے کا احتمال ہو وہ شرعاً محرم نہیں بلکہ نامحرم ہے۔ اور شریعت میں جو حکم محض اجنبی اور غیر آدمی کا ہے وہی حکم ان کا بھی ہے، اگرچہ ان کے ساتھ قرابت کا رشتہ بھی ہو، جیسے چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد اور ماموں زاد بھائی یا بہنوئی یا نندوئی وغیرہ یہ سب نامحرم ہیں۔ اور ان سے وہی پرہیز ہے جو نامحرموں سے ہوتا ہے۔ بلکہ چونکہ ایسے موقعوں پر فتنہ کا واقع ہونا سہل ہے اس لیے اور زیادہ احتیاط کا حکم ہے۔

جو شرعاً محرم ہو اس کے سامنے سر اور بازو اور پنڈلی وغیرہ کھولنا حرام ہے۔ اور اگر سخت مجبوری ہو مثلاً عورت کو ضروری کاروبار کے لیے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہو، یا کوئی رشتہ دار کثرت سے گھر میں آتا جاتا ہو، اور گھر میں تنگی کی بنا پر ہر وقت پردہ نہیں رکھا جا سکتا، صرف

ایسی حالت میں جائز ہے کہ اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ کی کلائی کے جوڑ تک اور پیر ٹخنے کے نیچے تک کھولے رکھے۔ اس کے علاوہ اور کسی حصہ بدن کا کھولنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا ایسی عورتوں پر لازم ہے کہ سر کو خوب ڈھانکیں۔ کرتہ بڑی آستین کا پہنیں۔ پاجامہ غرارہ دار نہ پہنیں۔ اور کلائی اور ٹخنے نہ کھلنے دیں۔

جس عضو کو ظاہر کرنا جائز نہیں (جس کی تفصیل ابھی گزری) اس کو مطلقاً دیکھنا حرام ہے گو شہوت بالکل نہ ہو۔ اور جس عضو کو دیکھنا اور اس پر نظر کرنا جائز ہے اس میں قید ہے کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، اگر ذرا سا شک ہو تو اس وقت دیکھنا حرام ہے۔ اب یہاں سمجھئے کہ بوڑھی عورت جس کی طرف اصلاً رغبت کا احتمال نہ ہو اس کا چہرہ تو دیکھنا جائز ہوگا۔ مگر سر اور بازو وغیرہ دیکھنا جائز نہ ہوگا۔ ایسی عورتیں گھروں میں اس کی احتیاط نہیں کرتیں، اور اپنے نامحرم رشتہ داروں کے سامنے ننگے سر اور بے آستین کا کرتہ پہنے بیٹھی رہتی ہیں، اور خود بھی گنہگار ہوتی ہیں اور مردوں کو بھی گنہگار کرتی ہیں۔

جس عضو کا دیکھنا حرام ہے، اگر علاج کی ضرورت سے اس کی طرف دیکھا جائے تو یہ جائز ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ نظر اس جگہ سے آگے نہ بڑھائے۔

نامحرم مرد کے ساتھ عورت کا تنہا مکان میں رہنا حرام ہے۔ اسی طرح اگر تنہائی نہ ہو بلکہ دوسری عورت موجود ہو مگر وہ بھی نامحرم ہو تب بھی مرد کا اس مکان میں ہونا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر اس عورت کا محرم یا شوہر یا اس مرد کی کوئی محرم یا بیوی بھی اس مکان میں ہو تو مضائقہ نہیں۔ (مگر فتنہ سے محفوظ ہونا یہاں بھی شرط ہے۔ از مرتب)

نامحرم مرد و عورت میں باہم ہم کلامی بھی بلا ضرورت ممنوع ہے۔ اور ضرورت کے وقت بھی فضول باتیں نہ کرے، نہ ہنسے نہ مذاق کی کوئی بات کرے۔ حتیٰ کہ لہجہ کو نرم بھی نہ کرے۔

مرد کے گانے کی آواز عورت کو اور عورت کے گانے کی آواز مرد کو سننا ممنوع ہے۔

حضرات فقہاء نے نوجوان نامحرم عورت کو سلام کرنے یا اس کا سلام لینے سے منع

کیا ہے۔

نامحرم عورت کا جھوٹا مرد کے لیے اور نامحرم مرد کا جھوٹا عورت کے لیے استعمال کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ دل میں لذت پیدا ہونے کا احتمال ہو۔

اگر نامحرم کا لباس وغیرہ دیکھ کر طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہو تو اس کا بھی دیکھنا حرام ہے۔

ایسی نابالغ لڑکی جس کی طرف رغبت ہوتی ہو اس کا حکم بالغہ عورتوں کے مانند ہے۔

جس طرح بری نیت سے نامحرم کی طرف نظر کرنا، اس کی آواز سننا، اس سے بولنا اور چھونا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا خیال دل میں جمانا اور اس سے لذت لینا بھی حرام ہے۔ اور یہ قلب کا زنا ہے۔

اسی طرح نامحرم کا ذکر کرنا یا سننا یا فوٹو دیکھنا یا اس سے خط وکتابت کرنا غرض جس ذریعہ سے بھی خیالات فاسدہ پیدا ہوتے ہوں وہ سب حرام ہیں۔

جس طرح مرد کو اجازت نہیں کہ نامحرم عورت کو بلاضرورت دیکھے بھالے اس طرح عورت کو بھی جائز نہیں کہ بلاضرورت نامحرم کو جھانکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی یہ عادت کہ تقریبات میں دولہا کو یا بارات کو جھانک کر دیکھتی ہیں، بری بات ہے۔

ایسا باریک کپڑا پہننا جس میں بدن جھلکتا ہو وہ مثل ننگے ہونے کے ہے۔ احادیث میں اس کی مذمت آئی ہے۔

مرد کو غیر عورت سے بدن دبوانا جائز نہیں ہے۔

بجنے والا ایسا زیور جس کی آواز نامحرم تک جائے۔ یا ایسی خوشبو جس کی مہک غیر محرم کے دماغ تک پہنچے استعمال کرنا عورتوں کو جائز نہیں۔ یہ بھی بے پردگی میں داخل ہے۔ اور جو زیور خود نہ بجتا ہو مگر دوسری چیز سے لگ کر آواز دیتا ہو اس میں یہ احتیاط واجب ہے کہ پاؤں زمین پر آہستہ رکھے تا کہ افشاء نہ ہو۔

چھوٹی بچی کو بھی بجنے والا زیور نہ پہنایا جائے۔

نامحرم پیر کے سامنے بے پردہ ہونا حرام ہے۔

امرد یعنی بے داڑھی والا (خوبصورت اور پرکشش) لڑکا بھی احکام میں اجنبی عورت کے مانند ہے۔ یعنی اندیشہ شہوت کے وقت اس کی طرف نظر کرنا، اس سے مصافحہ یا معانقہ کرنا، اس کے پاس تنہائی میں بیٹھنا، اس سے گانا سننا، یا اس کے سامنے گانا سننا، اس سے بدن دبوانا، یا اس سے بہت پیار اور اخلاص سے باتیں کرنا یہ سب حرام ہے۔

سفر میں اگر کوئی مرد محرم (یا شوہر) ساتھ نہ ہو تو عورت کو سفر کرنا حرام ہے۔

بعضے لوگ جوان لڑکیوں (یا قریب البلوغ بچیوں) کو نابینا یا بینا مردوں سے بے پردہ پڑھواتے ہیں، یہ بالکل خلاف شریعت ہے۔ (ملخص از اصلاح الرسوم ۵۵ تا ۵۷ بتغیر الفاظ)

یہ سب مسائل قرآن و حدیث کی واضح نصوص سے مستنبط ہیں، اور اصلاح الرسوم میں حاشیہ پر ان کے فقہی حوالے بھی درج ہیں، ان میں سے ہر ہر مسئلہ کو پڑھ کر ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج ہمارے گھرانے میں ان پر کتنا عمل ہوتا ہے اور کتنا خلاف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شریعت پر کامل طور پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باریک اور چست لباس بھی ممنوع ہے

پردہ کے احکامات میں یہ بھی ہے کہ مرد وعورت ایسا لباس نہ پہنا کریں جس سے اعضاء مستورہ کی ہیئت بجائے چھپنے کے اور ابھر کر آجائے۔ آنحضرت ﷺ نے جہنم میں جانے والی بعض عورتوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ (مسلم شریف ۲/۲۰۵)

اور اس جملہ کی تفسیر میں شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ اس سے یا تو ایسا لباس مراد ہے جو پوری طرح ساتر نہ ہو اور یا ایسا باریک لباس مراد ہے جو بدن کی رنگت (اور ہیئت) کو نہ چھپا سکے۔ (نووی علی مسلم ۲/۲۰۵) طبرانی میں مشہور صحابی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيَلْبَسُ وَهُوَ عَارٍ يَعْنِي الثِّيَابَ الرِّقَاقَ۔ (اللباس والزینة من السنة المطهرة ۵۸)

آدمی ایسا لباس پہنتا ہے جسے پہننے کے باوجود وہ بے لباس رہتا ہے (یعنی باریک کپڑے جو ساتر نہ ہوں)

آج کل نئے فیشن میں یہ دونوں باتیں کثرت سے رائج ہوگئی ہیں۔ یا تو ایسے باریک لباس پہنے جاتے ہیں جن سے بدن پوری طرح جھلکتا ہے، یا پھر ایسے چست لباس استعمال کیے جاتے ہیں جو بدن کی ہیئت اُبھار دیتے ہیں۔ یہ طرز لباس مرد وعورت دونوں کے لیے باعثِ شرم اور طبعی غیرت کے خلاف ہے۔ جب سے جینز (کسی ہوئی پینٹ) اور ٹی شرٹ کا بیہودہ فیشن چلا ہے یہ بے غیرتی بالکل عام ہوگئی ہے۔ نوجوان لڑکیاں اور لڑکے برسرعام اس بے حیا لباس کو پہن کر بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مگر ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ جب کہ اللہ سے شرم کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خود بھی ان بے حیائیوں سے بچیں اور اپنے گھروالوں کو بھی ان سے بچانے کی کوشش کریں۔

تنہائی میں بھی بلاضرورت ستر نہ کھولیں

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تنہائی میں بھی حتی الامکان اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کریں۔

(۱) حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسول! ہم اپنا ستر کس سے چھپائیں؟ اور کس سے نہ چھپائیں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ بیوی اور باندی کے علاوہ سب سے چھپاؤ۔" پھر ان صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اگر ہمارے ساتھ دوسرے لوگ بھی رہتے ہوں تو کیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ "جہاں تک ممکن ہو کوشش کرو کہ تمہارے ستر پر کسی کی نظر نہ پڑسکے۔" پھر انہوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! اگر ہم تنہا ہوں تو کیا کریں؟" اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ یُّسْتَحْیٰی مِنْهُ مِنَ النَّاسِ۔ (شعب الایمان ۶/۱۵۱)

تو لوگوں سے زیادہ اللہ سے اس کا مستحق ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔

امام بیہقی اس جملہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ "اس بات سے شرم کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ستر پر نظر کرتے ہوئے نہ دیکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شے، کسی جگہ بھی مخفی نہیں ہے۔ اس اعتبار سے گویا کہ ستر پوشی کو چھوڑ دینا اللہ کے سامنے بے حیائی ہے اور ستر کا اہتمام رکھنا ہی حیا ہے۔ (شعب الایمان ۶/۱۵۱)

(۲) سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ تقریر کے دوران یہ نصیحت فرمائی:

یَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰهِ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنِّیْ لَاظَلُّ حِیْنَ اَذْهَبُ اِلَی الْغَائِطِ فِی الْفَضَاءِ مُتَقَنِّعًا بِثَوْبِیْ اِسْتِحْیَاءً مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

(شعب الایمان ۶/۱۴۲)

اے مسلمانو! اللہ سے شرم کیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان

ہے، میں جب قضاء حاجت کے لیے صحرا میں جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے شرم کی وجہ سے اپنے کپڑے لپیٹ کر جاتا ہوں (یعنی حتی الامکان ستر پوشی کا اہتمام کرتا ہوں)

(۳) حضرت انس ﷜ روایت کرتے ہیں کہ مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷜ سوتے وقت (لنگی کے نیچے) نیکر پہن کر سوتے تھے کہ کہیں سونے کی حالت میں ان کا ستر نہ کھل جائے۔ (شعب الایمان ۶/۱۵۴)

(۴) اسی طرح ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے امت کو یہ ہدایت فرمائی:

اِنَّ اللّٰہَ حَیِیٌّ سَتِیْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَغْتَسِلَ فَلْیَتَوَارَ بِشَیْءٍ۔

(شعب الایمان ۶/۱۶۱)

اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا ستر پوشی کو پسند کرنے والا ہے اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کا ارادہ کرے تو کسی چیز سے آڑ کرلے۔

یہ ہدایات ہم سب کے لیے لائق توجہ ہیں۔ آج کل عموماً تنہائیوں میں ستر کا اہتمام نہیں رہتا، حتی کے گھروں کے باہر سڑکوں پر لگے ہوئے نلوں اور پانی کی ٹینکیوں پر بڑی بڑی عمر کے لوگ ستر کا اہتمام کیے بغیر غسل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیز نہروں اور دریا کے ساحلوں پر تو اس طرح کی بے حیائیوں کے مناظر بکثرت دیکھنے کو ملتے ہیں، تو غور فرمایا جائے کہ جب ہماری شریعت تنہائی میں بھی ضرورت سے زائد ستر کھولنے سے منع کرتی ہے تو بھلا عوامی جگہوں پر اس بے حیائی اور بے غیرتی کے مظاہرہ کی کہاں اجازت ہوسکتی ہے؟

میاں بیوی بھی ستر کا خیال رکھیں

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ زوجین بھی آپس میں بالکل بے شرم نہ ہوجایا کریں بلکہ حتی الامکان ستر کا خیال رکھا کریں۔ چنانچہ ایک مرسل روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَھْلَہٗ فَلْیَسْتَتِرْ وَلَا یَتَجَرَّدُ تَجَرُّدَ الْعِیْرَیْنِ۔(شعب الایمان ۱۶۳/۶)

جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جائے تو حتی الامکان ستر پوشی کرے اور جانوروں کی طرح بالکل ننگے نہ ہو جایا کریں۔

معلوم ہوا کہ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کے ستر کو نہ دیکھیں۔ سیدنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پوری زندگی نہ میں نے آنحضرت ﷺ کا ستر دیکھا، نہ آپؐ نے میرا دیکھا۔ اس لیے ہمیں اس بات کا خالص لحاظ رکھ کر شرم وحیا کا ثبوت دینا چاہیے۔ والدین کے اعمال واخلاق کا اولاد پر بہت اثر پڑتا ہے۔ اگر ہم شرم وحیا کے تقاضوں پر عمل پیرا ہوں گے تو ہماری اولاد بھی انہیں صفات وخصائل کی حامل ہوگی۔ اور اگر ہم شرم وحیا کا خیال نہ رکھیں گے۔ تو اولاد میں بھی اسی طرح کے خراب جراثیم سرایت کر جائیں گے۔ آج ٹیلی ویژن کے پردے پر ننگے اور انسانیت سے گرے ہوئے مناظر دیکھ کر ہمارے معاشرے میں ان کی نقل اتارنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کا بالکل لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ ہمارا رب اور ہمارا خالق و مالک تنہائیوں میں بھی ہمارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے، وہ اس بدترین حالت میں ہمیں دیکھے گا تو اسے کس قدر ناگوار گزرے گا۔ اس لیے اللہ سے شرم کرنی ضروری ہے۔ یہ شرم کا جذبہ ہی ہمیں ایسی بری باتوں سے بچا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں ستر پوشی میں لاپرواہی کا ایک اور نقصان حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی پر بھول اور نسیان کا غلبہ ہو جاتا ہے اور ضروری باتیں بھی اسے یاد نہیں رہتیں۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ بھول کا مرض پیدا کرنے والی چیزوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی شرمگاہ سے کھیل کرے اور اس کی طرف دیکھے۔(شامی ۲۲۵/۱، کتاب الطہارۃ مطلب ست تورث النسیان)

بہر حال نظر سے صادر ہونے والی نامناسب باتوں میں سے اپنے ستر پر بلا

ضرورت نظر کرنا بھی ہے جس سے نظر کو محفوظ رکھنا چاہیے۔

میاں بیوی اپنا راز بیان نہ کریں

اسی طرح یہ بھی بڑی بے شرمی اور بے غیرتی کی بات ہے کہ میاں بیوی اپنے راز کو اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے بیان کریں۔ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى امْرَأَتِهٖ وَ تُفْضِيْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ اَحَدُهُمَا سِرَّ صَاحِبِهٖ (رواہ مسلم ۱۴۳۷ عن ابی سعید الخدری وابو داؤد وغیرھما۔الترغیب والترہیب ۳/۱۴۱)

قیامت کے روز اللہ کی نظر میں لوگوں میں سب سے بدترین مرتبہ پر وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور اس کی بیوی اس کے پاس آئے پھر ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا راز (کسی دوسرے کے سامنے) فاش کردے۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں دوسرے مردوں اور عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ممکن ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کیے جانے والے فعل کو بیان کرتا ہو اور کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ کیے جانے والے کام کی دوسروں کو خبر دیتی ہو۔" آپ کا یہ ارشاد سن کر اور لوگ تو خاموش رہے، مگر میں نے عرض کیا کہ جی ہاں اے اللہ کے رسول! مرد بھی ایسا کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَفْعَلُوْا فَاِنَّمَا مَثَلُ ذٰلِكَ مَثَلُ شَيْطَانٍ لَقِيَ شَيْطَانَةً فَغَشِيَهَا وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ۔ (رواہ احمد۔الترغیب والترہیب ۳/۲۱)

تو ایسا نہ کیا کرو، اس لیے کہ یہ کام ایسا ہی ہے جیسے کوئی شیطان (برسرعام) کسی چڑیل سے جماع کرے اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوں۔

اسلام بے حیائیوں کی باتیں پھیلانے سے روکتا ہے۔زوجین کا اپنا راز عام

لوگوں میں بیان کرنا بدترین قسم کی بے حیائی ہے۔ اور اللہ رب العزت سے شرم وحیا کے قطعاً خلاف ہے۔ اس لیے ہمیں اس بدترین فعل سے بھی احتراز کرنا چاہیے، بالخصوص نو بیاہتے جوڑے اس ہدایت کا خیال رکھیں۔ اس لیے کہ بگڑے ہوئے معاشرہ میں زیادہ تر انہیں ہی اپنے راز بیان کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوگیا کہ یہ بیان کرنا اور بیان پر مجبور کرنا سب بدترین گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین۔

دوسرے کے گھر میں تانک جھانک

آنکھ کے ذریعہ کیے جانے والے گناہوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کسی دوسرے شخص کے گھر جائے اور اندر جانے کی اجازت لینے سے پہلے دروازے یا کھڑکی کے سوراخوں کے اندر جھانکنے لگے۔ یا دروازہ اگر کھلا ہوا ہو تو سیدھا دروازے کے سامنے جا کر کھڑا ہو جائے۔ اس لیے داخلے کی اجازت سے پہلے دیکھ لینے سے اجازت واستیذان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت سعد بن معاذؓ آنحضرت ﷺ کے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لائے اور دروازے کے بالکل سامنے آکر اجازت مانگنے لگے تو آنحضرت ﷺ نے آپ کو ایک کنارے کھڑے ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے سعد ایسے (آڑ میں) کھڑے ہو کر اجازت لیا کرو۔ اس لیے کہ اصل میں اجازت کا حکم تو نظر ہی کی وجہ سے ہے۔ (شعب الایمان ۶/۴۴۳ حدیث ۸۸۲۵)

(۲) آنحضرت ﷺ اس طرح تانک جھانک کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت سہل بن سعد فرماتے ہیں کہ ایک شخص ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے دولت خانہ کے سوراخ میں جھانکنے لگا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں سینگ تھی جس آپ سر کو کھجا رہے تھے، تو آپ نے (اس شخص کی حرکت کو دیکھ کر) فرمایا:

لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُ لَطَعَنْتُ بِهٖ فِيْ عَيْنِكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ۔ (بخاری شریف ۲/۹۲۲)

اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں یہی (باریک سینگ) تیری آنکھ میں چبھو دیتا۔ کیونکہ اجازت لینے کا حکم تو اسی وجہ سے ہے کہ (دوسرے کی) نظر سے حفاظت رہے۔

ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کے گھر بلا اجازت نظر ڈالے تو گھر والوں کے لیے اس کی آنکھ پھوڑ دینا جائز ہے۔ (مسلم شریف ۲/۲۱۲)

(۳) سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

مَنْ مَلَاءَ عَيْنَيْهِ مِنْ قَاعَةِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يُؤْذَنَ لَهُ فَقَدْ فَسَقَ۔ (شعب الایمان ۶/۴۴۴)

جس شخص نے داخلے کی اجازت سے پہلے گھر کا صحن آنکھ بھر کر دیکھا تو اس نے گناہ اور فسق کا کام کیا۔

اس لیے اللہ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی نگاہوں کو اس بدعملی سے محفوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آٹھویں فصل

کان کی حفاظت

اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا ایک اہم تقاضایہ بھی ہے کہ انسان اپنے کانوں کو غلط آواز سننے سے محفوظ رکھے۔ان غلط آوازوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بدترین آواز گانے بجانے کی آواز ہے۔قرآن کریم میں اسے ''شیطان کی آواز، بیکار بات، لہو ولعب کی چیز'' قرار دیا گیا ہے۔قرآن کریم کی درج ذیل تین آیات سے گانے کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ شیطان کو جواب دیتے ہوئے بطور تنبیہ فرماتا ہے:

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ۔(اسراء آیت:۶۴)

اور گھبرالے تو ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے۔

یہاں بعض مفسرین نے آواز سے باجا گانا مراد لیا ہے: نقلہ القرطبی عن محاھد و الضحاك۔(۱۶۹/۵)

(۲) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا،اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔(لقمان آیت:۶)

اور ایک وہ لوگ ہیں جو خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچلائیں (گمراہ کریں) اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے۔

اس آیت میں کھیل کی باتوں سے وہ سب چیزیں مراد ہیں جو اللہ کی یاد سے ہٹانے والی ہوں مثلاً فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانے بجانے وغیرہ۔روایات میں آتا ہے کہ نضر بن حارث جو مکہ کا ایک سردار تھا وہ گانے بجانے والی باندیوں کو خرید لاتا اور اس سے گانے سنوا کر لوگوں کو قرآن سے روکتا تھا۔(قرطبی ۴۹/۷)

(۳) وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ،وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ۔(النجم آیت:۶۰-۶۱)

اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو۔

اس آیت میں کھلاڑیاں کرنے سے مراد بعض مفسرین نے گانا بجانا لیا ہے۔

(حاشیۃ الجمل ۴/۲۴۰، تفسیر ابو السعود ۸/۱۶۶)

احادیث شریفہ میں گانے کی حرمت

اسی طرح احادیث طیبہ میں بھی گانے بجانے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱) ایک حدیث میں ارشاد ہے:

صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِزْمَارٌ عِنْدَ نِعْمَةٍ وَرَنَّةٌ عِنْدَ مُصِيبَةٍ۔

(الترغیب والترھیب ۴/۱۸۴)

دو آوازیں دنیا اور آخرت میں قابل لعنت ہیں، ایک خوشی کے وقت میوزک کی آواز، دوسرے مصیبت کے وقت بین کرنے کی آواز۔

(۲) مَنْ جَلَسَ إِلَى قَيْنَةٍ يَسْمَعُ مِنْهَا صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (قرطبی ۷/۵۰ پ ۲۱ ومثلہ فی حاشیۃ ابی داؤد ۲/۶۷۴)

جو شخص اپنی باندی سے بیٹھ کر گانا سنے اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے ایک طویل حدیث میں وہ علامات بیان فرمائی ہیں جن کے پائے جانے کے وقت میں امت مسلمہ عذاب سے دوچار ہوگی انہی میں سے ایک علامت یہ ہے:

وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ۔ (ترمذی ۲/۴۵ عن علیؓ، قرطبی ۷/۵۰)

اور گانے والی باندیاں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں گے۔

(۴) ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور پاک ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتی ہیں:

مَنْ مَاتَ وَعِنْدَهُ جَارِيَةٌ مُغَنِّيَةٌ فَلَا تُصَلُّوا عَلَيْهِ۔ (قرطبی ۷/۵۱)

جس کا انتقال ہو جائے اور اس کے پاس کوئی گانے بجانے والی باندی ہو تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔

اس روایت سے آنحضرت ﷺ کی نظر میں گانے کی ناپسندیدگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۵) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ وَفِي رِوَايَةٍ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ الخ (مشکوۃ شریف ۲/۴۱۱ شعب الایمان ۴/۲۷۹ حدیث ۵۱۰۵ عن جابرؓ)

گانا بجانا دل میں نفاق کو ایسے اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

(۶) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيَشْرَبَنَّ أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا وَ يُضْرَبُ عَلَى رُؤُوسِهِمُ الْمَعَازِفُ يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ۔

(شعب الایمان ۴/۲۸۲ حدیث ۵۱۱۴)

میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے مگر اس کو دوسری چیز کا نام دیں گے اور ان کے سروں پر گانے بجانے کے آلات بجائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا اور انہی میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنادے گا۔

گانا بجانا علماء وفقہا کی نظر میں

یہ احادیث گانے بجانے کی حرمت پر صراحۃً دال ہیں۔ اسی بناء پر امت کے اکابر علماء گانے بجانے کی حرمت پر متفق رہے ہیں۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گانے والا اور جس کے لیے گایا جائے دونوں ملعون ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ گانا بجانا، زنا کا جنتر منتر ہے۔ حضرت نافعؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سفر میں جارہے تھے تو انہوں نے مزمار (گانے بجانے کے آلہ) کی آواز سنی تو اپنے دونوں کانوں میں

انگلیاں دے لیں اور اس جگہ سے دور ہٹ گئے تا کہ آواز نہ سن سکیں اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ بھی جب ایسی آواز سنتے تھے تو یہی عمل فرمایا کرتے تھے۔ (شعب الایمان ۴/۲۸۳)

صاحب درمختار علامہ حصکفی، فتاویٰ بزازیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَضَرْبِ قَصَبٍ وَنَحْوِهٖ حَرَامٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ اَيْ بِالنِّعْمَةِ، فَصَرْفُ الْجَوَارِحِ اِلٰى غَيْرِ مَا خُلِقَ لِاَجْلِهٖ كُفْرٌ بِالنِّعْمَةِ لَا شُكْرٌ، فَالْوَاجِبُ كُلُّ الْوَاجِبِ اَنْ يَّجْتَنِبَ كَيْ لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ اَنَّهٗ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَدْخَلَ اِصْبَعَهٗ فِيْ اُذُنِهٖ عِنْدَ سِمَاعِهٖ۔

(درمختار مع الشامی کراچی ۶/۳۴۹ قبیل فصل فی اللبس)

لہو ولعب والی چیزوں کی آواز سننا مثلاً بین اور ہارمونیم وغیرہ حرام ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ لہو ولعب کی چیزیں سننا گناہ ہے اور ایسی مجلس میں بیٹھنا فسق ہے اور ان سے لذت حاصل کرنا کفران نعمت ہے۔ اس لیے کہ اعضاء و جوارح کو ان کاموں میں لگانا جن کے لیے ان کی پیدائش نہیں ہوئی ہے۔ (یعنی معصیت کے کاموں میں لگانا) شکر نہیں بلکہ نعمت خداوندی کی ناشکری ہے، لہٰذا واجب سے بڑھ کر واجب ہے کہ ایسی آوازیں سننے سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سننے کے وقت اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

شریعت اسلامی نے جس شدت سے مسلمانوں کو گانے بجانے میں انہماک سے روکا ہے۔ افسوس ہے کہ آج اسی کثرت کے ساتھ اس عظیم معصیت میں ابتلاء عام ہو گیا ہے اب در و دیوار سے گانے بجانے کی آوازیں آتی ہیں۔ کام کرنے والے کاریگر گانوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ بغیر اس آواز کے ان کا دل ہی کام میں نہیں لگتا۔ گھروں سے قرآن کریم کی آوازوں کے بجائے دن رات میوزک اور ڈیک کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور پھر اس پر بس نہیں کہ آدمی خود ہی سن کر گنہگار ہو بلکہ تیز ترین آواز میں اسے بجا کر سارے

محلہ والوں کو گنہگار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج ہمارے نوجوانوں کے لیے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز ٹیپ رکارڈ اور گانے بجانے اور فلم کی اسٹوریوں کے کیسٹ ہیں جنہیں دن رات بجا کر اوقات کو ضائع اور اخلاق و عادات کو تباہ کیا جاتا ہے۔ ''فحاشیوں کا پٹارا'' ٹیلی ویژن، وی سی آر اور کیبل، ٹی وی کے وسائل عام ہو گئے ہیں اور ان کے ذریعہ ہمارے کان گناہوں میں پوری طرح ملوث ہو چکے ہیں۔

مروّجہ قوالی بھی حرام ہے

اس سے آگے بڑھ کر شیطان نے قوالی کی شکل میں اس حرام کام کو جائز کرنے کا بہانہ بھی گھڑ لیا ہے۔ آج قوالیاں، میوزک کی تھاپوں پر گائی جاتی ہیں اور طبلوں اور ہارمونیم کے ساز پر قوال اشعار پڑھتے ہیں۔ یہ اشعار خواہ کتنے ہی صحیح اور حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہوں، میوزک اور آلات موسیقی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے ان کی حرمت اور ممانعت میں کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی۔ میوزک بہر حال حرام ہے۔ فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

وَمَا يَفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوسُ إِلَيْهِ۔

(شامی ۶/ ۳۴۹ قبیل فصل فی اللبس)

اور جو ہمارے زمانہ کے صوفی لوگ (قوالیاں گاتے اور وجد) کرتے ہیں وہ حرام ہے ایسی مجلسوں میں جانا اور شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج قوالیوں کو عین عبادت سمجھ کر اسے جعلی بناوٹی روحانیت کے حصول کا ذریعہ بنایا جانے لگا۔ اور پہلے تو یہ قوالیاں عموماً عرس اور مزارات تک محدود تھیں۔ مگر جب سے نئے الیکٹرانک آلات، ٹیپ رکارڈ اور گراموفون وغیرہ ایجاد ہوئے ہوئے ہیں تو ان چیزوں کا بہت عموم ہو گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عام گانوں کے مقابلہ میں مذہبی اشعار کی قوالیاں اور زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لیے کہ ان میں اللہ اور رسول کا نام میوزک کے ساتھ لیا جاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے ساتھ بھونڈے مذاق کا

مظاہرہ کرنے کے مرادف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص نعوذ باللہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کو میوزک پر پڑھنے لگے۔ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا اور غیرت اسلامی کا مقتضی یہ ہے کہ ہم ناجائز آوازوں کے ساتھ اللہ اور اس کے مقدس رسول کا نام لینا بھی ہرگز پسند نہ کریں۔

رمضان کی بے حرمتی

ان قوالیوں کا سب سے زیادہ بے دردی کا استعمال ماہ رمضان المبارک میں ہوتا ہے۔ رمضان کی وہ مبارک اور روحانی ساعتیں جن میں ایک فریضہ کا ثواب ستر گناہ تک زیادہ ہو جاتا ہے۔ ان میں قوالیوں اور گانوں کا سننا اور سنانا سخت گناہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بڑے شہروں میں رمضان المبارک کی راتوں میں ہوٹلوں اور دکانوں پر پوری پوری رات قوالیوں کی ریکارڈنگ ہوتی رہتی ہے اور آواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ محلہ والوں کا عبادت کرنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کی توہین کے ساتھ ساتھ ماہ رمضان المبارک کی بھی توہین اور ناقدری ہے۔

بہر حال ہماری یہ کوتاہی قابلِ اصلاح ہے۔ اگر ہمیں اللہ سے ڈر ہے اور آخرت میں دربار خداوندی میں جوابدہی کا خوف ہے تو ہمیں ان برائیوں سے بچنا چاہیے اور اپنے کانوں کو ہر بری بات سننے سے بچانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دوسروں کی راز کی باتیں سننا

کان سے کیے جانے والے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی راز کی باتوں کو سننے کی کوشش میں لگا رہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ صُبَّ فِيْ اُذُنِهٖ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (بخاری شریف ۱۰۴۲/۲ عن ابن عباسؓ)

جو شخص لوگوں کی ایسی باتیں غور سے سنے جن باتوں کو وہ دوسروں کو سنانا ناپسند سمجھتے ہیں تو اس کے کانوں میں قیامت کے روز پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

نیز قرآن کریم میں بھی تجسس (جاسوسی) سے منع فرمایا گیا ہے۔اور ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے۔

اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْ كِدْتَ اَنْ تُفْسِدَهُمْ۔

(ابو داؤد شریف ۲/۶۸۰)

اگر تم لوگوں کے پوشیدہ عیوب وغیرہ کے درپے ہو گے تو تم انہیں فساد میں مبتلا کر دو گے یا فساد کے قریب تک پہنچا دو گے۔

ایک عبرت ناک واقعہ

علامہ ابو عبداللہ محمد القرطبی نے ''الجامع لاحکام القرآن'' میں عمرو بن دینار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے ایک شخص کی بہن کا انتقال ہو گیا۔اتفاق سے تدفین کے وقت اس شخص کی ایک تھیلی جس میں دینار بھرے ہوئے تھے، قبر میں رہ گئی۔ چنانچہ اس نے قبر کھودی تو کیا دیکھتا ہے کہ پوری قبر آگ کے شعلوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس نے جا کر اپنی والدہ سے پوچھا کہ میری بہن کی عملی زندگی کیسی تھی؟ والدہ نے بتایا کہ ایک تو نماز کو اپنے وقت سے ٹال دیتی تھی یعنی قضا کر دیتی تھی، دوسرے یہ کہ جب رات کو پڑوسی اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے تو یہ اُٹھ کر ان کے دروازوں پر کان لگا لیتی اور ان کے رازوں کو حاصل کر لیتی تھی۔تو اس شخص نے اپنا چشم دید واقعہ ذکر کیا اور کہا کہ اس کی انہی بدعملیوں کا وبال ہے۔اللھم احفظنا منہ۔(قرطبی ۸/۳۰۲)

ان حقائق کی روشنی میں ہمیں اپنے کردار کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔آج ہر آدمی دوسرے کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ کیا چیز لائق تنقید ملے اور ہم بات کو بتنگڑ بنائیں۔اپنے عیوب سے لاپرواہی اور دوسرے کے معائب کی کھود کرید ہی فساد اور بدگمانیوں کی بنیاد ہے۔تجربہ بتاتا ہے کہ تجسس میں رہنے والا آدمی کبھی بھی چین سے نہیں رہ سکتا۔ ہمیشہ ذہنی

کوفت اور الجھن میں مبتلا رہے گا۔ اس کے برخلاف جو شخص اپنے کام سے کام رکھے اور دوسرے کے معاملات میں زیادہ نہ پڑے اس کی زندگی نہایت سکون سے گزرے گی۔ شریعت کی یہ ہدایتیں ہمارے لیے دنیوی اور اخروی فلاح کی ضامن ہیں۔ اس لیے زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں ان کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے واقعی شرم وحیا کا ثبوت دینا چاہیے۔

نویں فصل

داڑھی منڈانا بھی بے شرمی ہے

سر کی حفاظت کا ایک عنصر یہ بھی ہے کہ سر اور چہرے کی تراش اور خراش شریعت کی بتائی ہوئی ہدایات کے عین مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دو الگ الگ صنفیں بنائیں ہیں اور ان میں جہاں اعضاء کی ساخت میں فرق رکھا ہے وہیں ان کے درمیان امتیاز کی ایک واضح علامت داڑھی کو قرار دیا ہے۔ قدرتی طور پر مردوں کے چہرے پر داڑھی نکلتی ہے اور عورتوں کے نہیں نکلتی۔ یہ ایسا واضح فرق ہے جس سے پہلی نظر میں مرد و عورتوں میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص داڑھی منڈاتا ہے وہ مرد ہونے کے باوجود عورتوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور اس طرح کی مشابہت پر احادیث میں سخت لعنت وارد ہوئی ہے ایک حدیث میں وارد ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ (البخاری ۲/۸۷۴ حدیث ۵۸۸۵ عن ابن عباسؓ، اللباس والزینۃ ۴۳۹)

آنحضرت ﷺ نے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں سے تشبہ کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

لہٰذا جو شخص بھی شرم و حیا رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے کو عورتوں کے تشبہ سے بچا کر واقعی اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا ثبوت دے اور اپنے سر اور اس سے متعلق اعضاء کو جہنم کی آگ سے بچانے کا انتظام کرے۔

داڑھی نہ رکھنے میں ایک تو عورتوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ایک مسلمان مرد کے لیے یہی خرابی کیا کم تھی کہ مزید اس پر آنحضرت ﷺ نے داڑھی نہ رکھنے کو مشرکین اور مجوسیوں کی علامت قرار دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو تاکید کے ساتھ داڑھی رکھ کر ان کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ، وَفِّرُوا اللُّحٰى وَاُحْفُوا الشَّوَارِبَ۔

(بخاری شریف ۲/۸۷۵ عن ابن عمرؓ)

مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب کتر واؤ۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللُّحٰى خَالِفُوا الْمَجُوْسَ۔ (رواہ مسلم ۱/۱۲۹، زاد المعاد ۱/۱۷۹)

مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں چھوڑو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ دربارِ نبوت میں بادشاہ کسریٰ کے دو قاصد حاضر ہوئے۔ دونوں کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں انہیں اس صورت میں دیکھ کر آنحضرت ﷺ کو سخت ناگواری ہوئی، فرمایا، تمہارا برا ہو، آخر تمہیں کس نے ایسی صورت بنانے کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے آقا یعنی کسریٰ نے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لٰكِنَّ رَبِّىْ اَمَرَنِىْ بِاِعْفَاءِ لِحْيَتِىْ وَقَصِّ شَوَارِبِىْ۔ (البدایہ والنہایہ ۳/۲۶۹)

لیکن میرے رب نے مجھ کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ داڑھیاں منڈانا دراصل مشرکین اور آتش پرستوں کا شیوہ ہے اور داڑھیاں رکھنا اہلِ ایمان کا اشعار ہے۔ اور اس کا شمار ان سنتوں میں ہوتا ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہیں اور جنہیں فطرت کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتی ہیں:

عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ...... قَصُّ الشَّوَارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ...... الخ. (مسلم شریف ۱/۱۲۹)

دس باتیں فطرت میں سے ہیں جن میں مونچھیں کترنا اور داڑھی بڑھانا شامل ہے۔

ان وجوہات کی وجہ سے داڑھی رکھنے کو واجب اور داڑھی منڈانے کو حرام کہا جاتا ہے اس میں یہ کہہ کر تخفیف نہیں کی جاسکتی کہ تو ''محض ایک سنت ہے کریں تو اچھا ہے نہ کریں

تو گناہ نہیں،' جیسا کہ عام لوگ کہہ دیتے ہیں اس لیے کہ اولاً کسی سنت کی اس طرح تحقیر خود تقاضائے محبت نبویؐ کے برخلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے سنت زائدہ کے درجہ میں رکھنا غلط ہے۔ اگر یہ محض سنت زائدہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے خلاف کرنے پر ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔ اور نہ اس کی اس قدر تاکید کی جاتی۔ اسی وجہ سے تمام ہی فقہاء کے نزدیک داڑھی منڈانا اور ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں اسے کتروانا حرام قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں۔

لمحۂ فکریہ

ایک طرف تو داڑھی کی یہ شرعی حیثیت ہے دوسری جانب امت کی اکثریت کا عمل آج اس کے بالکل برخلاف ہے۔ داڑھی منڈانے کی وباء ایسی عام ہوگئی کہ اب ذہن سے اس ناجائز ہونے کا تصور ہی محو ہوگیا۔ بلکہ اگر کسی کو بتایا جائے اور سمجھانے کی کوشش کی جائے تو غلطی تسلیم کرنے کے بجائے لچر اور رکیک قسم کے اعذار پیش کرنے لگتا ہے اور ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا مصداق بن جاتا ہے۔

افسوس ہے کہ دیگر قومیں جن کا دامن تصورِ آخرت سے خالی ہے وہ تو اپنے شعائر کا حد درجہ اہتمام کریں اور ہر سطح پر اپنی الگ شناخت بنانے کی کوشش کریں اور مسلمان جو دنیا میں تمام انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن اور آخرت میں کامیابی کا پروانہ لے کر آیا ہے وہ اپنی شناخت بنانے کے بجائے دوسری قوموں کی علامتوں میں ضم ہوکر اپنا وجود ہی کالعدم کرنے پر تیار ہو۔ یہ صورت حال افسوسناک ہی نہیں بلکہ مستقبل کے لیے تشویشناک بھی ہے۔ آج ہندوستان میں نظر ڈال کر دیکھیے۔ پورے ملک میں سکھ قوم کے افراد کی تعداد صرف دو کروڑ ہے۔ لیکن یہ لوگ اپنے شعائر اور شناخت کے مضبوطی سے پابند ہیں کہ سینکڑوں افراد میں اگر ایک بھی سکھ ہوگا تو وہ اپنی پگڑی اور داڑھی اور کرپان کے ذریعہ دور ہی سے پہچانا جائے گا۔ اس قوم کا فرد خواہ اسمبلی یا پارلیمنٹ میں جائے حتیٰ کہ صدر جمہوریہ کیوں نہ ہو جائے۔ اسی طرح فوجی ملازمت میں رہے یا شہری کمپنیوں میں رہے، ہر حال

میں اپنی قومی شناخت کو سینے سے لگائے رکھتا ہے۔ جب کہ مسلمان جو ملک میں کم وبیش بیس کروڑ کی تعداد میں آباد ہیں۔ ان کے لباس تراش وخراش کسی چیز میں بھی عام طور پر ایسی شناخت باقی نہیں رہ گئی جو انہیں دوسروں سے ممتاز کردے۔ سفر کے دوران مسلم اور غیر مسلم میں امتیاز دشوار ہے۔ اسی غفلت اور لاپرواہی بلکہ مرعوبیت کی وجہ سے آج مسلمانوں کی آواز کمزور ہے۔ اور وہ متحد ہوکر اپنی بات منوانے کی حیثیت میں نہیں ہیں۔ یہ ہدایت نبوی سے دوری کا ہی نتیجہ ہے۔ اور اس کا علاج صرف یہی ہے کہ ہم اپنے طرز عمل کا جائزہ لیں اور ماحول سے متاثر ہوئے بغیر پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ ہماری زندگی کی ڈگر اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے تقاضوں کے مطابق ہے یا ان کے برخلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے۔ آمین

سر پر انگریزی بال

سر کے بالوں کے بارے میں بھی شرعی ہدایات واضح طور پر موجود ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ آنحضرت ﷺ عام طور پر سر مبارک پر پٹھے بال رکھتے تھے۔ جو اکثر کان کی لو تک رہتے اور کبھی اس سے نیچے تک بھی ہوجاتے تھے اور حج و عمرہ کے موقع پر آپ کا سارے بالوں کو منڈانا بھی ثابت ہے۔ آپ کے طرز عمل سے اتنی بات ثابت ہوئی کہ بال رکھے جائیں تو سب رکھے جائیں اور کاٹے جائیں تو سب برابر کاٹے جائیں، یہ نہ ہو کہ کہیں سے تو منڈالیا اور کہیں سے چھوڑ دیا۔ چنانچہ آپ نے ''قزع'' (یعنی بال کہیں سے مونڈ دینا اور کہیں سے چھوڑ دینا) سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری شریف باب القزع ۲/۸۷۷)

علماء نے اسی حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ بیک وقت بال چھوٹے بڑے رکھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ آج کل انگریزی بال رکھے جاتے ہیں کہ پیچھے سے چھوٹے کرکے آگے کے حصہ میں بڑے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ تو اس طریقہ میں ایک تو ''قزع'' جیسی خرابی پائی جاتی ہے اور دوسرے اس میں غیر قوموں سے مشابہت بھی ہے جس پر

آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں وعید فرمائی ہے کہ:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (مشکوۃ شریف ۲/۳۷۵)

جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں شمار ہے۔

مگر افسوس کہ یہی غیر قوموں کا طریقہ آج ہمیں سب سے زیادہ پسند ہے۔ شاید گنتی کے دو چار فیصد لوگ ہوں گے جو بالوں کے بارے میں شرعی ہدایات پر کاربند ہیں۔ ورنہ اب تو بس انگریزی بالوں کا چلن ہے، ٹوپیاں غائب ہیں اور سروں پر انگریزیت چھائی ہوئی ہے۔ بچوں سے لے کر نوجوانوں حتیٰ کے بڑے بوڑھے لوگ بھی چھوٹے بڑے بے ہنگم بال رکھنے کے شوقین نظر آتے ہیں اور اتباع سنت کا خیال تک دل میں نہیں آتا۔

عورتوں کے بال

شریعت میں سر کے بالوں کو عورت کی زینت قرار دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سر کے بالوں کو نہ منڈائے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَةُ رَاسَهَا۔ (نسائی شریف ۲/۲۷۵)

آنحضرت ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ:

قَطَعَتْ شَعْرَرَاْسِهَا اَثِمَتْ وَلُعِنَتْ، وَاِنْ بِاِذْنِ الزَّوْجِ، لِاَنَّه لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ (درمختار ۶/۴۰۷)

عورت نے اپنے سر کے بال کاٹ لیے تو گنہگار اور ملعون ہوئی، اگرچہ شوہر کی اجازت سے ایسا کرے۔ اس لیے کہ خالق (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی والے کام میں کسی مخلوق کی اطاعت روا نہیں ہے۔

عورتوں کے لیے بال کاٹنے کی ممانعت کی بنیاد یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے عورت مردوں سے تشبہ کرنے والی بن جاتی ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ آج کے

دور میں عورتوں میں جو بال کاٹنے کا رواج ہو گیا ہے یہ شریعت اسلامی کی رو سے قطعاً ناجائز ہے، جس طرح مرد کے لیے داڑھی کاٹنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لیے سر کے بال مردوں کی طرح کاٹنا حرام ہے اور اسے چاہے دنیا بے شرمی نہ کہے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں یہ حرکت بہر حال بے شرمی اور بے حیائی میں داخل ہے۔اس سے بہر حال بچنا ضروری ہے اور گھر والوں کو بھی بچانا چاہیے۔

باب دوم

پیٹ کی حفاظت

- ☆ آمدنی کے حرام ذرائع
- ☆ سود، جوا، سٹہ
- ☆ غصب، رشوت خوری
- ☆ مدارس کی رقوم میں احتیاط
- ☆ شرم گاہ کی حفاظت
- ☆ ہم جنسی کی لعنت

❀❀❀❀❀

پہلی فصل

مالِ حرام سے اجتناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کی دوسری جامع علامت یہ بیان فرمائی کہ "ولیحفظ البطن وما حوی" یعنی "آدمی اپنے پیٹ اوراس میں جمع کردہ چیزوں کی حفاظت کرے۔" اس ہدایت کا اولین منشا حرام کمائی سے اجتناب واحتیاط ہے۔ ساتھ میں ان اعضاء وجوارح کی غلط کاریوں سے حفاظت کی طرف اشارہ بھی ملتا ہے جو پیٹ سے متعلق ہیں مثلاً شرمگاہ، ہاتھ پیر اور دل کو برائیوں سے بچانا۔ یہ سب باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اوران کی رعایت رکھے بغیر اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں جابجا حلال مال اختیار کرنے کی تاکید اور حرام سے اجتناب نہ کرنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور قرآن وسنت میں واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ آدمی حرام ذرائع سے مال جمع نہ کرے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (سورة البقرة: ۱۸۸)

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک، کہ کھاجاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کرکے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔

ایک جگہ یتیموں کا مال ناحق کھانے پر اس طرح نکیر فرمائی گئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔ (سورة النساء: ۱۰)

جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ناحق وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب داخل ہونگے آگ میں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (سورۃ النساء: ۲۹)

اے ایمان والو! نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔

یہی حکم ہر حرام مال کا ہے۔ جو مال بھی شریعت کی رعایت رکھے بغیر حاصل کیا جائے گا وہ موجب عذاب ہوگا اور اس کا استعمال کرنے والا اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے گا۔

ارشادات نبویہ ﷺ

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ: يَـٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔

(سورۃ المومنون: ۵۱)

''اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور وہ پاکیزہ مال کے علاوہ کوئی اور مال (اپنے دربار میں) قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے (پاکیزہ چیزیں استعمال کرنے کے بارے میں) مؤمنین کو بھی وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے رسولو! کھاؤ عمدہ پاکیزہ چیزوں میں سے اور کام کرو نیک، بیشک میں تمہارے کام سے واقف ہوں۔

وقال: يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرۃ: ۱۷۲)

ثُمَّ ذَكَرَ: الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم ۱/۳۲۶، الترغیب والترھیب ۲/۳۴۳، مشکوۃ شریف ۱/۲۴۱)

اور (ایمان والوں سے فرمایا) اے ایمان والو! ہماری عطا کردہ پاکیزہ چیزوں

میں سے کھاؤ۔ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کا ذکر فرمایا جو (مثلاً) لمبے سفر کے دوران غبار آلود اور پراگندہ ہونے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر دعا مانگے کہ اے میرے رب! اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا پینا حرام ہو اور لباس حرام ہو اور اس کی حرام سے پرورش ہوئی ہو تو کہاں اس کی دعا قبول ہوسکتی ہے؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگرچہ انسان کی ظاہری حالت قابل رحم کیوں نہ ہو لیکن حرام مال میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ شخص اللہ کے رحم و کرم سے اور نظر کرم سے محروم کردیا جاتا ہے۔ اور اس کی دعا قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

مَنِ اشْتَرٰى ثَوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ مِنْ حَرَامٍ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ صَلٰوةً مَادَامَ عَلَيْهِ۔ (رواہ احمد، الترغیب والترھیب ۲/۳۴۶)

"جس شخص نے ایک کپڑا دس درہم کا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کی ملاوٹ ہو تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا اللہ رب العزت اس کی کوئی نماز قبول نہیں فرمائے گا۔"

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَقْذِفُ اللُّقْمَةَ الْحَرَامَ فِىْ جَوْفِهٖ مَا يُتَقَبَّلُ مِنْهُ عَمَلُ اَرْبَعِيْنَ يَوْماً وَاَيُّمَا عَبْدٍ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔

(رواہ الطبرانی فی الصغیر، الترغیب والترھیب ۲/۳۴۵)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ آدمی اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے جس کی وجہ سے چالیس روز تک اس کا کوئی عمل اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کا گوشت پوست حرام سے پروان چڑھا ہو تو اس کے لیے تو جہنم ہی مناسب ہے۔

(۴) سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِحَرَامٍ۔ (رواہ ابو یعلی والبزار الخ، الترغیب والترھیب ۲/۳۴۹)

ایسا بدن جنت میں نہیں جائے گا جس کی پرورش حرام مال سے ہوئی ہو۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے متنبہ فرمایا:

لَا تَغْبِطَنَّ جَامِعَ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ حِلِّهٖ فَإِنَّهٗ إِنْ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ وَمَا بَقِيَ كَانَ زَادَهٗ إِلَى النَّارِ۔ (رواہ الحاکم، الترغیب والترھیب ۲/۳۴۸)

تم حرام مال جمع کرنے والے پر رشک نہ کرو اس لیے کہ اگر وہ اس مال سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور بقیہ مال بھی اسے جہنم تک لے جانے کا توشہ بن جائے گا۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَأَنْ يَجْعَلَ أَحَدُكُمْ فِيْ فِيْهِ تُرَاباً خَيْرٌ لَهٗ أَنْ يَجْعَلَ فِيْ فِيْهِ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ۔ (شعب الایمان ۵/۵۷)

تم میں سے کوئی آدمی اپنے منہ میں مٹی بھر لے، یہ اپنے منہ میں حرام مال داخل کرنے سے بہتر ہے۔

(۷) ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ جنت میں داخل کرنے والے اعمال زیادہ تر کون سے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ اور حسن اخلاق۔ پھر پوچھا گیا کہ جہنم تک لے جانے والے اعمال کون سے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْأَجْوَفَانِ: اَلْفَرْجُ وَالْفَمُ۔ (شعب الایمان ۵/۵۵)

دو درمیانی اعضاء، منہ (جس سے حرام چیز پیٹ تک پہنچتی ہے) اور شرمگاہ۔

یعنی زیادہ تر لوگ حرام کمائی اور ناجائز شہوت رانی کے ذریعہ جہنم کے مستحق ہوں

گے۔اعاذ نا اللہ منہ۔

ان روایات سے یہ معلوم ہوگیا کہ حرام مال کا استعمال شریعت کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہےاور آخرت میں بدترین عذاب کا موجب ہے۔

مالِ طیب کے ثمرات

اس کے برخلاف ورع وتقویٰ اور مشتبہ اور حرام مال سے اجتناب آخرت میں کامیابی اور مادی وروحانی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ احادیث طیبہ میں حلال مال کے اہتمام پر دنیا اور آخرت میں شاندار نتائج سامنے آنے کے وعدے مذکور ہیں۔مثلاً:

(۱) ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا فرمادیجئے کہ میں مستجاب الدعوات ہوجاؤں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

يَاسَعْدُ: أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَةِ۔(الترغیب ۲/ ۳۴۵)

اے سعد! اپنا کھانا طیب کرلو تم مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خوشخبری سنائی!

مَنْ اَكَلَ طَيِّباً وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔(شعب الایمان ۵/ ۵۴، الترغیب ۲/ ۳۴۵عن ابی سعید الخدریؓ)

جو شخص مال طیب کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہوں تو وہ جنت میں جائے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا، حِفْظُ اَمَانَةٍ، وَصِدْقُ حَدِيثٍ، وَحُسْنُ خَلِيقَةٍ وَعِفَّةٌ فِي طُعْمَةٍ۔(الترھیب ۲/ ۳۴۵)

اگر تیرے اندر چار باتیں موجود ہوں تو تجھے دنیا کے (مال ودولت وغیرہ) کے فوت ہونے کا کوئی افسوس نہ ہونا چاہیے۔(۱) امانت کی حفاظت (۲) سچائی (۳) اخلاقِ حسنہ (۴) اور کھانے میں حرام سے پرہیز۔

یعنی یہ چار خصلتیں جس کو نصیب ہو جائیں اسے اتنی بڑی عظیم دولت ہاتھ آ گئی کہ اس کے مقابلہ میں ساری کائنات کی دولت وثروت بیکار ہے۔

(۴) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارا گزر ایک دیہاتی شخص پر ہوا، اس نے بتایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ان میں سے ایک نصیحت خاص طور پر مجھے یاد رہ گئی۔آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا:

اِنَّکَ لَاتَدَعُ شَیْئًا اِتِّقَاءَ اللّٰہِ اِلَّا اَعْطَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا مِّنْہُ۔(شعب الایمان ۵/۵۳)

تم جو چیز اللہ کے ڈر سے چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر چیز عطا فرمائے گا۔

یعنی آج بظاہر تقویٰ پر عمل کرنے میں دنیوی نقصان نظر آتا ہے۔لیکن اگر ہمارا یقین پختہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہیے کہ وہ ہمیں اس تقویٰ کے عوض ہمارا مقصود اس طرح پورا کرائے گا کہ جہاں سے ہمیں مقصد کے حصول کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

تاجروں کو خوشخبری

دنیا میں مال کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہے۔آنحضرت ﷺ نے اسی ذریعہ تحصیل مال کو سب سے زیادہ صاف ستھرا بنانے کی ترغیب دی ہے، اللہ کے نزدیک اس تاجر کا مرتبہ بہت بلند ہے جو امانت اور سچائی کا خیال رکھ کر حلال روزی کمانے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ۔

(ترمذی ۱/۲۲۹ عن ابی سعید الخدریؓ)

سچے امانتدار تاجر کا حشر (قیامت میں) حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء، اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

معلوم ہوا کہ تاجر کا سب سے بڑا اعزاز اس کا سچا اور امانت دار ہونا ہے۔ یہ سچائی اور امانت اسے دنیا میں بھی نیک نام بناتی ہے۔ اور آخرت میں بھی سرخروئی سے سرفراز کرے گی۔ تاجر حضرات کو چاہیے کہ وہ اپنی کمائی خالص حلال بنانے کے لیے ہر قسم کے جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے بچتے رہیں۔ اسی میں نجات ہے۔

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں، نجات تین باتوں میں ہے۔ (۱) پاک غذا (۲) کامل پرہیزگاری (۳) سیدھا راستہ۔ (شعب الایمان ۵/۶۰)

حضرت جندبؓ نے وصیت فرمائی کہ: ''قبر میں سب سے پہلے انسان کا پیٹ سڑے گا۔ اس لیے جو شخص بھی قدرت رکھے وہ سوائے پاکیزہ غذا کے اور کوئی چیز استعمال نہ کرے۔'' (شعب الایمان ۵/۵۴)

مشہور بزرگ حضرت سہل بن عبداللہ التستریؒ فرماتے ہیں۔ ''جو شخص اپنی روزی پر نظر رکھے۔ یعنی حرام سے اجتناب کرتا رہے تو بغیر کسی دعویٰ کے وہ ''زہد فی الدین'' کی صفت سے نوازا جاتا ہے۔'' (شعب الایمان ۵/۶۳)

اس کے برخلاف کاروبار میں حرام کی آمیزش اور سچائی اور دیانت میں کوتاہی کاروبار میں بے برکتی کا بڑا سبب ہے۔ معاملات میں شرعی حدود کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے بڑی بڑی عبادتوں کا ثواب غارت ہوجاتا ہے۔ اور انسان کی ساری محنت رائیگاں چلی جاتی ہے۔

یوسف بن اسباطؒ فرماتے ہیں: ''جب کوئی جوان عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے کہ دیکھو اس جوان کی غذا کیا ہے۔ اگر اس کی غذا حرام ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے بس اسے اپنے ہی حال پر چھوڑ دو۔ یہ محنت کرتا رہے گا اور تھکتا رہے گا اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکے گا۔'' (شعب الایمان ۵/۶۰)

حرام سے بچنے کا جذبہ کیسے پیدا ہو؟

مال و دولت کی ہوس ایسی چیز ہے جو انسان کو بہر صورت مال بٹورنے پر آمادہ کرتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال کی بھوک مرنے تک نہیں مٹتی۔ اور مالدار کا جیسے جیسے مال بڑھتا ہے ویسے ویسے مزید مال کی خواہش بھی بڑھتی جاتی ہے اور اس خواہش کی تکمیل میں پھر وہ حرام اور حلال کی تمیز نہیں کرتا۔ بلکہ صرف روپیہ کے دو روپیہ بنانے کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواه البخاری ۱/۲۷۶-۲۷۹)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ جو مال لے رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔

آج بلاشبہ وہ زمانہ آچکا ہے اور ہر طرف اسی لاپرواہی کا دور دورہ ہے اور جو جتنا بڑا مالدار ہے وہ اتنا ہی اس کوتاہی میں مبتلا ہے۔ ہمیں اس کوتاہی کا احساس کرنا چاہیے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور یہ کوشش اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم آخرت کی جوابدہی پر غور نہ کریں۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا يَزَالُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ۔ (رواه الترمذی ۲/۶۷ باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص)

قیامت کے دن آدمی کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں پائیں گے جب تک کہ اس سے پانچ سوال نہ کر لیے جائیں۔ (۱) عمر کہاں لگائی؟ (۲) جوانی کہاں گنوائی (۳) مال کہاں سے کمایا (۴) مال کہاں لگایا (۵) دین کے علم پر کہاں تک عمل کیا۔

مالدار روک لیے جائیں گے

دنیا میں مال و دولت کو عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور عموماً مال کے حاصل کرنے اور اسے خرچ کرنے میں لوگ شریعت کی حدود کی رعایت نہیں کرتے۔ لیکن بارگاہ خداوندی میں حاضری کے وقت یہی مال جنت میں تاخیر کا ذریعہ بن جائے گا اور دنیا میں فقر و مسکنت میں زندگی گزارنے والے حضرات مالداروں سے بہت پہلے جنت میں اپنی جگہ بنالیں گے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

قُمْتُ عَلٰی بَابِ الْجَنَّةِ فَاِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ وَاِذَا اَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ الخ۔ (مسلم شریف ۲/۵۲ عن اسامة بن زیدؓ)

میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والے اکثر مساکین ہیں اور مال و وجاہت والے لوگ (حساب کے لیے) روک لیے گئے ہیں۔

اب اگر حساب کتاب صاف ہوگا تو جلدی چھٹکارا مل جائے گا اور اگر جمع اور خرچ اور آمد و صرف میں اللہ کی رضا کا خیال نہ رکھا گیا ہوگا تو پھر تاخیر در تاخیر ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی زندگی ہی میں اپنا حساب صاف کر کے تیار رکھے۔ آمد بھی شریعت کے مطابق ہو، اور خرچ بھی اللہ کے حکم کے موافق ہو۔

دوسری فصل

آمدنی کے حرام ذرائع

اسلامی شریعت میں مال کمانے کے بعض ذرائع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ عالم کا امن وامان اور معاشرہ کی صلاح وفلاح اسی ممانعت پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ اور جس معاشرہ میں شرعی ممانعت کی پرواہ نہیں رکھی جاتی وہ معاشرہ خودغرضی اور مفاد پرستی کا نمونہ بن جاتا ہے، جیسا کہ آج پوری دنیا کا حال ہے کہ آدمی مال ودولت کے حصول میں بالکل آزاد ہو چکا ہے اور ہر شخص اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے کچھ بھی کر گزرنے کے لیے تیار ہے۔ اور دوسرے کی خیر خواہی کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔ ذیل میں کچھ حرام ذرائع آمدنی کے بارے میں شرعی ہدایات لکھی جارہی ہیں تاکہ ہمارے دل میں خوف خدا پیدا ہو اور ہم حرام سے مکمل پرہیز کر سکیں۔

سود

آمدنی کے حرام ذرائع میں سب سے بدترین ذریعہ "سود" ہے۔ قرآن کریم میں نہ صرف یہ کہ سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے بلکہ سودی کاروبار میں لگے رہنے والوں سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔ (البقرہ) قرآن کریم میں اس طرح کی سخت وعید کسی اور عمل پر وارد نہیں ہے۔ اس سے سودی آمدنی کے منحوس ہونے کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ نیز احادیث شریفہ میں بھی کثرت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) دِرْهَمُ رِبٰوا يَاْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً۔ (رواہ احمد، الترغیب ۳/۵، مظاہر حق ۳/۲۵)

سود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے اس کا وبال اور گناہ ۳۶ مرتبہ منہ

کالا کرنے سے بدترین جرم ہے۔

(۲) سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَه وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (رواہ مسلم ۲/۲۷، مظاہر حق ۳/۲۳)

آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ کو لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔

(۳) سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَيْسَرُهَا اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ۔ (مظاہر حق ۳/۲۶)

سود کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے زیادہ ہلکا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے (نعوذ باللہ) منہ کالا کرے،

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

فَاَتَيْتُ عَلٰى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرٰى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيْلُ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ اٰكَلَةُ الرِّبٰوا۔ (رواہ احمد، الترغیب والترھیب ۳/۷)

معراج کی رات میں میرا گزر ایسی جماعت پر ہوا جن کے پیٹ کمروں کے مانند تھے جن میں سانپ (لوٹ رہے) تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، میں نے پوچھا کہ اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِيْ قَرْيَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ۔ (رواہ ابو یعلی، الترغیب والترھیب ۳/۶)

جب کسی بستی میں بدکاری اور سود خواری عام ہو جائے تو وہاں کے باشندے اپنے کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

اسی طرح کی اور روایات بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر کسی بھی صاحبِ ایمان کو ہرگز ہرگز یہ جرأت نہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنی آمدنی میں سود کا ایک لقمہ بھی شامل

کرے۔ لیکن بُرا ہو مال کی ہوس اور دولت کی حرص کا کہ آج ہم اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود سودی کاروبار سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے اور مال کی کثرت کے شدید شوق میں حلال وحرام کی تمیز ختم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اَلرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُ اِلٰى قُلٍّ۔ (رواه الحاكم عن عبدالله بن مسعود، الترغيب والترهيب ۸/۳)

سود کا مال اگرچہ بہت ہو جائے مگر اس کا انجام کمی ہی کمی ہے۔

تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی بے فائدہ جگہوں پر خرچ ہو کر چلا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات اپنے ساتھ دوسرے حلال مال کی برکت بھی ختم کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ سے شرم وحیا کا حق اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کہ ہم اپنی معیشت اور کاروبار کو سود کی نجاستوں سے حتی الامکان پاک کر لیں اور حرام ذرائع سے بچ کر اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیں۔

بینک کا انٹرسٹ بھی یقیناً سود ہے

کچھ آزاد خیال دانشوروں نے کافی عرصہ سے یہ غلط فہمی پیدا کر رکھی ہے کہ بینک میں رقم رکھنے پر جو زائد روپیہ ملتا ہے وہ تو شرکت ہے کہ بینک اسی رقم سے کاروبار کرتا ہے۔ پھر اپنے نفع میں سے کچھ حصہ روپیہ رکھنے والوں کو بھی دیتا ہے۔ لہٰذا اسے سود نہیں کہا جائے گا، بلکہ زائد رقم شرکت کا معاوضہ قرار دی جائے گی۔ حالانکہ یہ قول قطعاً بلا دلیل ہے۔ فقہ اسلامی میں بینک سے جو زائد رقم ملتی ہے وہ بلا شک وشبہ "ربا النسیۃ" میں داخل ہے جس کی حرمت پر تمام علماء وفقہاء اسلام متفق ہیں۔ کیونکہ بینک میں جو بھی اضافہ ملتا ہے وہ محض مدت گزرنے پر ملتا ہے۔ کاروبار میں شرکت کا وہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ نہایت سطحی اور واقعی انتہائی فاسد تاویل ہے کہ بینکوں میں جاری سود کو "ربا النسیۃ" سے خارج کر کے خواہ مخواہ شرکت میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سود خوروں کے شیطانی وساوس ہیں جنہیں امت بار بار رد کر چکی ہے۔

سود اور دار الحرب

عام طور پر ہندوستان میں سودی کاروبار کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان دار الحرب ہے اس لیے وہاں ہر طرح کا سودی کاروبار جائز ہے۔ اس لیے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

الف: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تمام علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دار الحرب میں سودی قرض لینا جس میں غیر مسلم یا حربی کو سود دینا پڑتا ہو بالکل حلال نہیں ہے۔ اختلاف صرف سود لینے میں ہے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَلْزَمَ الْاَصْحَابُ فِی الدَّرْسِ اَنَّ مُرَادَهُمْ مِنْ حِلِّ الرِّبَا وَالْقِمَارِ مَااِذَا حَصَلَتِ الزِّيَادَةُ لِلْمُسْلِمِ نَظَرًا اِلَى الْعِلَّةِ۔ (شامی کراچی ۱۸۶/۵)

مشائخ نے درس میں یہ بات بتائی ہے کہ دار الحرب میں سود اور جوئے کے جائز ہونے سے فقہاء کا مقصود وہ صورت ہے جب زیادتی مسلمان کو حاصل ہو علت سے یہی پتہ چلتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ آج کل جو بڑے بڑے کاروبار کیلئے سرکاری بینکوں سے سودی قرضے لیے جاتے ہیں اور اس کے لیے دار الحرب ہونے کا سہارا پکڑا جاتا ہے یہ ناواقفیت یا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ کسی دار الحرب میں کسی مسلمان کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔

ب: البتہ دار الحرب میں حربی سے سود لینے کے سلسلہ میں فقہاء کی دو رائے ہیں۔

(۱) امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک کسی بھی مسلمان کے لیے دار الحرب یا دار الاسلام کہیں بھی سودی لین دین یا عقود باطلہ کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ دلیل کی قوت کے اعتبار سے ان حضرات کا موقف انتہائی مضبوط ہے۔ (مستفاد بدائع الصنائع ۱۹۲/۵)

(۲) اس کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دار الحرب میں اہل حرب کے اموال مسلمانوں کے لیے مطلق مباح ہونے کی بناء پر وہاں سود وغیرہ کا تحقق ہی

نہیں ہوتا بلکہ محض رضامندی مال کو لینے کیلئے کافی سمجھی جاتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۱۹۲/۵)

مگر واضح رہے کہ ان حضرات کے نزدیک یہ اجازت مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں درج ذیل شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) معاملہ حقیقی دارالحرب میں ہو (۲) حربی سے ہو (۳) مسلم اصلی (دارالحرب کے مسلمان شہری) سے نہ ہو (۴) معاملہ کرنے والا باہر سے ویزا لے کر آنے والا مستامن ہو۔ مسلم اصلی نہ ہو۔ (مستفاد امداد الفتاویٰ ۱۵۷/۳)

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو جائے تو سود لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ اب غور کیا جائے کہ ہندوستان میں یہ سب شرطیں پائی جا رہی ہیں یا نہیں۔

اولاً تو اس کے دارالحرب ہونے میں شدید اختلاف رہا ہے کیونکہ یہاں قانونی اعتبار سے مسلمانوں کو جمہوری حقوق دیئے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمام سرکاری بنک قانونی طور پر ملک کے ہر فرد کی ملکیت ہیں جن میں ہندو مسلمان سب شامل ہیں، تو جو شخص بینکوں سے سود لیتا ہے وہ صرف حربیوں سے ہی سود نہیں لیتا بلکہ یہاں کے مسلم باشندوں کی ملکیت کا کچھ حصہ بھی اس کے پاس پہنچتا ہے۔ لہٰذا دوسری اور تیسری شرط کے تحقق میں بھی شبہ پایا گیا نیز اکثر کتب فقہ میں یہ اجازت صرف مسلم مستامن کو دی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں کے اصلی مسلم باشندوں کے لیے اس میں کوئی سہولت نہیں دی جا سکتی۔ اسی بناء پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں دارالحرب کے مسلمان باشندوں کے لیے یہاں رہتے ہوئے سود لینے کو ناجائز لکھا ہے۔ (مکتوب ہشتم)

اور موجودہ اکابر علماء دیوبند نے ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع (منعقدہ ۱۷، ۱۹، ۱۷/رجب ۱۴۱۶ھ) میں بھی حضرت نانوتویؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے باشندگان ہند کے لیے سود کی ممانعت کا فیصلہ کیا ہے۔

اور خاتم المحققین حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "عطر ہدایہ" میں لکھا ہے۔

"جو لوگ دار الکفر میں بہ امان رہتے ہوں، یا داخل ہوں، یا باہم صلح وعہد رکھتے ہوں انہیں کوئی ایسا معاملہ کرنا جو شرعاً ناجائز ہو جیسے بیع یا اجارہ، فاسد و باطل، یا شرط یا رشوت وغیرہ ہرگز جائز نہیں اور حدیث لاربوا بین المسلم والحربی کے یہ معنی ہیں کہ مسلمان دار الحرب میں کافر سے سود لے تو وہ سود خوار موجب وعید ربوانہ ہوگا۔ اگرچہ ملک حرام کا مواخذہ باقی ہے۔ مگر سود دینا کسی طور پر جائز نہ ہوگا۔ مگر جب کہ اس سود لینے والے سے وہاں لوگوں سے عہد وصلح ہو یا یہ وہیں کی رعیت ہو تو لینا بھی جائز نہیں ہے۔ (مظہر ہدایہ ۱۸۱)

ج: اگر حضرات طرفین کے موقف کو مطلق بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب علماء محققین نے یہ بیان کیا ہے کہ بالفرض اگر کوئی شخص دار الحرب سے یہ مال لے کر دار الاسلام آجائے اور معاملہ دار الاسلام میں مسلمان قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ مسلمان قاضی اس مال کی واپسی کا حکم نہیں کرے گا۔ البتہ لینے والے کے لیے ناجائز معاملہ کرنے کا گناہ بدستور برقرار رہے گا۔ گویا کہ مسلمان کے لئے جواز کا حکم صرف قضاءً ہے دیانۃً ممانعت بدستور باقی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے یہی مطلب نقل فرمایا ہے۔

(بحوالہ غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام ۶۸)

صاحب مظہر ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:

"جو مال ایسے دار الکفر سے لایا جائے جہاں سے مصالحت و معاہدہ نہیں ہے یا قہر وغلبہ سے ملے، یا بخداع وحیلہ ملے حلال ہے، اور برضائے غیر معتبر ملے جیسے سود، قمار، بدلۂ زنا وغیرہ تو ملک آجائے گی اس لیے کہ وہ مال غیر معصوم ہے اور حلت نہ آئے گی۔ اس لیے کہ طریقۂ حصول شرعی نہیں ہے۔" (مظہر ہدایہ ۱۸۰)

بہر حال سود خواروں کے لیے ہندوستان کو دار الحرب کہنے کا سہارا لینا کسی طرح مفید مطلب نہیں۔ مفتی بہ قول کے مطابق یہاں بھی سودی لین دین اسی طرح حرام ہے جیسے دیگر ممالک میں احتیاط اور عافیت کا راستہ یہی ہے۔ اس لیے جو بھی مسلمان اللہ سے شرم وحیا

رکھتے ہیں انہیں اپنے معاملات سے سودی جراثیم کے نکالنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے اور محض وقتی نفع کے لئے سطحی تاویلات کا سہارا نہ لینا چاہیے۔(اللھم وفقنا لما تحبہ وترضی)

جوا اور سٹہ

شریعت میں آمدنی کے جن ذرائع کی سختی سے ممانعت آئی ہے ان میں جوا اور سٹہ بھی شامل ہے۔قرآن کریم نے سورۂ مائدہ میں جوئے اور شراب کو ایک ساتھ ذکر کر کے انہیں گندگی اور غلاظت قرار دیا ہے۔اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوسر (جو سٹہ میں کھیلا جاتا ہے) کے بارے میں فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيرِ فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ۔(مسلم شریف ۲۴۰/۲)

جس نے چوسر کھیلا گویا اس نے اپنا ہاتھ خنزیر کے گوشت اور اس کے خون میں سان لیا۔

دیکھیے سٹہ کھیلنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر گھناؤنے عمل سے مشابہ قرار دیا ہے جس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتا۔سٹہ بازی کے دینی ودنیوی مفاسد بالکل ظاہر اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔علامہ آلوسیؒ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ مَفَاسِدِ الْمَيْسِرِ أَنَّ فِيهِ أَكْلَ الْأَمْوَالِ بِالْبَاطِلِ وَأَنَّهُ يَدْعُو كَثِيرًا مِنَ الْمُقَامِرِينَ إِلَى السَّرِقَةِ وَتَلَفِ النَّفْسِ وَإِضَاعَةِ الْعِيَالِ وَارْتِكَابِ الْأُمُورِ الْقَبِيحَةِ وَالرَّذَائِلِ الشَّنِيعَةِ وَالْعَدَاوَةِ الْكَامِنَةِ وَالظَّاهِرَةِ وَهٰذَا أَمْرٌ مُشَاهَدٌ لَا يُنْكِرُهُ إِلَّا مَنْ أَعْمَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَأَصَمَّهُ۔(روح المعانی ۱۱۵/۲)

اور جوئے کے مفاسد میں سے یہ ہیں۔(۱) لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھانا (۲) اکثر جواریوں کا چوری کرنا (۳) قتل کرنا (۴) بچوں اور گھر والوں کا خیال نہ کرنا (۵) گندے اور بدترین جرائم کا ارتکاب کرنا (۶) ظاہری اور پوشیدہ دشمنی کرنا۔اور یہ بالکل تجربہ کی باتیں ہیں۔ان کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔الا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم کردیا ہو۔

تجربہ سے یہ بات واضح ہے کہ جس معاشرہ میں سٹہ بازوں کی کثرت ہوتی ہے وہ معاشرہ جرائم اور اعمال بد کی آماجگاہ بن جاتا ہے اس لیے کہ مفت میں حرام خوری کی جب عادت پڑ جاتی ہے تو محنت مزدوری کر کے کمانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لاکھوں خاندان اس نحوست میں گرفتار ہو کر تباہی اور بربادی کے غار میں جا چکے ہیں۔ اور دونوں جہاں کی رسوائی مول لے چکے ہیں۔

لاٹری وغیرہ

اس دور میں جوئے اور سٹے کی بہت سی شکلیں رائج ہیں۔ اور وہ سب حرام ہیں۔ ان میں ایک "لاٹری" کی لعنت بھی ہے جس کے ذریعہ خوبصورت انداز میں پوری قوم کا خون چوسا جا رہا ہے۔ ذرا غور فرمائیں! لاٹری کی ایک کمپنی یومیہ مثلاً تین لاکھ کے ٹکٹ فروخت کرتی ہے۔ اور ان میں سے ایک لاکھ روپے انعام میں دے دیتی ہے، تو یہ دو لاکھ روپے جو لاٹری کی کمپنی کو ملا۔ یہ کس کا سرمایہ ہے۔ بیچارے غریب رکشا پولروں اور مزدوروں کا۔ جن کے خون پسینے کی کمائی سرمایہ داروں اور حکومت کے خزانوں میں سمٹ کر چلی جاتی ہے اور محض ایک موہوم نفع کے لالچ میں یہ سادہ لوح عوام اپنی محنت کی کمائی خوشی خوشی خون چوسنے والوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ لاٹری کے نرغے میں آ کر کتنے لوگوں نے اپنے گھر کے برتن، بیوی کے زیورات، حتیٰ کہ کپڑے اور مکانات تک بیچ دیئے یا گروی رکھوا دیئے۔ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے کنگال ہو گئے۔

اسی طرح آج محلہ محلہ اسکیموں کے نام پر سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔ ان میں بھی جوئے کی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً جس کا نام پہلی قسط ادا کرتے ہی نکل آئے وہ بہت کم قیمت میں کسی مشینری وغیرہ ایک بڑی رقم کا مالک بن جاتا ہے اور بقیہ لوگوں کو اپنے نمبر کا انتظار کرنا ہوتا ہے وغیرہ۔ نیز معمہ بازی، پتنگ بازی، کبوتر بازی، شطرنج، کیرم بورڈ، جن میں ہار جیت پر فریقین کی طرف سے لین دین کی شرط ہوتی ہے۔ یہ سب شکلیں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ بچے جو گولیاں اور گلکے کھیلتے ہیں اور اس پر دوسرے سے

تاوان لیتے ہیں۔ یہ سب جوا اور سٹہ ہے۔ بچوں اور بڑوں کو ان سے اجتناب کر کے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا پورا کرنا چاہیے۔

انشورنس

سود اور جوئے کی ایک ترقی یافتہ صورت وہ ہے جسے بیمہ یا انشورنس کہا جاتا ہے، بیمہ خواہ مالی ہو یا جانی اس میں سٹہ کی شکل ضرور پائی جاتی ہے، یعنی یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر پالیسی کی مدت میں مال ضائع ہو گیا یا پالیسی لینے والا مر گیا تو مشروط رقم بیمہ کمپنی پر ادا کرنی لازم ہو جائے گی۔ اب مال کے بیمہ کی شکل میں شرط نہ پائے جانے کی صورت میں کوئی رقم واپس نہیں ہوتی۔ اور زندگی کے بیمہ (لائف انشورنس) میں اگر پالیسی ہولڈر نہ مرے تو پالیسی پوری ہونے کے بعد ساری جمع شدہ رقم مع سود کے اسے واپس کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے لائف انشورنس میں جوا بھی ہے اور سود بھی۔ جبکہ مال کے انشورنس میں صرف جوئے کی شکل پائی جا رہی ہے۔ اس لیے علماء محققین کے نزدیک لائف انشورنس کی حرمت مالی انشورنس کے مقابلے میں زیادہ شدید ہے۔ بریں بنا ہر ایک مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اختیاری طور پر بیمہ اور انشورنس کے معاملات سے دور رہے اور جہاں کوئی قانونی یا اضطراری مجبوری ہو تو پوری صورت حال بتا کر علماء حق سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے۔ نفع نقصان کا مالک صرف اللہ ہے۔ جو نقصان اللہ کی طرف سے مقدر ہے وہ انشورنس کی وجہ سے ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اس کا خوف دل میں بٹھانا چاہیے۔ اور محض چند روزہ نفع کے لالچ میں آخرت کے دائمی نفع پر تیشہ نہ لگانا چاہیے۔ نجات اور عافیت کا راستہ یہی ہے۔

دوسروں کے مال یا جائیداد پر ناحق قبضہ کرنا

حرام ذرائع آمدنی میں سے یہ بھی ہے کہ بلا کسی استحقاق کے کسی دوسرے شخص کے مال یا جائیداد پر قبضہ جما لیا جائے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ آپسی رضامندی کے بغیر باطل طریقے پر ایک دوسرے کا مال کھانے سے سخت منع کیا گیا ہے اور ایک حدیث میں وارد

ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الْأَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ۔ (رواہ البخاری ۱/۴۵۲ عن ابی سلمةؓ و مسلم ۲/۳۳ و الترغیب و الترھیب ۳/۹)

جو آدمی بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لے تو سات زمینوں سے اس پر طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

اس حدیث کے مفہوم کے بارے میں متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بالشت بھر جگہ ساتوں زمینوں تک کھودنے کا اسے حکم دیا جائے گا تو اس طرح کھودنے کی وجہ سے وہ حصہ اس کے گلے میں طوق کے مانند معلوم ہوگا۔ بخاری شریف کی ایک روایت سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور دوسرے مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مغصوبہ زمین کے ساتھ ساتوں زمین کی مٹی ملا کر اسے حکم دیا جائے گا کہ اس مٹی کے وزن کو اپنے سر پر اٹھا کر لے جائے۔ مسند احمد طبرانی کی روایت سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص ناجائز طریقے پر دوسرے کی زمین کا کچھ حصہ بھی دبا لے تو اس کی کوئی بھی نفلی یا واجبی عبادت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں قابل قبول نہ ہوگی۔ (الترغیب والترھیب ۳/۱۰)

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔ (رواہ ابن حبانؒ عن ابی حمید الساعدیؓ الترغیب والترھیب ۳/۱۱)

کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی لاٹھی بھی بغیر اس کی دلی رضامندی کے لے۔

اسی طرح کی احادیث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دوسرے کے مال کو بلا استحقاق دبا لینا اللہ کی نظر میں سخت ناپسندیدہ ہے اور آخرت میں بدترین رسوائی کا

سبب ہے۔

افسوس ہے کہ جو چیز اللہ کی نظر میں مبغوض ہے آج اسے باعثِ کمال گردانا جاتا ہے۔ایک ایک بالشت نالیوں اور نالوں کے اوپر سالوں سال مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔اور ناحق طریقہ پر مقدمہ جیتا جانا ہی عزت اور قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔اس طرح کی حرکتوں کا اصل سبب آخرت سے غفلت اور اللہ کے عذاب سے بے توجہی ہے۔اگر لوگوں کو غضب کے عذاب کا استحضار ہو جائے تو کوئی بھی عقلمند آدمی دو چار گز کے لیے لڑائی جھگڑا اور مقدمات کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنے پر تیار نہ ہو۔

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضٍ اَوْمِنْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ الْيَوْمَ مِنْ قَبْلِ اَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ اِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(رواہ البخاری ۲/۹۶۷ عن ابی ہریرہؓ الترغیب والترہیب ۳/۱۲۸ مسند احمد ۲/۵۰۶-۴۳۵)

جس کسی کے پاس دوسرے بھائی کا عزت یا مال سے متعلق کوئی حق ہو تو اس سے آج ہی معاف کرا لے قبل اس کے کہ وہ دن آئے کہ جب دینار و درہم نہ چلیں گے بلکہ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے دوسرے کے حق کے بقدر لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے بھائی کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔

اس لیے ہر مسلمان کو ظلم اور غصب سے بچ کر اللہ سے شرم وحیا کا ثبوت دینا چاہیے اور آخرت کی بدترین رسوائی سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

رشوت خوری

رشوت خوری یعنی دوسروں سے ناحق رقم وغیرہ لینے کا مرض ایسا خطرناک اور بدترین ہے جس سے نہ صرف قوم کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بھی رشوت کے سہارے خوب پھلنے پھولنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔جو شخص رشوت کی چاہت میں مبتلا

ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں نہ اپنے مذہب اور قوم کا مفاد رہتا ہے اور نہ ملک کی سلامتی کی اہمیت اس کے سامنے رہتی ہے۔ اس کی نگاہ میں تو صرف اپنی جیب کا فائدہ اور منافع خوری ہی کا جذبہ ہوتا ہے۔ اور دولت کے نشہ میں وہ کسی دوسرے کے نقصان کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا۔ اس کا دل سخت ہو جاتا ہے۔ اور ذہن سے رحم ومروت کا جذبہ فنا ہو جاتا ہے۔ اسی بناء پر رشوت ستانی کی شریعت میں سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ۔ (رواہ ابن حبان، الترغیب والترھیب ۱۲۵/۲)

رشوت لینے والے اور (بلاضرورت) رشوت دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي النَّارِ۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب ۱۲۵/۳)

رشوت لینے والا اور (بخوشی بلاضرورت) رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے۔

نیز ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے کے ساتھ رائش یعنی اس شخص پر بھی لعنت بھیجی ہے جو رشوت کے لیے درمیان میں دلالی کرتا ہے۔

(ادب انصاف/۸۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص رشوت لے کر ناحق فیصلہ کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اتنی گہری جہنم میں ڈالے گا کہ پانچ سو برس تک برابر گرتے چلے جانے کے باوجود وہ اس کی تہہ تک نہ پہنچ پائے گا۔ اللھم احفظنامنہ۔ (الترغیب والترھیب ۱۲۶/۳)

ان سخت ترین وعیدوں سے رشوت کے بھیانک انجام کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں رشوت ایسا ناسور ہے جس کے مفاسد صرف اخروی ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی اس کے بھیانک نتائج واقف کار لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آج اپنے ہی ملک کے سرکاری محکموں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں۔ کس طرح رشوت کا بازار گرم ہے؟ آخر کون سا ایسا غیر قانونی کام ہے جو رشوت دے کر بآسانی انجام نہ دیا جاسکتا ہو؟ بجلی کی چوری سے لے کر ٹرین اور بسوں میں بلاٹکٹ سواری تک ہر جگہ رشوت کا چلن ہے۔ اور عدالتوں، محکمہ

پولیس اور کسٹم میں تو رشوتیں ایسی جسارت اور دباؤ سے لی جاتی ہیں گویا وہ ان کا قانونی حق ہو۔ یہاں کے سرکاری اہلکاروں سے لے کر وزراء تک رشوت کے معاملات میں ملوث ہیں۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ یہ قدرتی وسائل سے مالا مال ملک آزادی کے پچپن سال گزر جانے کے باوجود آج بھی ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نقصان اسی رشوت خوری نے پہنچایا ہے۔ اور جب تک یہ لعنت یہاں باقی رہے گی ملک کے وسائل سے کبھی بھی کما حقہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ رشوت کا عادی معاشرہ کام چور ہوتا ہے۔ بے مروت اور مفاد پرست ہوتا ہے۔ وہ اپنے مفاد کی خاطر ملک کی بڑی سے بڑی دولت کا بھی سودا کر سکتا ہے۔ اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس لیے اس لعنت سے معاشرہ کو بچانے کی ضرورت ہے۔ ہر سطح پر رشوت خوری کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے تاکہ خود غرضی کا دروازہ بند ہو سکے۔

رشوت لینے والے کے لیے رشوت کا پیسہ کسی بھی صورت حلال نہیں ہے۔ البتہ بعض خاص صورتوں میں جب کہ اپنا حق ضائع ہو رہا ہو یا شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو فقہاء نے ضرورۃً رشوت دینے کی اجازت دی ہے۔ (شامی کراچی ۶/۴۲۳)

ناجائز ذخیرہ اندوزی

شریعت نے عوام الناس کو نقصان پہنچا کر اشیاء ضرورت کی ذخیرہ اندوزی کر کے زیادہ کمانے سے بھی منع کیا ہے اسے اصطلاح میں ''احتکار'' کہا جاتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اس عمل سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

(۱) ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔ (مسلم ۲/ ۳۱ عن عمرؓ، کتاب المساقاۃ)

جو شخص غلہ وغیرہ جمع کرے وہ غلط کار ہے۔

(۲) اور ایک ضعیف روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ أَرْخَصَ اللّٰهُ الْأَسْعَارَ حَزِنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرِحَ۔

(الترغیب والترھیب ۲/۳۶۴)

جمع خور آدمی بہت برا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چیزوں کی قیمتیں سستی کرے تو اسے غم ہوتا ہے اور جب مہنگائی ہو تو اسے خوشی ہوتی ہے۔

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام فروخ کہتے ہیں کہ کچھ غلہ وغیرہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ڈھیر لگایا گیا۔ اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین تھے جب آپ باہر تشریف لائے۔ غلہ کو دیکھ کر پوچھا یہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا یہ باہر سے لایا گیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس غلہ کو اور جو لوگ اسے لائے ہیں ان کو برکت سے نواز دے۔ اسی وقت کچھ لوگوں نے یہ بھی خبر دی کہ اس کا احتکار بھی کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کس نے یہ عمل کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ایک تو فروخ نے، دوسرے فلاں شخص نے جو آپ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر دونوں کو بلایا اور باز پرس کی۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اپنا مال خرید و فروخت کر رہے ہیں (یعنی اس میں دوسرے کا کیا نقصان ہے؟) اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ۔

جو شخص مسلمانوں پر ان کا غلہ وغیرہ روک کر رکھے، اللہ تعالیٰ اسے کوڑھ کے مرض اور تنگ دستی میں مبتلا کرے گا۔

یہ سن کر فروخ نے کہا کہ میں آپ سے اور اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی احتکار نہ کروں گا۔ پھر وہ مصر چلے گئے۔ جب کہ اس فلاں شخص نے کہا کہ ہمارا مال ہے ہم جیسے چاہیں خرید و فروخت کریں۔ اس روایت کے راوی ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس شخص کو کوڑھی اور تنگ دستی کی حالت میں دیکھا ہے۔ (الترغیب والترھیب ۲/۳۶۳)

احتکار کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ اس کی وجہ سے شہر والوں اور عوام کو

نقصان ہو، اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن سے عوام الناس کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ مثلاً غلہ جات، کپڑے، روزمرہ کی ضروری اشیاء، ہاں اگر جمع کرنے سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو پھر خرید کر اسٹاک رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح جب کہ بازار میں اس چیز کی کوئی کمی نہ ہو، اگر کوئی شخص شروع فصل میں کوئی چیز زیادہ مقدار میں خرید کر رکھ لے کہ اخیر فصل میں قیمت بڑھ جانے پر اس کو فروخت کرے گا یہ بھی ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کے کسی عمل کی وجہ سے قیمت نہیں بڑھے گی۔ (مستفاد شامی کراچی۔ ۶/۳۹۸)

تیسری فصل

مدارس اور ملی اداروں کی رقومات میں احتیاط

پیٹ کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ جو لوگ کسی ایسے ادارے سے وابستہ ہوں جس میں قوم کا روپیہ خاص مصارف میں صرف کے لیے جمع ہوتا ہے۔ اس کی امانتوں میں وہ ناحق تصرف نہ کریں اور اس بارے میں انتہائی محتاط رویہ اپنائیں۔ قرآن کریم میں یتیم کے مال کھانے کو "پیٹ میں آگ بھرنے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور علماء لکھتے ہیں کہ سبھی اوقاف وغیرہ کے احکامات بھی یتیم کے مال کی طرح ہیں۔ یعنی قومی اور ملی اداروں کے منتظم حتیٰ کہ امیر المؤمنین بھی اسلامی حکومت کے خزانوں کا بالکلیہ مالک نہیں ہے۔ بلکہ اس پر اسلامی ہدایات کے مطابق ہر مد کا روپیہ اسی کے مصرف میں صرف کرنا ضروری ہے۔ اور بلا ضرورت صرف کرنے پر یا غیر مستحق پر خرچ کرنے پر اس سے عند اللہ مواخذہ ہوگا۔

افسوس ہے کہ آج اس سلسلہ میں سخت لاپرواہی اور کوتاہی عام ہوتی جارہی ہے۔ کچھ ادارے تو ایسے ہیں جنہوں نے زبردستی اپنے کو "عاملِ حکومت" کے درجے میں رکھ کر زکوٰۃ کی رقومات بلا دریغ من مانے مصارف پر خرچ کرنے کی راہ نکال لی ہے۔ حالانکہ یہ مؤقف دلائل کی روشنی میں بالکل غلط ہے۔ اور بڑی تعداد ایسے اداروں کی ہے جن میں اگرچہ "عاملِ حکومت" کا عنوان تو نہیں ہے۔ لیکن زکوٰۃ کی رقم میں ضرورت بلا ضرورت "تملیک کا حیلہ" اپنایا جارہا ہے اور یہ رقم جو خالصۃً فقراء کا حق ہے، اسے تعمیر، ضیافت اور مدرسہ کے بلند و بالا تعارف کے قیمتی اور خوشنما لٹریچروں میں خرچ کیا جانے لگا ہے۔ مدرسہ میں تعلیمی معیار خواہ کہیں تک ہو لیکن اس کا تعارف اتنا زوردار چھپوایا جاتا ہے اور اس میں اس قدر مبالغہ کیا جاتا ہے کہ معلوم ہو کہ پورے علاقہ کا دار العلوم یہی ہے۔ اسی طرح بہت سے ایسے معمولی مکاتب جن میں تنخواہ کے علاوہ خرچ کا کوئی قابلِ ذکر محل نہیں ہے اور وہاں نادار

طلبہ کی رہائش اور طعام کا بھی انتظام نہیں ہے۔ان میں محض تعمیرات اور مشاہرات پر زکوۃ کی رقومات بلادریغ خرچ کی جارہی ہیں۔

حیلۂ تملیک صرف مجبوری میں جائز ہے

اور "حیلۂ تملیک" جو ایک انتہائی مجبوری کی چیز تھی اسے ہی اصل قانون کے درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔اس لیے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ تملیک کے حیلہ کی اجازت صرف اسی وقت ہے جبکہ مدرسہ یا ادارہ میں فی الوقت مصرف موجود اور ضرورت اتنی سخت ہو کہ اگر حیلہ نہ کیا جائے تو وہاں دینی ضرورت کسی بھی درجہ میں انجام نہ دی جاسکے۔واضح رہے کہ ہر مکتب کو ایک دم دارالعلوم بنانا ہمارے ذمہ نہیں ہے۔بلکہ جتنے خرچ کا بآسانی انتظام جائز اور شرعی طریقہ پر ہو سکے اتنے ہی درجہ پر ادارہ کو رکھا جائے اور رفتہ رفتہ ترقی دی جائے۔آج بے احتیاطیوں کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہر ادارہ پہلی فرصت میں اونچے پلان اور منصوبے بناتا ہے اور جب اسے ان منصوبوں کی تکمیل کے لیے عطایا نہیں مل پاتے تو زکوۃ کے اموال کو حلال کرنے کے راستے اپناتا ہے۔اور بلا ضرورت حیلہ اختیار کرتا ہے۔حالانکہ یہ کتنی محرومی کی بات ہے کہ آدمی دوسروں کے فائدہ کے عنوان سے خود اپنی عاقبت خراب کرلے۔اللھم احفظنا منه۔

مولانا بنوری رحمہ اللہ کا طرزِ عمل

انہی بے احتیاطیوں کی وجہ سے آج عوام وخواص مدارس اور دینی اداروں کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔جب کہ اگر ذمہ داران ورع وتقویٰ پر عمل کریں تو ان کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچ سکتی۔اس سلسلہ میں رہنمائی کے لیے عالم ربانی امام الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا عمل ذیل میں پیش ہے۔آپ کے ایک کفش بردار عبدالمجید فارقلیط صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ (جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

پاکستان) کے لیے مشکل تر راستہ اختیار کیا اور چند ایسے اصول وضع فرمائے جو پہلے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں نہ آئے تھے۔آپ نے سب سے اہم اصول یہ اختیار فرمایا کہ مدرسہ کو حاصل ہونے والی آمدنی کو دو مدوں میں تقسیم فرمایا۔ایک مد زکوٰۃ وصدقات کی،اور دوسری عطیات کی،زکوٰۃ فنڈ کی رقم صرف طلباء کے اخراجات خورد ونوش اور وظائف کے لیے مختص کردی گئی۔اس فنڈ کو مدرسہ کی تعمیر،کتابوں کی خرید اور اساتذہ کرام کے مشاہرہ وغیرہ پر مطلق خرچ نہ کیا جاتا تھا۔عطیات کے فنڈ سے اساتذہ کو تنخواہیں،اور دیگر واجبات کی ادائیگی کی جاتی تھی۔بالعموم اہل ثروت زکوٰۃ کی بیشتر رقم دینی مدارس کو دیتے ہیں اور عطیات کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔اس طرح دینی مدارس کے پاس زکوٰۃ کے فنڈ میں خاصی رقم جمع ہوجاتی ہے۔جبکہ عطیات کا فنڈ اکثر قلت کا شکار رہتا ہے۔مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ زکوٰۃ فنڈ میں خطیر رقم موجود ہے جبکہ غیر زکوٰۃ کی مد خالی ہے۔ایک دفعہ حاجی محمد یعقوب صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لیے عطیات کی مد میں رقم نہیں ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو زکوٰۃ فنڈ سے قرض لے کر اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں۔اور جب عطیات کے فنڈ میں رقم آئے گی تو زکوٰۃ فنڈ کا قرضہ واپس کردیا جائے گا۔حضرت شیخ نے بڑی سختی کے ساتھ منع فرمادیا اور فرمایا کہ میں اساتذہ کی آسائش کی خاطر خود کو دوزخ کا ایندھن نہیں بنانا چاہتا۔ انہیں صبر کے ساتھ عطیات فنڈ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی رقم کا انتظار کرنا چاہیے۔اور اگر صبر نہ کرسکتے ہوں تو انہیں اس امر کا اختیار ہے کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔'' (بیس مردان حق، عبدالرشید ارشد ۲/۳۶۲)

مولانا بنوریؒ نے جس مدرسہ کے لیے یہ اصول وضع فرمائے تھے،وہ آج پاکستان کا نہایت معیاری اور بافیض مدرسہ ہے۔اور ساتھ میں ہر قسم کے مادی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔اصحاب خیر اس ادارے کا تعاون کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔

غور فرمائیں کیا ایسی دوسری مثالیں قائم نہیں کی جاسکتیں؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم

اللہ سے شرم وحیا کا حق ادا کرنے والے بن جائیں تو ہماری ہر مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔ اور ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔

کمیشن پر چندہ

مالی بے احتیاطیوں کا عالم یہ ہے کہ آج بہت دینی اداروں میں بے خوف وخطر کمیشن پر چندہ کا رواج پڑ گیا ہے۔ حالانکہ دور حاضر کے سبھی علماء ومفتیان اس طرح کمیشن لینے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور کتب فتاویٰ میں اس سلسلہ کے مدلل ومفصل فتاویٰ شائع بھی ہو چکے ہیں۔ مگر خوف خدا میں کمی اور طرفین میں مال کی طمع نے ان شرعی احکامات کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ اور چندہ کو ایک اچھا خاصا کاروبار بنالیا ہے۔ چندہ پر کمیشن کے حرام ہونے کی متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) اول یہ کہ یہ ایسا اجارہ ہے جس میں ابتداءً اجرت معلوم نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ جانے کتنا چندہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ بالکل بھی نہ ہو۔ اور محصل کو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے۔

(۲) یہ قفیز طحان کے مشابہ ہے یعنی چندہ کی آمدنی خود اجیر کے عمل کا نتیجہ ہے اور اسی نتیجہ میں سے اجرت متعین کی جارہی ہے۔ اس طرح اجرت کا تعین ناجائز ہے۔

(۳) اجارہ کی صحت کے لیے خود اجیر کا قادر ہونا شرط ہے اور یہاں چندہ کا عمل محصل کی قدرت سے باہر ہے یعنی جب تک چندہ دینے والا روپیہ نہیں دے گا یہ لینے پر قادر نہیں ہے۔ اور آدمی جس چیز پر قادر نہیں اس کو اجرت کیسے بنا سکتا ہے۔

(دیکھیے احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۷۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۱۲۷)

ہاں اگر سفیر تنخواہ دار ہو اور اس کی ایک تنخواہ متعین ہو یعنی خواہ چندہ ہو یا نہ ہو اسے اپنی محنت کا صلہ بہر حال ملے گا تو اس کو تنخواہ لینا جائز ہے کیونکہ یہاں اس کی اجرت کا تعلق چندہ کی رقم سے نہیں بلکہ لوگوں سے ملاقات اور اس مقصد کے لیے سفر وغیرہ کرنے سے ہے۔ جس میں عمل اور اجرت دونوں متعین ہیں۔ اور ایسے تنخواہ دار سفیر کو اگر کوئی ادارہ حسن کارکردگی پر امدادی فنڈ سے (جس میں زکوۃ صدقات واجبہ کی رقوم شامل نہ ہوں) کوئی

انعامی رقم دے تو اس کے لینے کی بھی گنجائش ہے۔ یہ کمیشن میں شامل نہیں ہے۔

بہر حال دینی اداروں کے ذمہ داروں کو سب سے زیادہ شریعت کے احکام کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور ہر قسم کی بے احتیاطیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تا کہ ان کا وقار برقرار رہے اور دینی خدمات میں برکات کا ظہور ہو۔

اجرت پر تراویح وغیرہ

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی بھی دینی عبادت کو دنیا کے حصول کے لیے مقصود نہ بنائے اور معمولی دنیوی نفع کی لالچ میں آخرت کا خطیر نفع قربان نہ کرے۔ آج کل رمضان المبارک میں تراویح سنانے کے عوض بڑی آمدنی کا رجحان بھی بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ تو حفظ ہی اس مقصد کے لیے کرتے ہیں کہ تراویح سنا کر روپیہ کمائیں گے۔ اس کے لیے بڑے بڑے شہروں میں اچھی اچھی جگہیں تلاش کی جاتی ہیں۔ اسفار کیے جاتے ہیں۔ اور اپنے مقام اور مرتبہ سے گھٹ کر حرکتیں کی جاتی ہیں۔ یہ سب بے غیرتی کی باتیں ہیں۔ قرآن کریم ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے چند کوڑیوں کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ محض قرآن کی تلاوت پر اجرت مقرر کرنا قرآن کریم کی کھلی ہوئی توہین اور ناقدری ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو فرضی تاویلات اور حیلے اپنائے جاتے ہیں وہ بھی ناقابل توجہ ہیں اس لیے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ دیانات (فیما بینہ وبین اللہ معاملات) میں حیلوں کا اختیار کرنا واقعی حلت کے لیے مفید نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱/۴۸۵)

بہت سے لوگ حفاظ کی مالی پریشانی کا ذکر کرتے ہیں کہ ختم پر اس کی اعانت ہو جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ وہ پہلے سے فقیر تھا یا تراویح میں قرآن ختم کرتے ہی غریب ہو گیا؟ اگر پہلے سے ہی پریشان تھا، جیسا کہ واقعہ بھی یہی ہے تو ختم سے پہلے اس کی مدد کیوں نہیں کی گئی؟ کسی غریب کی مدد کرنا کبھی بھی منع نہیں ہے۔ منع تو یہ ہے کہ اس کو قرآن کی اجرت کھلائی جائے۔

بعض لوگ یہ بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ اگر اجرت نہ دی جائے تو مساجد میں ختم قرآن کا رواج ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن کریم کوئی ایسا شرعی واجب یا لازم نہیں ہے کہ اس کے لیے ایک ناجائز معاملہ کا ارتکاب کیا جائے۔ پھر یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ اس سے ختم قرآن کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ اس لیے کہ امت میں الحمد للہ ایسے حفاظ کی کمی نہیں ہے جو خود اپنے قرآن کی حفاظت کے لیے مساجد تلاش کرنے کے فکرمند رہتے ہوں۔ اگر دینے دلانے کا رواج بالکل ختم ہو جائے تو خود بخود حفاظ کے دل سے طمع اور لالچ کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی لیے شامی میں نقل کیا گیا ہے کہ اجرت پر تلاوت کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرانے پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ (شامی زکریا ۹/ ۷۷) کیونکہ دینے والے کے ارادے سے ہی لینے والے کو حوصلہ ملتا ہے۔ اگر اس معاملہ میں دینے والے شریعت پر عمل کرتے ہوئے دینے سے منع کر دیں تو لینے والوں کو مطالبہ کا حوصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر مخلص حافظ نہ ملے؟

بالفرض اگر کسی جگہ بلا عوض پڑھانے والا مخلص حافظ نہ مل سکے تو فتویٰ یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں کو کرایہ دار حافظ سے پورا قرآن سننے کے بجائے ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھ لینی چاہیے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہر اسنتِ مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم ترکیف وغیرہ سے پڑھ دے۔ پس جب ثقلِ جماعت کے محذور سے بچنے کے لیے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی، تو استیجار علی الطاعۃ (عبادت پر اجرت لینے) کا محذور اس سے بڑھ کر ہے۔ اس سے بچنے کے لیے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ ''الم ترکیف'' سے پڑھ لے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۴۸۴)

محفل تلاوت اور دیگر دینی خدمات کی اجرت میں فرق

بعض حضرات تراویح میں قرآن پڑھنے پر معاوضہ کے جواز پر یہ دلیل پیش

کرتے ہیں کہ جس طرح امامت واذان اور تعلیم قرآن پر اجرت جائز ہے۔اسی طرح تراویح میں قرآن ختم کرنے کا معاملہ بھی درست ہونا چاہیے،تو اس سلسلہ میں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حنفیہ کے اصل مذہب میں طاعات وعبادات پر اجارہ مطلقاً ناجائز ہے۔ متأخرین احناف نے خلفاء راشدین کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے اس ممانعت سے ان عبادات کو ضرورتاً مستثنیٰ کردیا ہے جن کو شعائر دین ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔یعنی جن کا اہتمام ہونے سے دین کی بقاواشاعت کو شدید خطرہ لاحق ہوجائے۔مثلاً امامت و اذان کہ اگر ان پر اجرت جائز نہ ہوتو مساجد میں جماعت واذان کا سارانظام درہم برہم ہوجائے۔اسی طرح تعلیم دین،کہ اگر اس غرض سے وقت فارغ نہ کیا جائے تو دین کی اشاعت موقوف ہوجائے۔لیکن جو عبادات اس درجہ کی نہیں ہیں ان میں عدم جواز کا حکم بدستور باقی ہے۔تراویح میں ختم قرآن اور ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کی عبادات اسی قبیل سے ہیں کہ اجرت پر ختم قرآن کی ممانعت سے دین کو کسی طرح کا نقصان نہیں ہے۔یہی حال ایصال ثواب کے لیے تلاوت کرنے کا بھی ہے۔علامہ شامی فرماتے ہیں:

قَدْ أَطْبَقَ الْمُتُوْنُ وَالشُّرُوْحُ وَالْفَتَاوىٰ عَلىٰ نَقْلِهِمْ بُطْلَانَ الْاِسْتِيْجَارِ عَلَى الطَّاعَاتِ إِلَّا فِيْمَا ذُكِرَ وَعَلَّلُوْا ذٰلِكَ بِالضَّرُوْرَةِ وَهِيَ خَوْفُ ضِيَاعِ الدِّيْنِ وَصَرَّحُوْا بِتِلْكَ التَّعْلِيْلِ فَكَيْفَ يَصِحُّ أَنْ يُّقَالَ إِنَّ مَذْهَبَ الْمُتَاخِرِيْنَ صِحَّةُ الْاِسْتِيْجَارِ عَلَى التِّلَاوَةِ الْمُجَرَّدَةِ مَعَ عَدَمِ الضَّرُوْرَةِ الْمَذْكُوْرَةِ فَإِنَّهُ لَوْ مَضَى الدَّهْرُ وَلَمْ يَسْتَاجِرْ أَحَدٌ أَحَدًا عَلىٰ ذٰلِكَ لَمْ يَحْصُلْ بِهِ ضَرَرٌ، بَلِ الضَّرَرُ صَارَ فِي الْاِسْتِيْجَارِ عَلَيْهِ حَيْثُ صَارَ الْقُرْآنُ مَكْسَبًا وَحِرْفَةً يُتَّجَرُ بِهَا۔

الخ(شرح عقود رسم المفتی، رسائل ابن عابدین ۱/ ۱۴۲)

تمام متون،شروحات اور فتاویٰ طاعات پر اجرت کے باطل ہونے کو نقل کرنے میں متفق ہیں سوائے ان طاعات کے جو مذکور ہوئیں۔(یعنی امامت واذان وغیرہ)اور مذکور ہ طاعات کے جواز کی تعلیل انہوں نے ضرورت سے کی ہے جو دین کے ضائع ہونے کا

اندیشہ ہے اور اس تعلیل کی انہوں نے صراحت بھی کی ہے تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ متاخرین کا مذہب محض تلاوت پر اجرت صحیح ہونے کا ہے باوجودیکہ مذکورہ ضرورت نہ پائی جائے۔ اس لیے کہ اگر زمانہ بیت جائے اور کوئی شخص کسی کو تلاوت کے لیے اجرت پر نہ لے تو اس سے کوئی نقصان نہیں آتا بلکہ نقصان تو اجرت پر تلاوت کرنے میں ہے، بایں طور کہ قرآن کریم کو کمائی کا ذریعہ اور ایسی صنعت بنالیا گیا ہے جس کی تجارت کی جاتی ہے۔

الغرض ان صراحتوں سے معلوم ہوگیا کہ محض تلاوت قرآن میں ختم قرآن پر اجرت کی آمدنی کا جواز اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے جذبہ کے بالکل برخلاف ہے۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اپنے کو ایسی آمدنی سے بچائے اور دوسرے بھائیوں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کرے۔

معصیت پر تعاون کی اجرت

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔" (المائدہ آیت ۲)

"اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر۔" بریں بنا کسی ایسے طریقے پر روپیہ کمانا ممنوع ہے جس میں کسی گناہ پر تعاون لازم آتا ہو۔ آج کل بکثرت ایسے ذرائع آمدنی رائج ہیں۔ مثلاً فوٹو گرافی، ویڈیو گرافی، ٹیلی ویژن کی مرمت اور خرید وفروخت وغیرہ کا کاروبار، اسی طرح بال بنانے والوں کا انگریزی بال اور داڑھیاں مونڈ کر روپیہ کمانا، یہ سب صورتیں آمدنی کو مشتبہ بنا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ان ناجائز اعمال کو چھوڑ کر اپنے پیٹ کی حقیقی حفاظت کا انتظام کرے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو خوفِ خدا کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

چوتھی فصل

شرم گاہ کی حفاظت

اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا اہم تقاضا اور اپنے بدن کو جہنم کی ہولناک آگ سے بچانے کا مقتضی یہ بھی ہے کہ انسان اپنی شرمگاہ کی ناجائز اور حرام جگہوں سے پوری طرح حفاظت کرے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۙ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا۔ (بنی اسرائیل آیت: ۳۲)

اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے۔

اور کئی جگہ ایمان والے لوگوں کی یہ صفات بیان کی گئیں کہ "وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، زنا نہیں کرتے، اور ناجائز محل کے علاوہ شہوت پوری نہیں کرتے۔

(سورۂ مومنون، سورۂ معارج وغیرہ)

نیز اسلام نے زنا کی ایسی سخت سزا مقرر کی ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یعنی اگر ثبوت ہوجائے تو کنوارے مجرم کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم ہے (جبکہ اسلامی حکومت ہو) اور احادیثِ مبارکہ میں زنا کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (مسلم شریف ۱/۵۶ عن ابی ہریرۃ، الترغیب والترہیب ۳/۱۸۵)

زناکار زنا کرتے وقت (کامل) مومن نہیں رہتا۔

گویا کہ ایسے عمل کا ایمان کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں ہے، یہ سراسر شیطانی عمل ہے۔

سب سے زیادہ خطرہ کی چیز

(۲) اور ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا بَغَايَا الْعَرَبِ يَا بَغَايَا الْعَرَبِ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الزِّنَا وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب و الترھیب ۳/۱۸۶)

اے عرب کے بدکارو! اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور پوشیدہ شہوت سے ہے۔

یعنی یہ ایک ایسی نحوست ہے جس سے معاشرتی نظام تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور گھر گھر میں فتنہ فساد اور خون خرابہ کی نوبت آجاتی ہے حتیٰ کہ نسلیں تک مشتبہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اس سے ہر ممکن احتراز لازم ہے اور اس کے تمام راستوں کو بند کرنا ضروری ہے۔

زناکار کی دُعا قبول نہیں

(۳) عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُفْتَحُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ نِصْفَ اللَّيْلِ فَيُنَادِي مُنَادٍ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهُ؟ هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطَى؟ هَلْ مِنْ مَكْرُوبٍ فَيُفَرَّجُ عَنْهُ؟ فَلَا يَبْقَى مُسْلِمٌ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ إِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَّا زَانِيَةً تَسْعَى بِفَرْجِهَا أَوْ عَشَّارًا۔

(رواہ الطبرانی و احمد، الترغیب والترھیب ۳/۱۸۶)

آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا جائے؟ کیا کوئی پریشان حال غمزدہ ہے جس کی پریشانی دور کی جائے؟ پس کوئی دعا مانگنے والا مسلمان باقی نہیں بچتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے سوائے اپنی شرمگاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے (کہ ان کی

دعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ تین آدمیوں سے قیامت میں اللہ تعالیٰ نہ گفتگو کرے گا اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔(۱) بوڑھا زنا کار (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) قلاش متکبر۔ (رواہ مسلم ۱/۷۱، شعب الایمان ۴/۳۶۰)

زنا کار آگ کے تنور میں

(۴) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حضرات صحابہؓ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ ایک مرتبہ خود آپ نے اپنا طویل خواب صبح کے وقت حضرات صحابہؓ سے بیان فرمایا کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے گئے۔ پھر کئی ایسے لوگوں پر گزر ہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جا رہے تھے (پھر آپؐ نے فرمایا)

فَاَتَیْنَا عَلٰی مِثْلِ التَّنُّوْرِ قَالَ وَاَحْسِبُ اَنَّه کَانَ یَقُوْلُ فَاِذَا فِیْهِ لَغَطٌ وَاَصْوَاتٌ قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِیْهِ فَاِذَا فِیْهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَاِذَا هُمْ یَاْتِیْهِمْ لَهَبٌ مِنْ اَسْفَلَ مِنْهُمْ فَاِذَا اَتَاهُمْ ذٰلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا۔

پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے۔ راوی کہتا ہے کہ غالباً آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس تنور کے اندر چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم نے اس میں جھانکا تو اس میں ننگے مرد اور ننگی عورتیں تھیں اور ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آ رہی تھی، تو جب آگ کی لپٹ آتی تو وہ شور مچاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے ان بدنصیبوں کے بارے میں جاننا چاہا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی اور آگے چلیں۔ پھر سب مناظر دکھانے کے بعد ہر ایک کے بارے میں تعارف کرایا اور ان تنور والوں کے بارے میں کہا:

اَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّوْرِ فَاِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِیْ، الخ (بخاری شریف ۲/۱۰۴۴)

اور وہ ننگے مرد و عورت جو تنور جیسی جگہ میں تھے وہ زنا کار مرد اور عورتیں تھیں۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زنا کاروں کی یہ فضیحت آمیز اور ذلت ناک سزا ان کے جرم کے عین مطابق ہے۔ اس لیے کہ (۱) زنا کار، لوگوں سے چھپ کر عموماً جرم کرتا ہے اس کا تقاضا ہوا کہ اسے ننگا کر کے رسوا کیا جائے۔ (۲) زنا کار جسم کے نچلے حصہ سے گناہ کرتا ہے جس کا تقاضا ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دھکائی جائے۔ (کرمانی، فتح الباری

بحوالہ حاشیہ بخاری شریف حضرت نانوتوی ۲/۱۰۴۳)

زنا کار، بدبودار

(۵) ایک اور حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل خواب کا ذکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثُمَّ انْطَلِقَ بِیْ فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ أَشَدَّ شَیْءٍ اِنْتِفَاخاً وَأَنْتَنَہٗ رِیْحاً كَأَنَّ رِیْحَهُمُ الْمَرَاحِیْضُ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ الزَّانُوْنَ۔ (رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما، الترغیب والترھیب ۳/۱۸۷)

پھر مجھے لے جایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو (سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اور ان سے نہایت سخت بدبو آ رہی تھی گویا کہ پاخانوں کی بدبو ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔

ایک روایت میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زنا کار پر لعنت کرتی ہیں۔ اور بدکار عورتوں کی شرمگاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہونگے۔

(الترغیب والترھیب ۳/۱۹۰)

نیز ایک حدیث میں شراب پینے والوں کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ انہیں "نہر غوطہ" سے پانی پلایا جائے گا۔ اور اس نہر کی حقیقت یہ بیان کی گئی:

نَهْرٌ يَجْرِیْ مِنْ فُرُوْجِ الْمُوْمِسَاتِ يُؤْذِیْ أَهْلَ النَّارِ رِيْحُ فُرُوْجِهِمْ۔ (رواہ

احمد وغیرہ، الترغیب والترهیب ۳/۱۷۶)

یہ ایسی نہر ہے جو زنا کار عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلی ہے جن کی شرمگاہوں کی بدبو خود اہلِ جہنم کے لیے بھی باعثِ اذیت ہوگی۔ (اعاذنا اللہ منہ)

زنا موجب عذاب

(۶) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَفْشُ فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَإِذَا فَشَا فِيهِمْ وَلَدُ الزِّنَا فَلَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ۔ (مسند احمد ۶/۳۳۳)

میری امت اس وقت تک برابر خیر میں رہے گی، جب تک کہ ان میں حرام اولاد کی کثرت نہ ہو اور جب ان میں حرام اولاد کی کثرت ہو جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں عمومی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

نیز ایک صحیح روایت میں یہ مضمون بھی وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کسی قوم میں زنا کاری یا سود خوری کی کثرت ہوگی وہ اپنے کو عذاب خداوندی کا مستحق بنالیں گے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۱۹۱)

زنا موجب فقر وفاقہ

(۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

إِذَا ظَهَرَتِ الزِّنَا ظَهَرَ الْفَقْرُ وَالْمَسْكَنَةُ (فیض القدیر ۴/۱۸۲)

جب زنا کاری کی کثرت ہو جائے تو فقر و محتاجگی عام ہو جائے گی۔

اور دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا ظَهَرَتِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ يُعْمَلُ بِهَا فِيهِمْ عَلَانِيَةً إِلَّا ظَهَرَ فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ فِي أَسْلَافِهِمْ (الترغیب والترہیب ۳/۱۱۸)

جب بھی کسی قوم میں برسر عام بے حیائی اور بدکاری کی کثرت ہوگی تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی، جو ان سے پہلے لوگوں میں نہ پائی جاتی تھیں۔

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں فرمایا گیا

الزنا یورث الفقر (شعب الایمان ۴/ ۲۶۳)

یعنی زنا فقر وفاقہ کا سبب ہے۔

ان احادیث کی صداقت آج بالکل عیاں ہے۔ بے حیائیوں اور بدکاروں سے بھرپور مغربی اور مشرقی معاشرہ میں ایسے خطرناک اور لاعلاج بدترین امراض جنم لے چکے ہیں جن کا نام بھی آج تک کبھی نہیں سنا گیا تھا۔ اور فقر وفاقہ بالکل عیاں ہے۔ اس کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ روزی روٹی کی پریشانی ہو، بلکہ فقر کا مطلب محتاجگی ہے۔ آج وہ بے حیا معاشرہ اپنے ہر کام میں پوری طرح دوسری چیزوں کا محتاج بن چکا ہے، کہیں بجلی کی احتیاج ہے، کہیں گیس کی احتیاج ہے، کہیں ملازم کی احتیاج ہے، کہیں وسائل کی احتیاج ہے۔ الغرض انسان اپنی لذتوں کے پیچھے خود اپنی ہی ضرورتوں میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ عمر، وقت اور مال ودولت میں برکت ختم ہے۔ اور بہترین صلاحیتیں لغو اور فضول کاموں میں ضائع ہو رہی ہیں۔

پانچویں فصل

ہم جنسی کی لعنت

آج کا بے حیا معاشرہ شرم وحیا سے عاری ہو کر انسان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو رذیل جانوروں کی صف میں کھڑا کر چکا ہے۔ ہم جنسی یعنی مردوں کا مردوں سے اور عورتوں کا عورتوں سے خواہشات پوری کرنے کا عمل وہ منحوس اور بدترین جرم ہے جس کا دنیا میں سب سے پہلے قوم لوط نے ارتکاب کیا جس کی وجہ سے اس قوم کو دنیا ہی میں ایسا بھیانک عذاب دیا گیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، ان کی بستیوں کو اُلٹ کر انہیں پتھروں سے سنگسار کیا گیا اور جس جگہ یہ بستیاں الٹی گئیں، وہاں ''بحر مردار'' کے نام سے ایسی جھیل بن گئی، جس میں اب تک بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہتی۔ (معارف القرآن)

اس منحوس عمل کی شریعت میں نہایت سخت مذمت وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَخْوَفِ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ اَوْ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَمَلُ قَوْمِ لُوْطٍ۔

(شعب الایمان ۳۵۴/۴)

ان بدترین چیزوں میں جن کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ ہے قوم لوط کا عمل ہے۔

ایک روایت ہے کہ جب دو مرد ایسا کام کریں تو دونوں کو قتل کر دیا جائے یعنی ان پر زنا کی حد جاری کی جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کی سزا کے بارے میں فرمایا کہ اسے شہر کی سب سے اونچی عمارت سے گرا کر پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے۔

(شعب الایمان ۳۵۷/۴)

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے عرب کے بعض

قبائل میں ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کے ساتھ عورتوں کی طرح نکاح کیا جاتا ہے۔ (یعنی ہم جنسی کی جاتی ہے)

جب یہ خط حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے حضرات صحابہؓ کو جمع کیا اور مشورہ فرمایا کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا صرف ایک امت یعنی قوم لوط نے ارتکاب کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی سزا دی جو آپ جانتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ دیگر صحابہ کی رائے بھی اس سے متفق ہوگئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ نے مذکورہ شخص کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ (شعب الایمان ۴/۳۵۷)

حماد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو دو مرتبہ سنگسار کرنا مناسب ہوتا تو لواطت کرنے والے کو دو مرتبہ سنگسار کیا جاتا۔ (حوالہ بالا ۴/۳۵۷)

مشہور محدث محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ جانوروں میں سے بھی سوائے گدھے اور خنزیر کے کوئی جانور قوم لوط والا عمل نہیں کرتا۔ (تفسیر در منثور ۳/۱۸۷)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اگر یہ منحوس عمل کرنے والا شخص آسمان و زمین کے ہر قطرے سے بھی نہالے پھر بھی (باطنی طور پر) ناپاک ہی رہے گا۔ (شعب الایمان ۴/۳۵۹)

خوبصورت لڑکوں کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا موجب فتنہ ہے

ہم جنسی سے بچنے کے لیے وہ تمام دروازے بند کرنے ضروری ہیں جو اس منحوس عمل تک پہنچاتے ہیں، بے ریش نوعمر بچوں کے ساتھ اختلاط سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، بعض تابعین کا قول ہے کہ دیندار عبادت گزار نوجوانوں کے لیے پھاڑ کھانے والے درندے سے بھی بڑا دشمن اور نقصان دہ، وہ امرد لڑکا ہے جو اس کے پاس آتا جاتا ہے۔

حسن بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مالداروں کے بچوں کے ساتھ زیادہ اُٹھا بیٹھا نہ کرو، اس لیے کہ ان کی صورتیں عورتوں کی طرح ہوتی ہیں اور ان کا فتنہ کنواری عورتوں سے زیادہ سنگین ہے۔ (شعب الایمان ۴/۳۵۸) کیونکہ عورتیں تو کسی صورت میں حلال

ہو سکتی ہیں لیکن لڑکوں میں حلت کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوریؒ حمام میں داخل ہوئے تو ایک خوبصورت لڑکا بھی آگیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے باہر نکالو کیونکہ عورت کے ساتھ تو ایک شیطان ہوتا ہے اور لڑکوں کے ساتھ دس شیطان ہوتے ہیں۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۰)

اسی بنا پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ جب بچے سمجھ دار ہو جائیں تو ان سب کے بستر علیحدہ کر دینے چاہئیں تاکہ ابتداء ہی سے وہ بُری عادتوں سے محفوظ ہو جائیں نیز بچوں پر نظر رکھنی چاہیے کہ وہ زیادہ وقت بالخصوص تنہائی کے اوقات بڑے لوگوں کے ساتھ نہ گزاریں۔ اگر کئی بچے ایک کمرے رہتے ہوں تو ہر ایک کا بستر اور لحاف الگ ہونا چاہیے۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ صرف اپنی منکوحہ بیویوں اور مملوکہ باندیوں سے ہی شہوت پوری کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ قضاء شہوت کا کوئی بھی طریقہ شریعت میں ہرگز جائز نہیں ہے اور پردے وغیرہ کے، یا اجنبی عورتوں مردوں سے اختلاط کی ممانعت کے جو بھی احکام ہیں ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ معاشرہ سے غلط طریقہ پر قضاء شہوت کا رواج ختم ہو۔ جو شخص ان باتوں کو سامنے رکھ کر اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اور اپنی جوانی کو ان فواحش سے بچالے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اس کا بدلہ جنت کی صورت میں عطا فرمائے گا۔ انشاء اللہ۔

شرمگاہ کی حفاظت پر انعام

(۱) ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھ سے چھ باتوں کی ضمانت لے لے، میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چھ باتیں کیا ہیں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ وَإِذَا وَعَدَ أَنْجَزَ وَإِذَا ائْتُمِنَ أَدّٰى وَمَنْ غَضَّ بَصَرَهٗ، وَحَفِظَ فَرْجَهٗ وَكَفَّ يَدَهٗ لَوْقَالَ نَفْسَهٗ۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۵)

(۱) جو جب باتیں کرے تو سچ کہے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا کرے (۳) جب امانت لے تو ادا کرے (۴) جو اپنی نگاہ نیچی رکھے (۵) جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے (۶) اور جو اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو (دوسروں کو اذیت دینے سے) روکے رکھے۔

(۲) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَاشَبَابَ قُرَيْشٍ اِحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَلَا تَزْنُوْا اَلَا مَنْ حَفِظَ فَرْجَهٗ فَلَهُ الْجَنَّةُ (شعب الایمان ۴/۳۶۵)

اے قریش کے جوانو! اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھو اور زنا نہ کرو اچھی طرح سمجھ لو کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھ لے اس کے لیے جنت ہے۔

(۳) ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَافِتْيَانَ قُرَيْشٍ لَا تَزْنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ سَلِمَ اللّٰهُ لَهٗ شَبَابَهٗ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۵)

اے قریش کے جوانو! زنا نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کی جوانی کو محفوظ کردے وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَفِظَ مَابَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ (شعب الایمان ۴/۳۶۰)

جو شخص اس چیز کو محفوظ کرلے جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور اس چیز کو محفوظ کرے جو دو پیروں کے درمیان ہے (یعنی شرمگاہ) وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اسی طرح ایک روایت بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مذکورہ دو چیزوں کی مجھ سے ضمانت لے لے میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

(۵) ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات ایسے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جنہیں میدان محشر میں عرش خداوندی کے سائے میں بٹھا دیا جائے گا ان میں

سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ۔

(مسلم شریف ۱/۳۳۱)

ایسا شخص جسے کوئی عزت دار اور خوبصورت عورت بدکاری کے لیے بلائے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے۔

زنا سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دے سکتے ہیں؟ اس کی یہ جسارت دیکھ کر مجلس میں بیٹھے لوگ شور مچانے لگے اور کہنے لگے کہ اسے اٹھاؤ اسے اٹھاؤ (یہ کیا بک رہا ہے) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اسے بیٹھے رہنے دو اور مجھ سے قریب کرو۔ جب وہ قریب ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا یہ کام تم اپنی ماں کے ساتھ اچھا سمجھتے ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، میں آپ پر قربان ہو۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ نے پوچھا کہ اگر کوئی تمہاری بیٹی کے ساتھ ایسا کرے تو کیا تمہیں اچھا لگے گا؟ تو اس نے کہا ہرگز نہیں یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا: اسی طرح لوگ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اچھا نہیں سمجھتے۔ پھر آپ نے اس کی بہن، پھوپھی، اور خالہ وغیرہ کا ذکر کر کے اسی طرح سمجھایا تو اس کی سمجھ میں آگیا۔ اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا فرمایئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ۔

اے اللہ اس کے گناہ معاف فرما، اس کا دل پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

راوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اس کی نگاہ کسی بدعملی کی طرف اٹھتی ہی نہ تھی۔ (شعب الایمان ۴/۳۶۲)

اس واقعہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدکاری سے بچنے کی ایک ایسی عمدہ تدبیر امت کو بتلائی ہے کہ جو بھی برائی کرنے والا ایک لمحہ کے لیے بھی اس بارے میں سوچ لے تو وہ اپنے غلط ارادے سے باز آسکتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جس عورت سے بدکاری کا ارادہ ہوگا وہ کسی کی بہن، بیٹی یا ماں ضرور ہوگی اور جس طرح آدمی خود اپنی ماں بہنوں کے ساتھ یہ جرم گوارا نہیں کرتا اسے سوچنا چاہیے کہ دوسرے لوگ اسے کیونکر گوارہ کریں گے؟

یہ قرب قیامت کی علامت ہے

آج جو ہر طرف بے حیائیوں اور عریانیت کا سیلاب آرہا ہے۔ اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی اپنی امت کو آگاہ فرما چکے ہیں تاکہ امت ان فواحش سے بچنے کی فکر کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی یَتَسَافَدَ النَّاسُ فِی الطُّرُقِ کَمَا تَتَسَافَدُ الدَّوَابُّ یَسْتَغْنِی الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ وَالنِّسَاءُ بِالنِّسَاءِ۔ (کتاب الفتن للمروزی ۳۹۰)

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک لوگ جانوروں کی طرح راستوں میں (برسرِ عام) جماع کریں گے اور مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے اپنی خواہش پوری کریں گے۔

اور ایک دوسری موقوف روایت کا مضمون ہے:

تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ لَا یَأْمُرُوْنَ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا یَنْهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ یَتَهَارَجُوْنَ کَمَا تَهَارَجَ الْحُمُرُ۔ اَخَذَ رَجُلٌ بِیَدِ امْرَاَةٍ فَخَلَا بِهَا فَقَضٰی حَاجَتَهٗ مِنْهَا ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِمْ یَضْحَکُوْنَ اِلَیْهِ وَیَضْحَكُ اِلَیْهِمْ۔ (کتاب الفتن ۳۹۵)

قیامت ایسے بدترینِ خلائق لوگوں پر قائم ہوگی جو نہ تو اچھی بات کا حکم کرنے والے ہوں گے اور نہ برائی پر روک ٹوک کرنے والے ہونگے وہ گدھوں کی طرح (برسر عام) شہوت رانی کریں گے۔ ایک آدمی کسی عورت کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے گا اور اس سے قضائے شہوت کر کے پھر لوگوں کے سامنے لوٹے گا جبکہ وہ اسے دیکھ کر ہنستے ہوں

گے۔ اور یہ انہیں دیکھ کر ہنستا ہوگا۔

یعنی شرم وحیا کا بالکل جنازہ نکل جائے گا۔ زنا کاری موجب عار نہ رہے گی اور اس معاملہ میں انسان اور جانوروں میں تمیز ختم ہو جائے گی۔ آج یہ نبوی پیش گوئیاں حرف بحرف پوری ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ مغربی ممالک کا تو کہنا ہی کیا، مشرقی اقدار کے محافظ کہلائے جانے والے ممالک، یہاں تک کہ بعض مسلم ممالک میں بھی ایسے حیا سوز مناظر اب کثرت سے نظر آنے لگے ہیں۔ اب ڈسکو ڈانس کے نام پر، تہذیب وثقافت کے نام پر اور کھیل کود کے نام پر صنف نازک کا استحصال عام ہے۔ ٹیلی ویژن کے عالمی پروگرام جن تک رسائی اب کسی جگہ، کسی کے لیے بھی مشکل نہیں رہی ہے، خاص طور سے زنا کاری کی تعلیم وتبلیغ میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اب زنا کاری کے فروغ کے لیے باقاعدہ عالمی کانفرنسیں ہوتی ہیں، جن کی تمام تجاویز کا لب لباب صرف اور صرف یہی نکتہ ہوتا ہے کہ کیسے اور کس طرح مرد وعورت کے درمیان ناجائز تعلقات کی رکاوٹیں دور کی جائیں۔ زنا کاری کی ایک بڑی رکاوٹ شرم وحیا کا فطری انسانی جذبہ تھا، اس کو تو مغربی تہذیب نے بالکل مردہ کر ہی دیا تھا، دوسری بڑی رکاوٹ عورت کے لیے ناجائز بچہ کی ذلت ہے اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے آج مانع حمل اشیاء ہر جگہ عام کر دی گئیں۔ اور استقاط حمل کے انتظامات شہر در شہر کر دیے گئے تاکہ یہ شیطانیت اور بہیمیت بے خوف وخطر پروان چڑھے اور ذلت ورسوائی کے اندیشے سے بے پرواہ ہو کر جانوروں کی طرح انسان بھی شہوت رانی کرتے پھریں۔ اللهم احفظنا منه۔

ایسے پرخطر اور پرفتن ماحول میں ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ غیروں کی دیکھا دیکھی اپنی انسانیت اور شرم وحیا کو داؤ پر نہ لگائے۔ بلکہ اس کی بھرپور حفاظت کرے اور گھر کے افراد کی نقل وحرکت پر پوری نگاہ رکھے۔ اور شیطانیت کے مبلغ اعظم "ٹیلی ویژن" کے زہریلے جراثیم سے اپنے ایمانی ماحول کو گندا اور نجس نہ ہونے دے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کا جذبہ اور تقاضا ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہر مسلمان کو اپنی شرمگاہ کی کامل حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

باب سوم

دل کی حفاظت

- ☆ دل کی صفائی
- ☆ حرص وبخل کی مذمت
- ☆ جود وسخا
- ☆ بغض وعداوت
- ☆ تزکیہ کی ضرورت

پہلی فصل

دل کی حفاظت

پیٹ اور اس کے متعلقات کے حفاظت کے حکم سے "دل" کی حفاظت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے۔ "دل" انسانی جسم میں "بادشاہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ سارے اعضاء دل کے بے گاری خادم اور اس کے اطاعت گزار ہیں۔ لہٰذا اگر دل صحیح ہو تو سارے اعضاء سیدھے راستہ پر رہیں گے اور دل بگڑ جائے تو تمام اعضاء غلط راستے پر چل پڑیں گے۔ اسی بناء پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ۔ (بخاری شریف ۱/۱۳)

خبردار رہو، بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ درست ہے تو سارا بدن درست رہے گا اور اگر وہ خراب ہو جائے گا تو سارا بدن خراب ہو جائیگا خبردار! وہ (گوشت کا لوتھڑا) یہی دل ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ دل کو شریعت کے تابع بنایا جائے تا کہ دیگر اعضاء و جوارح غلط اور ناجائز امور کے ارتکاب سے محفوظ رہیں۔ قرآن کریم میں دل کی صفائی اور تزکیہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم ترین مقصد شمار کیا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ۔

(سورۃ الجمعۃ آیت: ۲)

وہی ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذمہ داری کو باحسن وجوہ پورا فرمایا اور اپنے جاں نثار صحابہ کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان کے قلوب مزکّٰی اور مجلّٰی ہو گئے کہ فرشتے بھی

ان پر رشک کرنے لگے اور انہیں اعمال خیر اور عبادات میں لذت وحلاوت کی ایسی عدیم المثال کیفیت نصیب ہوئی کہ آج امت کا بڑے سے بڑا قطب یا ولی بھی ادنیٰ سے ادنی درجہ کے صحابی کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحابہؓ کی یہ عظمت اوران کا یہ بلند مرتبہ ومقام دراصل ان کے دلوں کی صفائی ہی کا مظہر ہے۔اسی دل کی صفائی نے انہیں صدق واخلاص، کمال اخلاق اور ایثار ومواخات کا وہ اعلیٰ انسانی جذبہ عطا کیا ہے۔جس کی مثال انسانی تاریخ میں پیش نہیں کی جاسکتی۔

دل کے امراض

دل کے روحانی امراض بہت زیادہ ہیں جن کا اثر پوری انسانی زندگی پر پڑتا ہے۔ ان میں چند امراض نہایت خطرناک ہیں۔ان میں سے ہر ایک، صرف ایک مرض نہیں بلکہ سیکڑوں امراض کے وجود میں آنے کا سبب ہے۔اس لیے ہر وہ مومن جو اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کی صفت سے متصف ہونا چاہتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قلب کو بالخصوص درج ذیل بنیادی امراض سے محفوظ رکھے۔

(۱) دنیا کی محبت (۲) بغض وعداوت (۳) آخرت سے غفلت

واقعہ یہ ہے کہ اگر مذکورہ امراض سے دل کو پاک کرلیا جائے تو انشاء اللہ روحانی اعتبار سے قلب پوری طرح صحت یاب ہوگا۔اور پورا جسم انسانی اطاعت خداوندی کے جذبہ سے سرشار اور گناہوں سے محفوظ ہوجائے گا۔

دنیا کی محبت

دنیا کی محبت انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔(آل عمران:۱۴)

فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور

خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے، اور گھوڑے نشان لگائے اور مویشی اور کھیتی۔

اور یہ محبت ضروری بھی ہے۔ اس کے بغیر نظام کائنات برقرار نہیں رہ سکتا۔ لیکن اگر یہ محبت اتنی زیادہ بڑھ جائے کہ انسان اپنے مقصد تخلیق سے غافل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور بندوں کے حقوق کو پس پشت ڈال دے تو پھر یہ محبت خطرناک قلبی اور روحانی مرض میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسانی بدن کے لیے ''شوگر'' ایک خاص مقدار میں ہونی ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہی شوگر جب حد سے زیادہ پیدا ہونے لگتی ہے تو ایسے لاعلاج مرض میں تبدیل ہو جاتی ہے جو جسم کی رگوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ اور انسان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب دنیا کی محبت حد سے متجاوز ہو جاتی ہے تو وہ تمام گناہوں کی جڑ اور بنیاد بن جاتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کے مراسیل میں یہ جملہ مشہور ہے۔

حُبُّ الدُّنیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ۔ (فیض القدیر ۳/۳۴۸)

دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے۔

علامہ مناویؒ (شارح جامع صغیر للسیوطیؒ) لکھتے ہیں کہ تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ دنیا کی محبت ہی ہر برائی کی بنیاد بنی ہے۔ مثلاً پرانی سرکش قوموں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اسی لئے انکار کیا کہ وہ لذتوں میں مبتلا تھے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کرنے سے ان کی لذتوں اور شہوتوں کی تکمیل میں خلل آتا تھا۔ اس لیے وہ اپنے داعیوں کی مخالفت پر اتر آئے۔ اس طرح ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اسی لیے انکار کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود کو اپنی ریاست اور بڑائی میں رکاوٹ سمجھتا تھا، یہی معاملہ نمرود، فرعون، ہامان وغیرہ کا تھا کہ سب لوگ حب جاہ کے نشہ میں بدمست ہو کر انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن بن گئے۔ (فیض القدیر ۳/۳۴۹)

یہ دنیا کی محبت بڑے بڑے روحانی امراض کو جنم دیتی ہے۔ ان میں ایک بڑی بیماری ''حرص وطمع'' ہے۔

حرص

جب آدمی پر دنیا کی محبت کا نشہ چڑھتا ہے تو وہ حرص کا مریض بن جاتا ہے۔ یعنی اس کے پاس کتنا ہی مال و دولت جمع ہو جائے مگر پھر بھی وہ ''ہل من مزید'' کا طلبگار رہتا ہے اور دولت کی کوئی مقدار بھی اس کے لیے سکون اور قناعت کا باعث نہیں بن پاتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَوْ اَنَّ ابْنَ آدَمَ اُعْطِیَ وَادِیًا مُلِیًّ مِنْ ذَهَبٍ اَحَبَّ اِلَیْهِ ثَانِیًا وَلَوْ اُعْطِیَ ثَانِیًا اَحَبَّ اِلَیْهِ ثَالِثًا وَلَا یَسُدُّ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ (بخاری شریف ۲/۹۵۳)

اگر آدمی کو سونے سے بھری ہوئی ایک پوری وادی بھی دے دی جائے تو وہ دوسری وادی کا طلبگار رہوگا اور اگر دوسری دے دی جائے تو وہ تیسری کا طلبگار رہوگا۔ اور آدمی کا پیٹ تو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے (یعنی مرنے کے بعد ہی ان تمناؤں کا سلسلہ ختم ہوگا) اور جو توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یَکْبُرُ ابْنُ آدَمَ وَیَکْبُرُ مَعَهٗ اِثْنَانِ حُبُّ الْمَالِ وَطُوْلُ الْعُمُرِ۔ (بخاری شریف ۲/۹۵۰)

آدمی بڑا ہو جاتا ہے اور ساتھ میں اس کی دو خواہشیں بھی بڑھتی ہیں۔ ایک مال کی محبت دوسرے لمبی عمر کی تمنا۔

نیز ایک ضعیف حدیث میں مضمون ہے کہ ''دو شخصوں کی بھوک نہیں مٹتی ایک علم کا دھنی کہ اسے کسی علم پر قناعت نہیں ہوتی، دوسرے مال کا بھوکا کہ اسے کتنا ہی مل جائے مگر وہ زیادتی ہی کی فکر میں رہتا ہے۔'' (مشکوۃ شریف ۱/۱۱۲)

حریص شخص کو کبھی بھی قلبی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ مال کی مدہوشی میں اس کی راتوں میں نیندیں اڑ جاتی ہیں اور دن کا سکون جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ مال و دولت اصل مقصود نہیں بلکہ دلی اطمینان ہی اصل میں مطلوب ہے۔ یہ اگر تھوڑے سے مال کے ساتھ بھی

نصیب ہوتی ہو تو آدمی غنی ہے۔ اور اگر مال کی بہتات کے ساتھ دلی سکون میسر نہ ہو تو وہ غنی کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ۔ (بخاری شریف ۹۵۴/۲، مسلم شریف ۳۳۶/۱، ترمذی ۶۰/۲)

زیادہ اسباب اور سامان ہونے کا نام غنا نہیں ہے بلکہ اصل غنا دل کا غنی اور مطمئن ہونا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حرص کا روگ ایسا خطرناک ہے کہ انسانی زندگی کی روح ہی ختم کر دیتا ہے بلکہ خود انسانی اقدار کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس بیماری کا علاج ضروری ہے۔

حرص کا ایک مجرّب علاج

حرص کے مرض کو ختم کرنے کے لیے ان احادیث کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے جن میں دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ۔ (مسلم شریف عن ابی ہریرہؓ ۴۰۷/۲)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

یعنی مومن کو دنیا میں اس طرح رہنا چاہیے جیسے ایک قیدی قید خانے میں رہتا ہے کہ قید خانہ کی کوئی چیز اسے اچھی نہیں لگتی بلکہ وہ ہر قیمت پر قید سے باہر آنے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح مومن کو دنیا میں رہتے ہوئے یہاں کی چیزوں سے لو لگانے اور اس کی حرص و طمع کے بجائے آخرت میں جانے کا سامان اور اسباب فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ دُنْیَاهُ فَاٰثِرُوْا مَایَبْقٰی عَلٰی مَایَفْنٰی۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۴۱/۲)

جو اپنی دنیا سے لگاؤ رکھے گا وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا اور جو اپنی آخرت پسند کرے گا وہ اپنی دنیا گنوائے گا۔ لہٰذا فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں باقی رہنے والی آخرت کو ترجیح دو۔

دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں سمندر کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا عقل مندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس چند روزہ زندگی کے لیے حرص کر کے اپنی آخرت کو برباد نہ کیا جائے۔

اسی طرح حرص کو ختم کرنے کے لیے یہ یقین بھی بہت مفید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو رزق پہلے سے متعین کر دیا ہے وہ ہمیں بہر حال مل کر رہے گا۔ اور ہماری موت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ ہم اپنے لیے مقدر کے ہر ہر لقمے کو حاصل نہ کرلیں۔ متعدد احادیث میں اس سلسلہ میں مضامین وارد ہوئے ہیں۔

علاوہ ازیں حرص کو ختم کر کے قناعت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت پر تاثیر نسخہ تجویز فرمایا ہے جو درج ذیل ارشادِ گرامی میں موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِى الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْهُ۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۰)

جب تم میں سے کسی شخص کی نظر ایسے آدمی پر پڑے جسے مال یا صحت وتندرستی میں اس پر فضیلت حاصل ہو تو اس شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے سے نیچے درجے کے آدمی پر نظر کرے۔

یعنی عموماً مال میں حرص کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ آدمی ہمیشہ اوپر والوں کی طرف نظر کرتا ہے۔ مثلاً تین کروڑ والا ہے تو چار کروڑ والے پر نظر کرے گا۔ چار والا ہے تو پانچ والے پر نظر کرے گا اس طرح کسی بھی حد پر اسے قناعت نصیب نہیں ہوتی۔ لیکن اگر آدمی اپنے سے نیچے والوں کو دیکھنے لگے تو شکر کا جذبہ بھی عطا ہوتا ہے۔ اور حرص کا اصل سبب بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ اس مرض کا ہمارے دل سے خاتمہ ہو اور آخرت کے فوائد کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

دوسری فصل

بخل

دنیا کی محبت سے جو امراض پھیلتے ہیں ان میں ایک مہلک مرض ''بخل'' ہے جو انسان کو بہت سے اعمالِ خیر سے روکنے کا سبب بنتا ہے ایک حدیث میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صَلَاحُ اَوَّلِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِالزَّهَادَةِ وَالْيَقِيْنِ وَهَلَاكُهَا بِالْبُخْلِ وَالْاَمَلِ۔

(الطبرانی فی الاوسط ۳۱۶/۸)

اس امت کی سب سے پہلی صلاح کا سبب یقین اور زہد (کے اوصاف) تھے اور اس میں بگاڑ کی ابتداء بخل اور ہوس سے ہوگی۔

بخیل مال کی محبت میں ایسا مجبور ہو جاتا ہے کہ عقل کے تقاضے اور شرعی واضح حکم کے باوجود اسے خرچ کرنا بہت سخت ترین بوجھ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت کو درج ذیل حدیث میں اس طرح واضح فرمایا گیا:

مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اِنْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَاَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا۔ متفق علیہ۔ (مسلم شریف ۳۲۸/۱، مشکوٰۃ شریف ۱۶۴/۱)

کنجوس آدمی اور صدقہ خیرات کرنے والے آدمی کی مثال ایسے دو شخصوں کی طرح ہے جو لوہے کی دو زرہیں پہنے ہوئے ہوں جن کی (تنگی کی) وجہ سے ان کے دونوں ہاتھ ان کے سینے اور گردن سے چمٹ گئے ہوں۔ پس جب صدقہ دینے والا صدقہ دینا شروع کرتا ہے تو اس کی زرہ کھلتی چلی جاتی ہے (اور انبساط کے ساتھ اپنا ارادہ پورا کرتا ہے) اور جب بخیل کچھ صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو زرہ کے سب اجزاء مل جاتے ہیں اور ہر ہر جوڑ اپنی

جگہ پکڑ لیتا ہے (جس کی بنا پر بخیل کے لیے صدقہ کے ارادہ کو پورا کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے)

ضروری اور واجبی جگہوں پر خرچ کرنے میں بخل کرنا قرآن کریم میں کافروں اور منافقوں کا عمل بتایا گیا ہے۔ بالخصوص زکوٰۃ فرض ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہ نکالنا بدترین عذاب کا موجب ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ، هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (سورۃ التوبہ: ۳۴)

اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے۔ جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتلایا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

ایک عبرتناک واقعہ

دورِ نبویؐ میں ایک شخص ثعلبہ بن ابی حاطب[1] تھا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اس کے لیے مالی وسعت کی دعا فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا "اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم حق ادا نہ کر سکو" اس نے پھر وہی درخواست دہرائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تو اللہ کے نبی کی حالت کی طرح کی حالت اپنانے پر راضی نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ

---

[1] عام مفسرین نے اس کا نام ثعلبہ بن حاطب ذکر کیا ہے جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کا نام ابن مردویہ کے حوالے سے یہ ثابت کیا کہ یہ واقعہ ثعلبہ بن حاطب کا نہیں بلکہ ثعلبہ ابن ابی حاطب کا ہے۔ ثعلبہ بن حاطبؓ بدری صحابی ہیں۔ ان سے ایسے واقعہ کا صدور بعید ہے۔ اور ثعلبہ ابن ابی حاطب منافق ہے۔ وہ ابن اسحاق کی صراحت

میں میری جان ہے اگر میں چاہوں کہ سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں تو وہ چلنے پر تیار ہو جائیں (مگر مجھے یہ پسند نہیں) یہ سن کر ثعلبہ بولا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسولِ برحق بنا کر بھیجا ہے! اگر آپؐ نے اللہ سے دعا کر دی اور مجھے اللہ نے مال دے دیا تو میں ضرور ہر حق دار کو اس کا حق ادا کروں گا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْ ثَعْلَبَةَ مَالًا (اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما) چنانچہ ثعلبہ نے کچھ بکریاں پال لیں تو ان میں کیڑے مکوڑے کی طرح زیادتی ہوئی تا آنکہ مدینہ کی رہائش اس کے لیے تنگ پڑ گئی۔ چنانچہ وہ آبادی سے ہٹ کر قریب کی ایک وادی میں مقیم ہو گیا۔ اور صرف دن کی دو نمازیں ظہر اور عصر مسجد نبویؐ میں پڑھتا تھا۔ بقیہ نمازوں میں نہیں آتا تھا۔ پھر بکریاں اور زیادہ بڑھ گئیں کہ وہ وادی بھی تنگ پڑنے لگی تو وہ اور دور چلا گیا کہ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز کے لیے مدینہ آیا کرتا تھا۔ تا آنکہ یہ معمول بھی چھوٹ گیا۔ اب جو قافلے راستے سے گزرتے تھے ان سے مدینہ کے حالات معلوم کرنے ہی پر اکتفاء کرتا تھا۔ اسی دوران ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ "ثعلبہ کہاں ہے؟" تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے بکریاں پالی تھیں وہ اتنی بڑھیں کہ اس کے لیے مدینہ میں رہنا مشکل ہو گیا چنانچہ وہ دور چلا گیا ہے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: یَا وَیْحَ ثَعْلَبَةَ (ہائے ثعلبہ کی تباہی) پھر جب صدقات وصول کرنے کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ اور بنو سلیم کے دو آدمیوں کو ثعلبہ اور ایک سلمی شخص کا صدقہ وصول کرنے بھیجا وہ دونوں سفیر پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوۃ کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ وہ بولا: یہ تو جزیہ (ٹیکس) ہے۔ میں نہیں جانتا یہ کیا ہے؟ اور اب تم جاؤ دوسرے لوگوں سے نمٹ کر میرے پاس آنا۔ وہ دونوں اس کے بعد سلمی شخص کے پاس گئے۔ اس نے بطیب خاطر جو حق بنتا تھا وہ بہتر انداز میں عطا کیا پھر اور لوگوں سے صدقات وصول کر کے واپسی میں پھر وہ ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے اب بھی انہیں ٹیکس کہہ کر ٹال دیا اور کہا جاؤ میں سوچوں گا۔ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ابھی روداد سنائی بھی نہ تھی کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثعلبہ کے بارے میں یا ویح ثعلبة (ثعلبہ پر افسوس ہے) فرمایا اور سلمی شخص کے لیے برکت کی دعا فرمائی چونکہ ثعلبہ نے صدقہ سے انکار کر کے اپنے اس وعدہ اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی جو اس نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کیا تھا کہ میں مال کا حق ادا کروں گا۔ اس لیے اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ. فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ. اَلَمْ يَعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. (التوبہ، آیت: ۷۸)

اور بعضے ان میں سے وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہوں گے نیکی والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر۔ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ، کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔

جب یہ خبر ثعلبہ کو پہنچی تو وہ اپنا صدقہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اسے قبول کرنے کی درخواست کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرا صدقہ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے، تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈال کر اظہار افسوس کرنے لگا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تیرے عمل بد کی نحوست ہے، تو نے میری بات کیوں نہیں مانی؟ یہ سن کر وہ واپس چلا آیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنا مال پیش کیا مگر ان سب حضرات نے یہ کہہ کر اس کا مال لینے سے انکار کر دیا کہ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کیا تو ہم کیسے قبول کر سکتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ۶۲۲ طبع جدید دار السلام ریاض)

دیکھئے! مال کی محبت، حرص اور بخل نے اس شخص کو کیسا راندۂ درگاہ بنا دیا۔ اس لیے لازم ہے کہ جب کوئی شرعی مالی حق اپنے ذمہ میں واجب ہو جائے تو نہایت خوش دلی سے اسے ادا کیا جائے۔ اگر اس میں بخل ہوگا تو یہ اس کی دلیل ہوگی کہ اس کا دل ایک مہلک روحانی بیماری میں مبتلا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بخل کرنے والوں کے لیے بھیانک سزا

اس دور میں زکوٰۃ کو ایک بڑا بوجھ سمجھا جانے لگا ہے۔ اسراف اور فضول خرچی تو عام ہے۔ ایک ایک تقریب پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیئے جاتے ہیں لیکن حساب لگا کر زکوٰۃ نکالنا طبیعت کو بڑا شاق اور گراں گزرتا ہے۔ اسی بنا پر اگر کوئی مدرسہ کا سفیر یا مستحق فقیر کسی مالدار شخص کے دروازے پر پہنچ جائے تو اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں۔ موڈ خراب ہو جاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جلد سے جلد یہ سائل اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ کئی چکر کٹوانے کے بعد اگر کچھ زکوٰۃ کے نام پر دی رقم دی بھی جاتی ہے تو انداز ایسا ہوتا ہے گویا اس پر بڑا احسان کیا جا رہا ہو۔ یہ سب تنگ ظرفی اور آخرت سے غفلت کی علامتیں ہیں۔ اگر ایسے حضرات زکوٰۃ کے بارے میں شریعت کے تاکیدی احکام اور زکوٰۃ نہ دینے کے بارے میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی وعیدیں پیش نظر رکھیں۔ (اور بہت سے خوش نصیب حضرات اس کا خیال رکھتے بھی ہیں) تو وہ نہ زکوٰۃ دینے سے جی چرائیں گے اور نہ زکوٰۃ لینے والوں کو برا سمجھیں گے۔ اس وقت وعیدوں سے متعلق چند روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَایُؤَدِّیْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِیَ عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَیُکْوٰی بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِیْنُهٗ وَظَهْرُهٗ کُلَّمَا رُدَّتْ اُعِیْدَتْ لَهٗ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیَرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ۔(رواہ مسلم ۱/۳۱۸ مشکوٰۃ ۱/۱۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی سونے اور چاندی کا مالک اس کا حق ادا نہ کرے گا (یعنی زکوٰۃ نہ دے گا) مگر یہ کہ قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے پترے تیار کیے جائیں گے جنہیں جہنم کی آگ میں تپا کر اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا اور جب ایک پتر تپایا جائے گا تو اس کی جگہ دوبارہ لایا جائے گا ایسے دن میں جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال ہوگی (اور یہ عمل اس کے ساتھ برابر جاری رہے گا) تا آنکہ بندوں کے درمیان فیصلے کی کاروائی پوری ہو، پھر اسے معلوم ہوگا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم۔

یہ روایت طویل ہے کہ اس میں آگے یہ ذکر ہے کہ اگر وہ اپنے مملوکہ مویشیوں اونٹ، گائے یا بکری کی زکوٰۃ نہ نکالے گا تو یہ جانور بڑے سے بڑے ہونے کی حالت میں اپنے مالک کو اپنے سینگوں، پیروں اور کھروں سے روندڈالیں گے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

(۲)عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ یُؤَدِّ زَکٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِیْبَتَانِ یُطَوَّقُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ثُمَّ یَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَیْهِ یَعْنِیْ بِشِدْقَیْهِ ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا کَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا: وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ۔ الخ۔(رواہ البخاری ۱/۱۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ مال و دولت سے نوازے پھر وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ مال اس کے سامنے قیامت کے دن گنجے ناگ کی شکل میں لایا جائے گا۔ جس کی آنکھ کے اوپر دو

سیاہ نقطے ہوں گے (جو اس سانپ کے شدید زہریلے ہونے کی نشانی ہے) یہ سانپ اس مالدار کے گلے میں قیامت کے روز طوق بن جائے گا۔ پھر اس کا جباڑا پکڑ کر کہے گا: میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ۔ الخ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں، طوق بنا کر ڈالا جائے گا ان کے گلوں میں وہ مال، جس میں بخل کیا تھا، قیامت کے دن۔

(۳) عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْآخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔ (بخاری شریف ۱/۱۹۴ مسلم شریف مع النووی بیروت، حدیث ۱۰۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بھی دن جس میں اللہ کے بندے صبح کرتے ہیں ایسا نہیں گزرتا کہ اس میں آسمان سے دو فرشتے نازل نہ ہوتے ہوں۔ ان میں سے ایک یہ دعا کرتا ہے اے اللہ (نیک کام میں) خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے۔ اے اللہ کنجوسی کرنے والے کو مالی نقصان سے دوچار فرما۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالی حق ادا کرنے سے روگردانی خود مالی اعتبار سے بھی مفید نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وقتی طور پر جی خوش ہو جائے کہ ہم نے اتنا مال بچالیا۔ مگر فرشتے کی مقبول دعا کے اثر سے جب مال کی بربادی لازم آئے گی تو یہ ساری خوشی سیکنڈوں میں کافور ہو جائے گی۔ یاد رکھئے مال کی حفاظت اور ترقی زکوٰۃ وصدقات کے روکنے میں نہیں بلکہ اس کی ادائیگی میں ہے جیسا کہ حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ خرچ کرنے والے کے حق میں فرشتے تلافی کی دعا کرتے ہیں۔ اور تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ

حساب لگا کر دی جاتی ہے وہ مال آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے بھی واقعات ہیں کہ مال چوری ہو گیا۔ مگر پھر حیرت انگیز طریقے پر بلا کم وکاست دوبارہ دستیاب ہو گیا۔

ہمارے ایک کرم فرما دوست جو ماشاء اللہ پورے اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کی فرم سے کئی لاکھ روپے نقد چوری ہو گئے۔ بظاہر روپیہ ملنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ انہیں منٹوں میں کہیں سے کہیں بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔ لیکن دو چار روز کے اندر ہی ان کی پوری رقم بحفاظت برآمد ہو گئی۔ یہ زکوٰۃ نکالنے کی برکت نہیں تو اور کیا ہے؟

الغرض مالی حقوق کی انجام دہی میں بخل سے کام لینا ایک بدترین روحانی مرض ہے جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں ''سخی شخص لوگوں کا سردار بن گیا اور بخیل شخص ذلیل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے مال میں فقیروں کی روٹی مقرر کی ہے۔ کسی مالدار کی کنجوسی کے سبب ہی سے دنیا میں کوئی فقیر بھوکا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بارے میں مالداروں سے پوچھ گچھ کرے گا۔'' (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۶)

لہٰذا ہمیں اپنے اندر سے بخل اور کنجوسی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور سخاوت کی مبارک صفت سے متصف ہو کر دنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

تیسری فصل

جودوسخا

سخاوت اللہ تعالیٰ کی نہایت پسندیدہ صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔(سورۃ الحشر آیت:۹)

اور جو بچایا گیا اپنے جی کی لالچ (حرص وبخل) سے وہی لوگ ہیں مراد پانے والے۔

اور ایک روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خُلُقَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَخُلُقَانِ يُبْغِضُهُمَا اللّٰهُ، اَمَّا اللَّذَانِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ فَالسَّخَاءُ وَالسَّمَاحَةُ، وَاَمَّا اللَّذَانِ يُبْغِضَانِ فَسُوْءُ الْخُلُقِ وَالْبُخْلُ، فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اِسْتَعْمَلَهٗ عَلٰى قَضَاءِ حَوَائِجِ النَّاسِ۔(شعب الایمان ۷/۴۳۶)

دو عادتیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اسے دو عادتیں ناپسند ہیں جو دو عادتیں پسند ہیں وہ سخاوت اور خوش اخلاقی ہیں، اور ناپسندیدہ عادتیں بد خلقی اور کنجوسی ہیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے کام میں لگا دیتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ سے ایک مرسل روایت مروی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

اِنَّ بُدَلَاءَ اُمَّتِیْ لَمْ يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِكَثْرَةِ صَلٰوتِهِمْ وَلَا صِيَامِهِمْ وَلٰكِنْ دَخَلُوْهَا بِسَلَامَةِ صُدُوْرِهِمْ وَسَخَاوَةِ اَنْفُسِهِمْ۔(شعب الایمان ۷/۴۳۹)

میری امت کے ابدال (نیک لوگ) اپنی نماز روزہ کی زیادتی سے نہیں بلکہ اپنے دلوں کی صفائی اور صفت سخاوت کی وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''دنیا میں لوگوں کے سردار سخی لوگ ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار متقی لوگ ہیں۔'' (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۴)

اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے صفت سخاوت پر غور کیا تو اس کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے یہ خوش گمانی رکھی جائے کہ وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ. (اور جو کچھ خرچ کرتے ہو۔ وہ اس کا عوض دیتا ہے۔ اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا) اس کے برخلاف بخل اور کنجوسی کی اصل یہ معلوم ہوئی کہ اس کا مرتکب نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ سے یہ بدگمانی رکھتا ہے کہ وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے گا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا سرور کائنات فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں دیگر کمالات اور اوصاف حمیدہ سے سرفراز فرمایا تھا وہیں صفت سخاوت میں بھی آپ اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ حضرات صحابہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ جود و سخا والے تھے اور رمضان المبارک میں تو تیز رفتار ہوا کی طرح آپ سے صفت سخاوت کا ظہور ہوتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں فرمایا۔ (بخاری شریف ۸۹۲/۲، مکارم الاخلاق ۲۴۴) آپ کی سخاوت مبارکہ کا کچھ اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

اپنی چادر سائل کو دے دی

(۱) حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے اور اسے میں آپ کی خدمت میں لائی ہوں تاکہ آپ اسے زیب تن فرمالیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

بہت شوق سے وہ چادر قبول فرمائی۔ پھر اسی چادر کو ازار کی جگہ پہن کر مجمع میں تشریف لائے۔ اسی وقت ایک صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے درخواست کی کہ حضرت یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں، یہ تو بہت عمدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہت اچھا۔ پھر کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے اور دوسرا ازار بدل کر وہ چادر سوال کرنے والے کو بھجوادی یہ ماجرا دیکھ کر صحابہ کرام نے ان صحابیؓ پر نکیر کی کہ جب تمہیں معلوم تھا کہ پیغمبر علیہ السلام کسی سائل کو رد نہیں فرماتے تو تم نے یہ چادر مانگ کر اچھا نہیں کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ''میں نے تو اپنے کفن میں استعمال کرنے کے لیے یہ درخواست پیش کی تھی۔'' حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا، تو آپ کو اسی چادر میں کفن دیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (بخاری شریف ۱/۱۷۰، ۲/۳۸۱، ۲/۸۶۴، مکارم الاخلاق ص ۲۴۵)

دیہاتیوں کی بے ادبیوں کا تحمل

(۲) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین سے واپسی کے وقت دیہاتی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا شروع کیا اور آپ کو گھیر لیا۔ تا آنکہ آپ ایک بڑے درخت کے نیچے پہنچ گئے اور آپ کی چادر مبارک بھی اس میں الجھ گئی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیہاتیوں سے فرمایا کہ لاؤ میری چادر واپس کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر ان کنکریوں کی تعداد کے برابر بھی اونٹ ہوں گے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر ڈالوں گا اور تم مجھے جھوٹا، بزدل یا بخیل نہ پاؤ گے۔ (مکارم الاخلاق ۲۴۶)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ مسجد کے دروازہ

سے ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تشریف لائے اچانک پیچھے سے ایک دیہاتی نے آپ کی چادر مبارک کے کونے کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچنا شروع کیا تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دیہاتی کے سینے کے قریب ہو گئے۔ پھر دیہاتی آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ "اے محمد! آپ کے پاس جو مال ہے اس میں سے مجھے عطا کرنے کا حکم دیجئے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا آئے اور اسے کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۴۷)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے پاس آ کر گفتگو فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ تشریف لائے، گفتگو فرمائی۔ پھر آپ اُٹھ کر حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جانے لگے۔ آپ نے ایک سخت کنارے والی چادر زیب تن فرما رکھی تھی۔ اسی دوران ایک دیہاتی شخص نے آپ کی چادر پکڑ کر اس زور سے کھینچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک چادر سے رگڑ کر سرخ ہو گئی۔ پھر کہنے لگا کہ اے محمد! یہ میرے دو اونٹ ہیں ان میں سے ایک پر کھجور اور ایک میں جو لادنے کا حکم دیجئے۔ اس لیے کہ آپ اپنے یا اپنے والد کے مال سے نہ دیں گے (بلکہ بیت المال سے دیں گے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تم ساتھ کی گئی حرکت کا فدیہ نہ دو گے میں تمہیں کچھ نہ دوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جب دیہاتی کا یہ گستاخانہ عمل دیکھا تو ہم اسے سزا دینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو فرمایا کہ خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اُٹھے۔ چنانچہ ہم ایسے رک گئے گویا ہمیں رسیوں سے باندھ دیا گیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جاؤ اس دیہاتی کو ایک اونٹ پر کھجور اور ایک پر جو بھروا دو۔ اور اس نے جو ہمارے ساتھ کیا وہ ہم معاف کرتے ہیں۔ (مکارم الاخلاق ۲۴۸)

سائل کے لیے قرض لینا

(۵) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن تم میری ذمہ داری پر کوئی چیز خرید لو جب میرے پاس وسعت ہوگی تو میں ادا کر دوں گا۔ یہ جواب سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے اس شخص کو یہ موقع دے دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی نہیں لگی۔ پھر ایک انصاری حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ تو خرچ کیے جایئے اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ مت کیجئے۔ انصاری کی بات سن کر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا اُٹھے۔ اور آپ کے چہرہ انور پر بشاشت پھیل گئی۔ اور فرمایا کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ (مکارم الاخلاق ۲۵۴)

ایک کوڑے کے بدلے اسی بکریاں

(۶) عبداللہ بن ابی بکر کہتے ہیں کہ ایک صحابی جو غزوہ حنین میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھے۔انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنی اونٹنی پر سوار تھا اور میرے پیر میں ایک سخت جوتا تھا میری اونٹنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب چل رہی تھی کہ اچانک بھیڑ کی وجہ سے اتنی قریب پہنچ گئی کہ میرے جوتے کا کنارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی میں لگ گیا جس سے آپ ؐ کو تکلیف ہوئی، تو آپ ؐ نے پیر پر کوڑا مارا، فرمایا کہ تم نے مجھے تکلیف پہنچائی پیچھے ہو جاؤ وہ صحابی فرماتے ہیں۔پھر میں چلا گیا۔اگلے دن معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تلاش کروا رہے ہیں، تو میرے دل میں احساس ہوا کہ شاید آپ کے پیر کو تکلیف پہنچانے کا قصہ ہے چنانچہ میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے جوتے سے میرے پیر کو تکلیف پہنچائی تھی، جس کی وجہ سے میں نے تمہارے قدم پر کوڑا مارا تھا اب میں نے تمہیں اس کا بدلہ دینے کے لیے بلایا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ایک کوڑے کی ضرب کے بدلے اسی بکریاں عنایت فرمائیں۔(مکارم الاخلاق ۲۶۲)

بے حساب بکریاں عطا کیں

(۷) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے اور جب بھی آپ سے کوئی چیز مانگی گئی تو آپ ؐ نے منع نہیں فرمایا۔ایک مرتبہ ایک شخص مانگنے کے لیے آیا، تو آپ نے اس کو اتنی بکریاں دینے کا حکم فرمایا جو دو پہاڑوں کے درمیان سما جائیں تو اس شخص نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ اے لوگو! اسلام لے آؤ۔اس لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بخشش عطا فرماتے ہیں کہ جس کے بعد کسی فقر و فاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا۔(مسلم شریف ۲/۲۵۳، الترغیب والترہیب للیافعی ص ۸۷)

حضرات صحابہ کرام وغیرہم کی سخاوت کے چند واقعات

حضرت ابوبکرؓ کی سخاوت

(۱) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کچھ مانگنے حاضر ہوا تو آپ نے مجھے منع کر دیا، پھر حاضر ہوا پھر منع کر دیا تو میں نے عرض کیا کہ یا تو آپ مجھے عطا فرمائیں یا میں سمجھوں گا کہ آپ مجھ پر بخل کر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ بخل سے بری کون سی بیماری ہو سکتی ہے، بات یہ ہے کہ جب تم مجھ سے مانگنے آئے تو میں نے تمہیں ایک ہزار دینے کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے مجھے تین ہزار گن کر عنایت فرمائے۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۶۴)

(۲) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا اس وقت میرے پاس مال تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا آج تو میں حضرت ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا۔ چنانچہ میں آدھا مال لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ عمر! گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ میں نے عرض کیا۔ آدھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اپنا کل مال لے کر حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے اپنے گھر والوں کے لیے صرف اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہہ دیا کہ اب آئندہ میں آپ سے سبقت لے جانے کا مقابلہ نہیں کروں گا۔

(الترغیب والترہیب للیافعی ص ۸۷)

(۳) حضرت ابوبکرؓ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ یہ ساری رقم اللہ کے راستے میں خرچ کر دی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ص ۸۷) اور بہت سے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔ (مکارم الاخلاق)

(۴) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی کے مال نے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابو بکرؓ کے مال نے نفع پہنچایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رونے لگے اور عرض کیا کہ میں اور میرا مال تو صرف آپ ہی کے لیے ہے۔ اے اللہ کے رسول! (اسد الغابہ ۳/۲۲۲)

حضرت عمرؓ کی سخاوت

(۵) محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی رشتہ دار نے ان سے سوال کیا۔ آپ نے اسے ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ پر لوگوں میں تبصرہ ہوا۔ اور حضرت عمرؓ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص کو کیوں نکال دیا گیا؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ شخص اللہ کے مال کے بارے میں سوال کرنے آیا تھا۔ اس میں سے اگر اسے دیتا تو پھر اللہ کے دربار میں قیامت کے دن خیانت کرنے والے حاکم کی صورت میں پیش ہو کر میں کیا معذرت کرتا۔ اگر اس شخص کو مانگنا تھا تو میرے ذاتی مال کا سوال کرتا۔ پھر آپ نے اسے دس ہزار درہم بھجوائے۔ (مکارم الاخلاق ۲۶۶)

حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت

(۶) غزوہ تبوک کے موقع پر سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مثالی قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے ۳۰۰ اُونٹ مع ساز و سامان صدقہ فرمائے۔ اور پھر ایک ہزار اشرفیاں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انہیں آپ کی گود میں ڈال دیا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ اشرفیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ "مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا فَعَلَ بَعْدَ هٰذَا" (آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرتے رہیں۔ ان کا کچھ نہ بگڑے گا) مطلب یہ ہے کہ اس صدقہ کی قبولیت کی برکت سے انہیں کامل خیر کی توفیق نصیب ہوگی۔ (مکارم الاخلاق ۲۶۶)

(۷) ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں قحط سالی ہوئی۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کے علاقہ سے سواونٹ غلہ منگایا۔ جب غلہ سے بھرے اونٹ مدینے پہنچے تو شہر کے تاجر حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اے امیر المومنین! جتنے درہم میں آپ نے یہ غلہ شام سے خریدا ہے، اسی کے برابر نفع دے کر ہم یہ غلہ خریدنے کو تیار ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ قیمت لگ چکی ہے تو تاجروں نے کہا کہ اچھا دوگنے نفع پر دے دیجئے۔ حضرت نے پھر جواب دیا کہ اس سے بھی زیادہ کا بھاؤ لگ چکا ہے۔ تاجر بھی نفع بڑھاتے رہے تا آنکہ پانچ گنے تک نفع پر آگئے اور حضرت عثمانؓ پھر بھی تیار نہ ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ اس کی زیادہ قیمت لگ چکی ہے۔ یہ سن کر تاجروں نے کہا کہ آخر کس نے آپ سے زیادہ قیمت لگادی۔ مدینہ کے تاجر تو ہم ہی ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دس گنا عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تو کیا تم لوگ اتنا یا اس سے زیادہ دینے پر راضی ہو۔ تاجروں نے انکار کردیا۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارا غلہ مدینہ کے فقراء اور مساکین پر صدقہ ہے۔ اور وہ غلہ سب محتاجوں میں تقسیم فرمادیا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۷)

حضرت علیؓ کی سخاوت

(۸) [illegible] کہتے ہیں کہ اگرچہ انتقال کے وقت تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تک پہنچ گئی تھی لیکن شہادت کے دن آپ پر ستر ہزار درہم قرض تھے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آخر اتنا زیادہ قرض آپ پر کیسے ہوگیا تو جواب ملا کہ بات یہ ہے تھی کہ آپ کے وہ دوست احباب اور رشتہ دار جن کا مال غنیمت میں باقاعدہ حصہ مقرر نہیں تھا آپ کے پاس آکر سوال کرتے تو آپ انہیں مرحمت فرماتے جاتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت [illegible]للہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی جائیداد وغیرہ بیچ کر قرض ادا کیا اور ہر سال حضرت علیؓ کی طرف سے سو غلام آزاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت حسنؓ کے بعد سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سنت کو زندہ رکھے رہے یہاں تک کہ شہید ہوگئے

پھر بعد میں یہ سنت جاری نہ رہ سکی۔ (مکارم الاخلاق،۱۷۰)

حضرت طلحہؓ کی سخاوت

(۹) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ اپنی زمین حضرت عثمان کے ہاتھ سات لاکھ درہم میں بیچی۔ جب یہ رقم آپ کے پاس آئی تو آپ کو خیال ہوا کہ اگر یہ مال رات بھر رکھا رہا اور اسی دوران موت آگئی تو کیا ہوگا۔ لہٰذا اسے اپنے خدام کے ذریعہ مدینہ کے فقراء اور مساکین اور بیوہ عورتوں کو رات بھر تقسیم کراتے رہے تا آنکہ صبح ہوتے ہوتے ان میں سے ایک درہم بھی باقی نہ بچا۔ (الترغیب والترہیب ۸۸)

(۱۰) زیاد بن جریر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے ایک ہی مجلس میں ایک لاکھ درہم تقسیم فرما دیئے۔ جب کہ آپ کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ اپنی چادر کا کنارہ خود ہی سی لیا کرتے تھے۔ (الترغیب والترہیب ۸۹)

حضرت عائشہؓ کی سخاوت

(۱۱) ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں دو تھیلیوں میں بھر کر اسی ہزار درہم روانہ فرمائے۔ حضرت عائشہؓ اس دن روزہ سے تھیں۔ مگر صبح سے طبق میں دراہم رکھ کر فقراء اور محتاجین کو تقسیم کرنے تشریف فرما ہوئیں اور شام تک ساری رقم تقسیم فرما دی۔ ایک درہم بھی باقی نہ رہا۔ شام کو خادمہ افطار کے لیے حسب معمول روٹی اور تیل لائی اور عرض کیا کہ اماں جان! اگر آپ اس مال میں سے ایک درہم بچا کر اس کا گوشت منگا لیتیں تو آج اسی سے افطار کر لیا جاتا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اگر تم پہلے سے یاد دلا دیتیں تو میں تمہاری خواہش پوری کر دیتی۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۸)

حضرت سعید بن زیدؓ کی سخاوت

(۱۲) حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر اللہ کے

واسطے سوال کیا۔ تو حضرت سعیدؓ نے اپنے غلام سے کہا کہ اسے پانچ سو دے دو، غلام نے پوچھا کہ حضرت! دینار دوں یا درہم! حضرت سعیدؓ نے فرمایا کہ میرا ارادہ تو اصل میں درہم ہی دینے کا تھا۔ مگر جب تم نے سائل کے سامنے دینار کا ذکر کر دیا تو اب پانچ سو دینار ہی دے دو۔ یہ سن کر سائل رونے لگا حضرت سعیدؓ نے پوچھا کیوں روتے ہو؟ تو اس نے عرض کیا کہ میرے آقا! میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ جیسے فضل و کرم والے لوگوں کو زمین اپنے اندر کیسے سموئے گی۔ (الترغیب والترہیب ۸۹)

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت

(۱۳) شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس سوال کرنے آیا۔ اس وقت ان کی باندی ان کے سامنے کسی خدمت میں لگی تھی۔ حضرت عبداللہ نے اس سائل سے کہا کہ اس باندی کو پکڑ کر لے جاؤ۔ یہ تمہاری ہے۔ یہ سن کر باندی بولی، میرے آقا آپ نے تو مجھے مار ڈالا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا، یہ کیسے؟ باندی نے کہا آپ نے مجھے ایسے شخص کو ہبہ کر دیا جس کی تنگدستی نے اسے سوال کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ باندی کی بات سن کر عبداللہ بن جعفرؓ نے اس سائل سے فرمایا کہ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ باندی میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس شخص نے کہا بہت اچھا۔ جس قیمت پر آپ چاہیں اسے لے لیں، تو حضرتؓ نے فرمایا، میں نے اسے سو اشرفی میں خریدا تھا اب تم مجھے دو سو اشرفی میں دے دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے وہ باندی واپس لے لی اور سائل کو دو سو اشرفی دے کر فرمایا جب یہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔ یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھ کر باندی نے عرض کیا۔ آقائے من! میری وجہ سے آپ کو بوجھ اٹھانا پڑا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ تیری عزت میرے نزدیک تیرے اوپر خرچ کیے گئے مال سے زیادہ ہے۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۷۳)

(۱۴) حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنے پڑوس کے چالیس خاندانوں پر خرچ کیا کرتے تھے اور عیدین کے موقع پر ان کے لیے کپڑے وغیرہ بنا کر بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک بستی پر ہوا۔ گرمی سے بچنے کے لیے آپؓ ایک کھجور کے باغ میں ایک درخت کے سائے

میں آرام فرما ہوئے اسی دوران آپ نے دیکھا کہ ایک حبشی غلام باغ کی نگرانی پر مامور ہے۔ اس کے لیے دوپہر کا کھانا لایا گیا جس میں روٹی کے چند ٹکڑے تھے۔ جب اس غلام نے کھانے کا ارادہ کیا، تو وہاں ایک کتا آ پہنچا۔ اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کے سامنے پھینک دیا۔ جب وہ کھا چکا تو دوسرا اور تیسرا ٹکڑا بھی پھینک دیا۔ عبداللہ بن جعفرؓ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے۔ آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ روزانہ تمہارے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہی روٹی کے تین ٹکڑے آجاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے پوچھا پھر تم نے اپنے مقابلے میں کتے کو کیوں ترجیح دی؟ تو اس غلام نے جواب دیا، بات یہ ہے کہ یہ علاقہ کتوں کا نہیں ہے۔ یہ کتا بہت دور سے چل کر میرے پاس آیا ہے۔ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ یہ بیچارہ محروم واپس جائے۔ حضرت عبداللہؓ نے پوچھا، پھر اب تم دن بھر کیا کرو گے؟ غلام نے جواب دیا اب میں اگلے دن تک بھوکا رہوں گا۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے سخاوت پر ملامت کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ غلام تو مجھ سے بھی بڑا سخی ہے۔ پھر غلام سے پوچھا کہ اس باغ کا مالک کون ہے؟ اس نے بتایا کہ مدینہ منورہ میں رہنے والے فلاں شخص ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفرؓ جب مدینہ تشریف لائے تو اس باغ کے مالک سے پورا باغ غلام سمیت خرید لیا اور پھر غلام کو بلا کر فرمایا کہ تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔ اور یہ باغ تیری ملکیت ہے۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۹۰)

(۱۵) عبداللہ بن جعفرؓ کے صاحبزادہ معاویہ سے پوچھا گیا کہ یہ بتلایئے کہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کی سخاوت کہاں تک پہنچی ہوئی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اپنے مال میں سب لوگوں کو برابر کا شریک سمجھتے تھے، جو بھی سائل آتا اسے بھرپور عطا فرماتے۔ یہ نہ سوچتے کہ انہیں خود ضرورت ہے اس لیے دینے میں کمی کریں۔ اور نہ یہ خیال کرتے تھے کہ وہ بعد میں محتاج ہو جائیں گے اس لیے ذخیرہ کر کے رکھیں۔ (شعب الایمان ۳/۴۳۷)

سیدنا حضرت حسینؓ کی سخاوت

(۱۶) ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں بیس یا تیس اونٹ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوا

تا کہ لوگوں سے کھجوروں کا سوال کروں، تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمرو بن عثمان اور حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے اپنے باغوں میں ہیں اس لیے ان سے جا کر مانگو۔ چنانچہ سب سے پہلے میں حضرت عمرو بن عثمانؓ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے دو اونٹ بھر کر کھجوریں عطا فرمائیں۔ پھر کسی شخص نے مجھے مشورہ دیا کہ تم حضرت حسینؓ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ میں ان کے باغیچے میں پہنچا۔ میں انہیں پہچانتا نہیں تھا۔ دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر بیٹھا ہے اور اس کے ارد گرد غلام بیٹھے ہیں۔ درمیان میں اک بڑا پیالہ ہے جس میں موٹی روٹی اور گوشت ہے اور وہ سب مل کر کھا رہے ہیں۔ میں نے جا کر سلام کیا اور دل میں سوچا کہ یہ آدمی تو شاید کچھ بھی نہ دے سکے۔ بہر حال حضرت حسینؓ نے مجھے بلایا اور اپنے ساتھ کھلایا۔ پھر پانی کی ایک چھوٹی نہر کی طرف گئے اور پانی پیا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ میں اپنے کچھ اونٹ لے کر یہاں حاضر ہوا ہوں۔ میرا ارادہ آپ حضرات سے کھجوریں لے کر انہیں بھر کر لے جانے کا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ جاؤ۔ اپنے اونٹ لے آؤ۔ چنانچہ میں لے کر حاضر ہوا، تو فرمایا کہ اس کوٹھری میں چلے جاؤ اس میں کھجوریں رکھی ہوئی ہیں۔ جتنا بھر سکو، بھر لو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی ساری اونٹنیاں بھر لیں اور پھر چلا آیا۔ اور دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ ہے سخاوت۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۷۵)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی سخاوت

(۱۷) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ تشریف لائے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مہمان ہوئے۔ آپ نے اپنا مکان حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے لیے خالی فرما دیا۔ اور کہا کہ جس طرح آپ نے (ہجرت کے موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا اب میں بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا۔ پھر پوچھا کہ آپ پر کتنا قرض ہے؟ حضرت ایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ بیس ہزار، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ۴۰ ہزار عطا فرمائے اور ساتھ ہی بیس غلام دے کر

فرمایا کہ گھر میں جو سامان ہے وہ بھی آپ ہی کی ملک ہے۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۷۹)

خانوادۂ نبوت کی سخاوت کا نمونہ

(۱۸) حمید بن بلال کہتے ہیں کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے دو آدمیوں میں بحث چھڑ گئی۔ ایک نے کہا کہ میرا خاندان زیادہ سخی ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ ہمارا خاندان زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔ بالآخر یہ بات طے ہوئی کہ اپنے اپنے خاندان والوں سے چندہ کا تجربہ کر کے فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ دونوں شخص اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ اموی شخص نے اپنی قوم کے دس آدمیوں سے صرف ایک لاکھ روپے جمع کیے جب کہ ہاشمی شخص اولاً عبیداللہ بن عباسؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے ایک لاکھ درہم عنایت کیے۔ پھر سیدنا حضرت حسنؓ کے پاس گیا انہوں نے ایک لاکھ تیس ہزار درہم دیئے پھر حضرت حسینؓ کے پاس آیا ۔انہوں نے بھی ایک لاکھ تیس ہزار دیئے۔ اس طرح صرف تین حضرات سے تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم جمع ہو گئے۔ چنانچہ ہاشمی اپنے دعویٰ میں اموی پر غالب آ گیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ یہ مال جن سے لیا ہے انہیں لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ اموی شخص اپنا مال لے کر مالکان کے پاس گیا اور پوری صورت واقعہ بتا کر مال واپس کر دیا اور ان سب نے قبول بھی کر لیا اور ہاشمی شخص جب مال لوٹانے گیا تو ان حضرات نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ (مکارم الاخلاق ۲۸۰)

حضرت لیث بن سعدؒ کی سخاوت

(۱۹) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بڑے مالدار تھے۔ ان کی سالانہ آمدنی اسی ہزار اشرفی تھی لیکن کبھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ وہ اپنا سب مال فقراء، دوست، احباب اور رشتہ داروں پر خرچ کر دیتے تھے اور سال کے ختم پر ان کے پاس بقدر نصاب مال باقی نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے پاس ایک عورت شیشہ کے پیالہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر بیمار ہے۔ اسے شہد کی ضرورت ہے۔ اس پیالہ میں شہد عطا فرما دیں۔ آپ نے اسے شہد کا پورا برتن دینے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس نے تو صرف ایک

پیالہ مانگا تھا آپ نے پورا برتن دے دیا، تو آپ نے جواب دیا کہ اس نے اپنے اعتبار سے مانگا اور ہم نے اپنے اعتبار سے دیا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۸۹)

قتیبہ فرماتے ہیں کہ لیث بن سعد روزانہ متعدد مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے۔ نیز امام مالکؒ، ابن لہیعہ اور دیگر علماء کو ہدایا بھیجتے تھے۔ (شعب الایمان ۷/۴۴۹)

حضرت عبداللہ ابن عامرؒ کی سخاوت

(۴۰) عبداللہ بن عامرؒ نے خالد بن عقبہ سے ایک گھر ۷۰ یا ۸۰ ہزار درہم میں خریدا۔ جب رات ہوئی تو محسوس ہوا کہ خالد کے گھر والے رو رہے ہیں۔ عبداللہ بن عامر نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ خالد کے گھر والے اپنے گھر کے فروخت ہونے پر غم کر رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتے ہی عبداللہ بن عامرؒ نے اسی وقت اپنے غلام کو بھیجا کہ جاؤ ان گھر والوں سے کہہ دو کہ پوری رقم اور گھر سب تمہاری ملکیت ہے۔ (شعب الایمان ۷/۴۴۸)

اسی طرح کا واقعہ الترغیب والترہیب للیافعی ۹۰ پر بھی ہے۔

صلحاء امت کے یہ چند واقعات ہمارے لیے عبرت آموز اور نصیحت انگیز ہونے چاہئیں۔ ہمیں جائزہ لینا چاہیے کہ ہمارے دل میں اپنے مال سے کیسا شدید لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اور دوسروں کے مفاد کے مقابلہ میں ہمیں اپنا مفاد کتنا عزیز ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا تقاضا اور اپنے دل کو روحانی امراض سے بچانے کا مقتضی یہی ہے کہ ہم اپنے مالوں میں حتی الوسع دوسروں کا بھی حق متعین کریں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔ (مسند احمد ۴/۱۹۷، الترغیب والترہیب للیافعی، ص ۹۰)

یعنی اچھا مال نیک آدمی کے لیے بہترین مددگار ہے۔ وہ اس کو صحیح جگہ خرچ کر کے اپنے لیے آخرت میں بہت اونچے درجات حاصل کر سکتا ہے۔

چوتھی فصل

مہمان نوازی

جودوسخا کی صفت کا سب سے زیادہ مظاہرہ ضیافت اور مہمان نوازی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اسی بناء پر شریعت میں مہمان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔ (بخاری ۲/۸۸۹ عن ابی ہریرہؓ)

جسے اللہ اور آخرت پر یقین ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کس عمل کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ان کی کھانا کھلانے کی صفت کی وجہ سے انہیں مقام خُلّت پر فائز کیا گیا۔ (الترغیب والترہیب للیافعی ۹۴)

حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اتنے بڑے مہمان نواز تھے کہ ان کا لقب ہی ابوالضیفان (مہمانوں کے باپ) پڑ گیا تھا۔ آپ کے دولت خانے پر چار دروازے تھے تاکہ کسی اجنبی شخص کو آنے میں دشواری نہ ہو۔ اور حضرت عطا فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کی تلاش میں بسا اوقات ایک ایک دو دو میل چلے جاتے تھے کہ انہیں ساتھ بٹھا کر دوپہر یا رات کا کھانا کھلائیں۔ (الترغیب والترہیب ۹۴)

حضرت مجاہد آیت قرآنی هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معمول تھا کہ وہ مہمانوں کی خدمت خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ نیز ان کے ساتھ نہایت بشاشت اور خوش روئی سے پیش آتے تھے۔ (حوالہ بالا)

آنحضرتؐ اور حضرات صحابہؓ کی مہمان نوازی

ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے مہمان نواز تھے۔ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو گویا آپ کے مستقل مہمان تھے ہی۔ ویسے بھی مدینہ میں جو وفود آتے وہ سب آپ کے مہمان رہتے تھے۔ کبھی متعدد مہمان آجاتے تو آپ اپنے گھروں میں معلوم کراتے جہاں سے بھی کھانے کا نظم ہو جاتا مہمان کو پیش کیا جاتا۔ اور اگر ازواج مطہرات میں سے کسی گھر میں بھی انتظام نہ ہو پاتا تو آپ ان مہمانوں کو اپنے جاں نثار صحابہ میں تقسیم فرمادیتے۔ اور جس صحابی کو بھی یہ سعادت ملتی وہ اس کا حتی الامکان پوری بشاشت اور خوش دلی سے حق ادا کرتا۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص آپ کے یہاں مہمان ہوا۔ آپؐ نے ازواج مطہرات کے گھروں میں کھانے کو معلوم کرایا تو اتفاق سے کسی کے یہاں انتظام نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں موجود صحابہ سے فرمایا کہ میرے اس مہمان کی کون میزبانی کرے گا؟ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔ چنانچہ اس مہمان کو لے کر حضرت ابوطلحہؓ گھر پہنچے اور اپنی پاک طینت اہلیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کھانے کا کیا انتظام ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بس ہمارے اور بچوں کے بقدر انتظام ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سُلا دو اور جب دستر خوان بچھاؤ تو چراغ بجھا دینا اور مہمان کے ساتھ میں بیٹھ جاؤں گا اور یہ احساس دلاؤں گا کہ میں بھی کھا رہا ہوں تا کہ مہمان کو ناگواری نہ ہو۔ چنانچہ اہلیہ نے ایسا ہی کیا۔ اپنا سارا کھانا ان دونوں نے مہمان کو کھلا دیا اور خود حالانکہ دن میں روزے سے تھے، بھوکے ہی سو گئے۔ صبح جب نماز فجر میں حضرت ابوطلحہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے دیکھتے ہی فرمایا: ابوطلحہؓ رات تمہارا اپنے مہمان کے ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کو بڑا پسند آیا اور اس نے تم دونوں میاں بیوی کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

وَيُؤْثِرُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (الحشر آیت: ۹)

اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

(بخاری ۱/۵۳۵ وغیرہ عن ابی ہریرۃؓ)

یہ ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ حضرات صحابہؓ کا عام معمول اکرام ضیف کا تھا۔ جس کی تفصیلات صحابہؓ کی سیرت میں موجود ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مہمان کے ساتھ معاملہ

رجاء بن حیوۃ نے ایک مرتبہ خلیفہ عادل امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبدالعزیز سے کہا کہ میں نے تمہارے والد محترم سے زیادہ کامل عقل والا شخص نہیں دیکھا۔ ایک رات میں ان کا مہمان ہوا۔ ابھی ہم گفتگو کر رہے تھے کہ چراغ بجھ گیا۔ ہمارے قریب ایک خادم سو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس خادم کو جگا دیجئے۔ وہ چراغ جلا لائے گا۔ تو حضرت نے فرمایا نہیں وہ سو گیا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اچھا تو میں جا کر اس کو درست کرا لاؤں، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے مہمان سے خدمت لینا شرافت اور مروت کے خلاف ہے۔ پھر آپ خود اٹھے اور چراغ کی بتی درست کی اور اس میں تیل ڈال کر جلا کر لائے۔ پھر فرمایا کہ میں جب گیا تھا تو بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور آیا تو بھی عمر بن عبدالعزیز ہی رہا۔ یعنی اس چراغ جلانے سے میری حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ (شعب الایمان ۷/۱۰۲)

معلوم ہوا کہ مہمان کسی بھی درجہ کا ہو اس کا اکرام یہ ہے کہ میزبان اس سے کوئی کام نہ لے بلکہ ہر ممکن طریقہ پر اسے راحت پہنچانے کی کوشش کرے۔

ابن عون فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت حسن بصریؒ اور حضرت محمد بن سیرینؒ کے دولت خانہ پر قیام کا اتفاق ہوا تو یہ دونوں حضرات خود کھڑے ہو کر میرے لیے بستر بچھواتے تھے۔ اور حضرت حسن بصریؒ کو تو میں نے اپنے دستِ مبارک سے بستر جھاڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ (شعب الایمان ۷/۱۰۲)

مہمان کے حقوق

مہمان کے حقوق کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے چند جامع باتیں ارشاد فرمائیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ مہمان کے حقوق درج ذیل ہیں۔

(۱) آمد کے وقت بشاشت ظاہر کرنا اور جانے کے وقت کم از کم دروازہ تک مشایعت کرنا۔

(۲) اس کے معمولات وضروریات کا انتظام کرنا جس سے اس کو راحت پہنچے۔

(۳) تواضع وتکریم ومدارات کے ساتھ پیش آنا، بلکہ اپنے ہاتھ سے ان کی خدمت کرنا۔

(۴) کم از کم ایک روز اس کے لیے کھانے میں کسی قدر متوسط درجہ کا تکلف کرنا مگر اتنا ہی کہ جس میں نہ اپنے کو تردد ہو نہ اس کو حجاب ہو اور کم از کم تین روز تک اس کی مہمان داری کرنا۔ اتنا تو اس کا حق ضروری ہے۔ اس کے بعد جس قدر وہ ٹھہرے میزبان کی طرف سے احسان ہے۔ مگر خود مہمان ہی کو مناسب ہے کہ اس کو تنگ نہ کرے۔ نہ زیادہ ٹھہر کر نہ بیجا فرمائش کر کے۔ نہ اس کی تجویزِ طعام ونشست وخدمت میں دخل دے۔ (رسالہ حقوق الاسلام ودر اصلاحی نصاب ۴۳۸)

یہ آداب احادیث سے ثابت ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس کا ایمان اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ہو تو وہ اپنے مہمان کا اکرام جائزہ (انعام) سے کرے۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ جائزہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک دن رات (کا پر تکلف اہتمام) اور مہمانی تین دن ہے۔ اور جو اس سے زیادہ کھلائے گا وہ اس پر صدقہ شمار ہوگا۔ اور کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کے یہاں اتنے دن ٹھہرے کہ اسے گنہگار کر دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یہ گنہگار کرنے کا کیا مطلب؟ آپؐ نے فرمایا یعنی مہمان ٹھہرا رہے اور میزبان کے پاس کھلانے کو کچھ نہ ہو (جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یا تو وہ بد اخلاقی پر مجبور ہوگا یا اسے کھلانے کیلئے سخت کلفت اور مشقت جھیلنی ہوگی)۔ (مسلم شریف بحوالہ

شعب الایمان ۷/۹۰)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مہمان کی مدارات اگرچہ میزبان کی اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے لیکن مہمان کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے طرز عمل سے میزبان کو اذیت میں مبتلا نہ کرے۔

مہمان کی ذمہ داری

آج کل جہاں مہمان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی عام ہے، وہیں مہمان کی طرف سے میزبان کی راحت و سہولت کے لیے جو ذمہ داری ادا ہونی چاہیے۔ اس میں بھی بہت زیادہ لاپرواہی برتی جارہی ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ میزبان کو اپنی آمد کی اطلاع پیشگی دے دی جائے۔ اور اگر کسی وجہ سے پروگرام ملتوی ہو جائے تو اس کی بھی اطلاع ضرور دی جائے۔

۲۔ اگر پہلے سے اطلاع نہ ہو تو کوشش کی جائے کہ بے وقت (مثلاً عین طعام یا آرام کے وقت) میزبان کے یہاں نہ پہنچا ہو (الا یہ کہ یہ یقین کامل ہو کہ میزبان اس وقت اچانک آنے سے ناگواری محسوس نہ کرے گا)

۳۔ اگر میزبان کے یہاں کھانا کھانے کا ارادہ نہ ہو تو جاتے ہی اس کو مطلع کردیں تاکہ وہ کھانے کے انتظام میں نہ لگے۔

۴۔ اگر کم مرچ یا پرہیزی کھانے کا معمول ہو تو پہلے سے یا جاتے ہی میزبان کو مطلع کردیں، کیونکہ کھانا آجانے کے بعد اس کے اظہار سے میزبان کو تکلیف ہوگی۔

۵۔ مہمان کو چاہیے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کی دعوت قبول نہ کرے۔

۶۔ اور اگر اپنے کسی کام سے کسی جگہ جانا ہو تو میزبان کو بتا کر جائے تاکہ میزبان کھانے کے وقت پریشان نہ ہو۔

۷۔ بہتر ہے کہ اپنے واپسی کے پروگرام سے میزبان کو مطلع کردے۔ تاکہ میزبان کی معروفیات میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو۔

۸۔ میزبان اپنی وسعت کے مطابق جو چیز بھی ضیافت میں بروقت پیش کرے مہمان کو چاہیے کہ اسے خوش دلی سے قبول کرے۔ اس پر چیں بہ جبیں نہ ہو اور نہ میزبان سے فرمائشیں کرے (الا یہ کہ میزبان بے تکلف اور اس کے حالات اس کی اجازت دیں تو بات الگ ہے)

اس طرح کے آداب کا منشا اصل میں یہ ہے کہ جس طرح میزبان پر مہمانی کی راحت رسانی کی ذمہ داری ہے اسی طرح مہمان پر بھی لازم ہے کہ وہ میزبان کی راحت کا خیال کرے اور اس کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ رات میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے ملاقات کے لیے تھانہ بھون پہنچے۔ دیر ہونے کی وجہ سے خانقاہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت مدنی نے یہ سوچ کر کہ اس وقت دروازہ کھلنے کا قانون نہیں ہے اور دستک دینے سے حضرت تھانویؒ کے آرام میں خلل ہوگا۔ اس لیے آپ نے حضرت تھانویؒ کے دولت کدہ کے سامنے اپنا بستر بچھالیا اور رات بھر وہیں قیام فرمایا۔ صبح جب حسب معمول حضرت تھانویؒ باہر تشریف لائے تو ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ باہر رات گزارنے پر حضرت تھانویؒ نے بھی افسوس کا اظہار فرمایا۔ الخ

اسی طرح خواتین جب کسی جگہ جائیں تو اس کا خیال رکھیں کہ ان کی وجہ سے میزبان گھرانہ کے مردوں کو تکلیف نہ ہو۔ آج کل رہائشی مکانات تنگ ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دیگر عورتیں گھر میں ملنے آجاتی ہیں اور ان کی گفتگو اتنی طویل ہو جاتی ہے کہ گھر کے مردوں کو باہر وقت گزارنا پڑتا ہے۔ جو سخت کلفت کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی عین دوپہر میں آرام کے وقت دوسرے کے گھر پہنچ جاتی ہیں جس سے سارے گھر والے پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ اگرچہ اپنی شرافت یا حسن اخلاق کی وجہ سے

زبان سے کچھ نہیں کہتے لیکن ایسے موقع پر آدمی کو خود اپنے بارے میں سوچنا چاہیے کہ اگر ہمارے ساتھ بھی ایسا معاملہ ہو تو ہمیں کیسا لگے گا؟

الغرض ایک دوسرے کی راحت رسانی کا جذبہ ہر وقت ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیے۔ایمان کا تقاضا یہی ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان حقوق کی ادائیگی کی کامل توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

پانچویں فصل

بغض وعداوت

دل کو جن بدترین امراض سے بچانا ضروری ہے ان میں ایک بڑا مرض کسی سے کینہ اور بغض رکھنا ہے۔ یہ ایسا مرض ہے جس کا ضرر مسلسل جاری رہتا ہے اور دینی و دنیاوی ہر اعتبار سے اس کے مفاسد سامنے آتے رہتے ہیں۔ دنیوی مفاسد تو ظاہر ہیں کہ اس بغض و عداوت کی وجہ سے معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اور دینی مفاسد یہ ہیں کہ جب کسی سے بغض ہوتا ہے تو پھر اس پر الزامات لگائے جاتے ہیں، غیبتیں کی جاتی ہیں، سازشیں رچائی جاتی ہیں، گویا کہ ایک مرض نہ جانے کتنے امراض کا سبب بن جاتا ہے۔
اور پھر سب سے بڑی نحوست یہ کہ اس کی بناء پر بارگاہ خداوندی میں دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

تُعْرَضُ أَعْمَالُ النَّاسِ فِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اتْرُكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيئَا۔ (عن ابی ہریرہؓ، کنز العمال ۱۸۷/۳)

ہر ہفتہ میں دو بار پیر اور جمعرات کے دن (اللہ کے دربار میں) لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہر ایمان والے شخص کی مغفرت فرماتا ہے۔ سوائے ایسے آدمی کے جس کی دوسرے سے دشمنی اور بغض ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی چھوڑ دو تا آنکہ یہ دونوں صلح کرلیں۔

اور بعض روایات میں ہے کہ شعبان کی پندرھویں شب کو مغفرت کی جاتی ہے مگر کینہ پرور کی اس رات میں بھی مغفرت نہیں ہوتی۔ (کنز العمال ۱۸۶/۳)

اس لیے شریعت اسلامیہ نے بغض وعداوت کے تقاضوں پر عمل کرنے سے نہایت سختی سے منع کیا ہے۔

بول چال بند کرنا

مثلاً آج جہاں کسی سے کوئی ناگواری کی بات ہوئی بول چال بند کر دی جاتی ہے۔ خوشی اور غمی میں شرکت سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی جاتی ہے۔ حتی کہ اگر کہیں دونوں کا سامنا بھی ہو جائے تو ہر ایک منہ موڑ کر الگ راستہ اپنا لیتا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ أن یَّهْجُرَ أخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ هٰذَا وَیُعْرِضُ هٰذَا، وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَءُ بِالسَّلَامِ۔ متفق علیه (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۷)

کسی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ بول چال قصداً بند کرے دونوں اس حال میں ملیں کہ ہر ایک دوسرے سے اعراض کرتا ہو، ان میں بہتر وہ شخص ہے جو سلام سے ابتداء کرے۔

حدیث میں تین دن کی قید اس لیے لگائی کہ اگر طبعی تقاضے کی بناء پر ناگواری ہو جائے تو اس کا اثر تین دن پورے ہونے پر جاتا رہتا ہے۔ اب اگر آگے قصداً بول چال بند ہو رہی ہے تو یہ طبعی تقاضے کا اثر نہیں بلکہ دل کے کینے اور بغض کا اثر ہے جس کو مٹانے کی ضرورت ہے غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نزاع کے دوران فریقین میں بات چیت بند ہونا نزاع کو بڑھانے میں سب سے مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر بات چیت کا سلسلہ قائم ہو تو کتنی بدگمانیاں تو محض گفتگو سے ختم ہو جاتی ہیں۔ اور بات چیت قائم نہ ہو تو جھگڑے کی خلیج برابر بڑھتی چلی جاتی ہے اور دونوں طرف سے کھل کر حقوق کی پامالی کی جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں نزاع کے بھی اسباب کو سرے سے ختم کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

إِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا۔ متفق علیه (مشکوۃ شریف ۲/۴۲۷)

بدگمانی سے بچتے رہو۔ اس لیے کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ اور کسی کی ٹوہ میں مت رہو اور نہ جاسوسی کرو اور نہ بھاؤ بڑھاؤ اور نہ آپس میں حسد کرو اور نہ بغض کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کرو۔ اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

اور ایک روایت میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ۔ (الترغیب والترھیب ۳/۳۰۶)

جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے ایک سال بول چال بند رکھی اس نے گویا اس کا خون بہادیا۔

بسا اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ دو آدمیوں میں ناچاقی ہوتی ہے اور ان میں ایک صلح کرنا چاہتا ہے، دوسرا صلح پر آمادہ نہیں ہوتا تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ صلح پر آمادہ کیوں نہیں ہو رہا ہے اگر اس کا کوئی حق بنتا ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے تو اس کا حق ادا کیا جائے اور اگر وہ خواہ مخواہ صلح سے انکار کرتا ہے تو لڑائی اور نزاع کا گناہ صلح چاہنے والے پر نہ ہوگا بلکہ صرف اسی شخص پر ہوگا جو صلح سے انکار کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے:

لَاتَحِلُّ الْهِجْرَةُ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَاِنِ الْتَقَيَا فَسَلَّمَ اَحَدُهُمَا فَرَدَّ الْآخَرُ اِشْتَرَكَا فِي الْاَجْرِ وَاِنْ لَمْ يَرُدَّ بَرِئَ هٰذَا مِنَ الْاِثْمِ وَبَاءَ بِهِ الْآخَرُ۔ (رواہ الطبرانی، الترغیب والترھیب ۳/۳۰۵)

تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنا جائز نہیں ہے پھر اگر دونوں کی ملاقات ہو اور ایک نے سلام کیا تو اگر دوسرا جواب دے دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو جائیں گے اور اگر دوسرا جواب نہ دے تو یہ (سلام کرنے والا) گناہ سے بری ہو جائے گا اور دوسرا (جواب نہ دینے والا) گنہگار رہے گا۔

حاصل یہ ہے کہ ہر مؤمن کو دوسرے کی طرف سے دل صاف رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی بات ناگواری کی پیش آجائے تو جلد از جلد اسے رفع دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بارے میں کوتاہی اور لاپرواہی سے بڑے مفاسد جنم لیتے ہیں۔ اور بعد

میں ان کا سدباب بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

بغض کے بعض مفاسد

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بغض وعداوت کی وجہ سے آٹھ خرابیاں اکثر سامنے آتی ہیں:

۱۔ حسد: یعنی تمنا ہوتی ہے کہ دوسرے کے پاس سے نعمت جاتی رہے اور اس کو نعمت ملنے پر دل میں کڑھتا ہے اور اس کی مصیبت پر خوش ہوتا ہے۔ یہ منافقین کی خصلت ہے اور دین کا ستیاناس کرنے والی صفت ہے۔

۲۔ شماتت: یعنی دوسرے کی مصیبت پر دل ہی دل میں خوب خوشی محسوس کرے۔

۳۔ ترک تعلقات: کہ دلی کینہ کی وجہ سے بول چال، آنا جانا سب بند کر دیتا ہے۔

۴۔ دوسرے کو حقیر سمجھنا: عموماً کینہ کی وجہ سے دوسرے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے۔

۵۔ زبان درازی: جب کسی سے بغض ہوتا ہے تو اس کے بارے میں غیبت، چغلی، بہتان طرازی الغرض کسی بھی برائی سے احتراز نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ مذاق اڑانا: یعنی کینہ کی وجہ سے دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے اور بے عزتی کرتا ہے۔

۷۔ مار پیٹ: یعنی کبھی کبھی کینہ کی وجہ سے آدمی مار پیٹ پر بھی اتر آتا ہے۔

۸۔ سابقہ تعلقات میں کمی: یعنی اگر کچھ اور نہ بھی ہو تو بغض کا ایک ادنیٰ اثر یہ تو ہوتا ہی ہے کہ اس بغض سے پہلے جو تعلقات اور بشاشت رہی ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔ (مذاق العارفین ۳/۱۹۹)

بغض کا سبب

علماء نفسیات کے نزدیک کینہ اور عداوت کی ابتداء غصہ سے ہوتی ہے۔ یعنی جب آدمی کسی وجہ سے غصہ کے تقاضے پر عمل نہیں کر پاتا تو یہی غصہ کینہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی بڑے آدمی کی طرف سے کوئی خلاف طبع بات سامنے آئی، تو اس پر غصہ بہت آتا ہے لیکن اس آدمی کی بڑائی کی وجہ سے آدمی اس سے انتقام نہیں لے پاتا تو یہی بات

اس سے بغض و کینہ کا سبب بن جاتی ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ بغض کے اس سبب کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔اولاً تو کوشش کریں کہ غصہ ہی نہ آئے۔اسی لیے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نصیحت کے طالب بعض صحابہؓ کو یہی ایک نصیحت فرمائی کہ وہ غصہ نہ ہوا کریں۔(الترغیب والترہیب ۳/۲۹۹)

کیونکہ یہ ساری خرابیوں کی جڑ ہے اور غصہ کا سب سے بڑا سبب تکبر اور خودنمائی ہے۔جو شخص تکبر سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی وہ غصہ سے بھی پاک ہوگا۔آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں اکثر غصہ اسی لیے آتا ہے کہ اس نے ہماری عزت پامال کردی ہے۔اس نے بھری مجلس میں ہماری رائے کے خلاف رائے دی۔اس نے ہمارے مشورہ کو قبول نہیں کیا۔اس نے ہمارے مقام اور مرتبہ کا خیال نہیں رکھا وغیرہ وغیرہ۔اور اگر آدمی متواضع ہوجائے تو یہ سب جھمیلے خود بخود ختم ہوجائیں گے اور کیفیت یہ ہوجائے گی کہ کسی لعن طعن کرنے والے کی ہرزہ سرائی پر بھی نفس میں کچھ حرکت نہ پیدا ہوگی۔اور جب غصہ نہیں آئے گا بغض کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

اگر غصہ آجائے تو کیا کریں؟

لیکن غصہ ایک طبعی چیز بھی ہے۔لہٰذا اگر غصہ کسی بات پر آہی جائے تو حکم یہ ہے کہ اس کے تقاضے پر عمل کرنے کے بجائے پہلی فرصت میں اسے دفع کرنے کی کوشش کریں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جس کا غصہ جلدی جاتا رہا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الْغَضَبَ جَمْرَةٌ تَتَوَقَّدُ فِي جَوْفِ ابْنِ آدَمَ أَلَمْ تَرَوْا إِلَى حُمْرَةِ عَيْنَيْهِ وَانْتِفَاخِ أَوْدَاجِهِ فَإِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَلْيَلْزَقْ بِالْأَرْضِ، أَلَا إِنَّ خَيْرَ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ بَطِيءَ الْغَضَبِ سَرِيعَ الْفَيْءِ وَشَرَّ الرِّجَالِ مَنْ كَانَ بَطِيءَ الْفَيْءِ سَرِيعَ الْغَضَبِ فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ سَرِيعَ الْغَضَبِ سَرِيعَ الْفَيْءِ فَإِنَّهَا بِهَا وَإِذَا كَانَ بَطِيءَ الْغَضَبِ بَطِيءَ الْفَيْءِ فَإِنَّهَا بِهَا۔الخ.(رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۶/۳۰۱)

غصہ ایک انگارہ ہے جو آدمی کے اندر دہکتا ہے کیا تم (غصہ کرنے والے کی) آنکھ کی سرخی اور اس کی رگوں کا پھولنا نہیں دیکھتے۔ لہٰذا تم میں سے جب کوئی غصہ محسوس کرے تو زمین سے چمٹ جائے۔ اچھی طرح یاد رکھو! سب سے اچھا آدمی وہ ہے جسے غصہ دیر سے آئے اور جلدی اتر جائے اور سب سے بدتر آدمی وہ ہے جسے غصہ جلدی آئے اور دیر سے اترے۔ اور اگر ایسا آدمی ہو جسے غصہ جلدی آکر جلدی اتر جائے تو اس کا معاملہ برابر سرابر ہے اور اگر دیر سے آکر دیر میں جائے تو بھی برابر سرابر ہے۔ الخ۔

نیز دیگر احادیث میں غصہ کے دفعیہ کے طریقے بتائے گئے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اعوذ باللہ پڑھیں: ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سخت غضبناک دیکھا تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر وہ پڑھ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے۔" پھر پوچھنے پر فرمایا۔ وہ کلمہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ ہے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۰۲)

(۲) وضو کریں: ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غصہ شیطان کے اثر سے ہوتا ہے شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لیا کرے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۰۴)

(۳) بیٹھ جائیں یا لیٹ جائیں: ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھنے سے بھی غصہ نہ جائے تو لیٹ جائے۔ (الترغیب والترہیب ۳/۳۰۴)

علاوہ ازیں جب کسی شخص پر غصہ آئے تو بہتر ہے کہ اس کے سامنے سے ہٹ جائے۔ بالخصوص گھر والوں سے یا بیوی سے غصہ ہو تو سامنے سے ہٹ کر کمرے میں چلا جائے، یا گھر سے باہر آجائے، اس لیے کہ اگر وہیں کھڑا رہے گا تو بات آگے بھی بڑھ سکتی ہے۔ آج کل اکثر طلاق کے واقعات اسی لیے پیش آتے ہیں کہ غصہ آنے کے بعد اس کے دفعیہ کی کوشش نہیں کی جاتی، اور جب شیطان غصہ کے ذریعے اپنا کام پورا کر دیتا ہے تو

افسوس کرتے ہیں اور مفتیوں کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور جو قابو کرنے کا موقع ہوتا ہے اسے غصہ کے جوش میں برباد کردیتے ہیں۔ اللّٰھم احفظنا منہ۔

سب سے بڑا پہلوان

ذاتی معاملات میں غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے سے روک جانا بڑی فضیلت اور سعادت کی بات ہے۔ قرآن کریم میں اللہ کے مقبول بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ۔ (اور جو غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) اور ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم سب سے بڑا پہلوان کسے سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم اسے سب سے بڑا پہلوان سمجھتے ہیں جس کو کشتی میں کوئی پچھاڑ نہ سکے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ بِذَالِكَ وَلٰكِنَّهُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (مسلم شریف ۳۲۶/۲)

وہ پہلوان نہیں ہے، بلکہ اصل طاقتور وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

غصہ پینے کا اجر و ثواب

ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُوْرٍ شَاءَ۔ (شعب الایمان ۳۱۳/۶)

جو شخص باوجود غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے کی قدرت کے، غصہ کو پی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اختیار دے گا کہ جنت کی جس حور کو چاہے پسند کرلے۔

اور ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا جَرَعَ عَبْدٌ جَرْعَةً اَعْظَمَ اَجْرًا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ جَرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا اِبْتِغَاءَ

وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (شعب الایمان ۶/۳۱۴)

اللہ کے نزدیک اجر وثواب کے اعتبار سے سب سے زیادہ عظمت والا گھونٹ وہ غصہ کا گھونٹ ہے جسے محض رضا خداوندی کی نیت سے انسان پی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ غصہ کو پی جانا اور مخاطب کو معاف کر دینا اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ اعمال میں سے تین اعمال ہیں (۱) قدرت کے باوجود معاف کر دینا (۲) تیزی اور شدت کے وقت غصہ کو قابو میں رکھنا۔ (۳) اور اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی اختیار کرنا۔

(شعب الایمان ۶/۳۱۸)

حضرت زین العابدینؒ کا واقعہ

خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ کو ایک مرتبہ ان کی باندی وضو کرا رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ کر اس طرح گرا کہ حضرت کے چہرہ پر کچھ زخم لگ گیا۔ ابھی آپ نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا ہی تھا کہ باندی بولی وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ، حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنا غصہ پی لیا۔ پھر اس باندی نے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، تو حضرت نے فرمایا کہ جا تجھے میں نے معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ بھی تجھے معاف فرمائے پھر باندی نے آیت کا آخری حصہ پڑھا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، یہ سن کر حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جا تو آزاد ہے۔

(شعب الایمان ۶/۳۱۷)

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر ہمیں اپنے خدام کے ساتھ طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ کسی خادم یا ملازم سے بلا ارادہ بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو نہ صرف یہ کہ اس کو بروقت سخت سزا سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بلکہ مدت دراز تک اسے بات بات پر طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ یہ چیز انسانیت اور مروت کے خلاف ہے۔ ایمان کا تقاضا

یہ ہے کہ ایسے مواقع پر جذبۂ انتقام کے بجائے عفوودرگزر سے کام لینا چاہیے، اور دنیا کے نقصان پر آخرت کے ثواب کا امیدوار رہنا چاہیے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کا متمنی ہو کہ آخرت میں اس کے لیے بلند و بالا محل بنایا جائے اور اس کے درجات اونچے کیے جائیں تو اسے چاہیے کہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کردے اور اپنے محروم کرنے والے کو عطا کرے اور تعلق توڑنے والے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۶ آیت/۱۳۴)

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ تین خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں گی وہ اپنے کو مکمل کرنے والا ہوگا۔ (۱) وہ شخص کہ جب اسے غصہ آئے تو اس کا غصہ اسے دائرہ حق سے نہ نکالے۔ (۲) جب وہ کسی سے راضی ہو تو یہ رضامندی ناحق کی طرف نہ لے جائے۔ (۳) جب اسے اپنا حق وصول کرنے پر قدرت ملے تو اپنے حق سے زیادہ وصول کرنے سے باز رہے۔ (شعب الایمان ج ۶/ ۳۲۰)

بہر حال قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ کی ہدایات کے بموجب اپنے ذاتی معاملات میں حتی الامکان غصہ کے تقاضے پر عمل کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اس کے خلاف کرنے سے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ بالخصوص میاں بیوی کے تنازعات میں طلاق تک کی نوبت آجاتی ہے اور پھر بعد میں حسرت و افسوس کچھ کام نہیں دیتا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ شروع ہی میں سمجھداری سے کام لیا جائے۔

غصہ کہاں پسندیدہ ہے

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ غصہ کہیں بھی مشروع اور پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ وضاحت پیشِ نظر رکھنی ضروری ہے کہ غصہ ضبط کرنے کا حکم وہیں ہے جہاں معاملہ محض اپنی ذات تک محدود ہو۔ اس کے برخلاف کسی دینی یا شرعی معاملہ میں یا عام مسلمانوں کے نقصان کے معاملے میں غصہ کا اظہار عین تقاضائے ایمان ہے۔ جب

شریعت کے کسی حکم کو پامال کیا جائے، سنت کی بے حرمتی کی جائے۔ اسلام کے ساتھ استہزاء اور مذاق کیا جائے یا مسلمانوں کے شعائر اور ان کے مفادات پر ضرب لگائی جائے تو ایسے مواقع پر غصہ نہ آنا اور مرعوبیت اختیار کرتے ہوئے مصلحت کوشی سے کام لینا ایمانی تقاضے کے خلاف ہے۔ اس وقت غصہ آنا ہی باعثِ اجر و ثواب اور قابلِ تعریف ہے۔ کیونکہ یہ غصہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں آرہا ہے۔ بلکہ ایمان کی محبت میں آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخلاق مقدسہ کے متعلق حضرت ہند ابن ابی ہالہؓ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صفت بیان کی گئی ہے کہ:

وَلَا يُقَامُ لِغَضَبِهٖ إِذَا تَعَرَّضَ لِلْحَقِّ بِشَيْءٍ حَتّٰى يَنْتَصِرَ لَهٗ وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا۔ (شمائل الرسول، ابن کثیر ۵۹)

اور جب کسی امر حق کی کوئی مخالفت ہوتی تو اس وقت آپ کے غصہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا تا آنکہ آپ حق کو غالب نہ فرما دیتے اور آپ اپنی ذات کے لیے نہ تو غصہ ہوتے اور نہ انتقام لیتے تھے۔

چنانچہ ذخیرۂ احادیث میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں کہ آپ نے حکم شریعت کی خلاف ورزی یا دینی معاملہ میں لاپرواہی پر سخت غصہ کا اظہار فرمایا۔ ایک مرتبہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک کلمہ گو کو منافق سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انتہائی ناراضگی ظاہر فرمائی۔ اور آپ بار بار فرماتے رہے: اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ (کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا) حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خفا ہوئے کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش آج سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوتا۔ اور آج ہی اسلام لاتا (تاکہ یہ گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتا)

(مسلم شریف ۱/۶۸)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے محلہ میں عشا کی نماز ضرورت سے زیادہ لمبی پڑھا دی تھی۔ جس سے بعض مقتدیوں کو بجا طور پر اشکال ہوا تو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر حضرت معاذ کو سخت تنبیہ فرمائی۔

الغرض جب کوئی دینی کوتاہی کا مسئلہ سامنے آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غصہ اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر غصہ اور سختی کرنا عین سنت ہے جس پر حضرات صحابہ مضبوطی سے پوری زندگی قائم رہے۔ حضرات صحابہؓ کی زندگی میں "غضب فی اللہ" کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ صحابہ ہر طرح کا نقصان برداشت کر سکتے تھے مگر دینی نقصان کو دیکھ کر خاموش رہنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ ان کا ہر فرد "أینقص الدین وأنا حی" (کیا دین برباد ہو اور میں زندہ رہوں) کے نعرہ کا عملی نمونہ تھا۔ جب معاملہ دین کا ہوتا تو پھر رشتہ داری یا تعلق کو بالائے طاق رکھ کر وہ صرف دینی تقاضوں کو پورا فرماتے۔ اور مداہنت کا شائبہ بھی پاس نہ آنے دیتے تھے۔

دینی ضرورت سے ترکِ تعلق بھی جائز ہے

منکرات پر نکیر کرنے میں یہاں تک حکم ہے کہ اگر مبتلائے معصیت سے ترکِ تعلق اور بائیکاٹ کرنے میں کسی دینی نفع (یعنی خود اس کی ہدایت یا دوسروں کے لیے عبرت ونصیحت) کی امید ہو تو اس سے مقاطعہ اور ترکِ تعلق کی بھی اجازت ہے۔ چنانچہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان تین مخلص صحابہ کا ۵۰ دن تک مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کیا گیا جو غزوہ تبوک میں بلا کسی واقعی عذر کے شریک نہیں ہوئے تھے جن کے نام کعب بن مالکؓ، مرارہ بن الربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ ہیں۔ ان حضرات کے بائیکاٹ کا واقعہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے جس میں ان گنت نصیحتیں اور عبرتیں موجود ہیں۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم شریف میں اس واقعہ سے ۳۷ فوائد مستنبط فرمائے ہیں۔

(مسلم شریف مع النووی ۲/۳۶۳)

لہٰذا اگر کوئی ایسی صورت سامنے آئے کہ بائیکاٹ کیے بغیر چارہ نہ رہے اور اس کا بائیکاٹ سے کوئی دوسرا بڑا فتنہ کھڑا نہ ہو تو اس کی شریعت میں اجازت دی گئی ہے۔ مگر اس فتنہ انگیز دور میں یہ اقدام کرنے سے پہلے ہر پہلو پر اچھی طرح غور وفکر کی ضرورت ہوگی۔

ایسا نہ ہو کہ اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل کیلئے شریعت کو آڑ بنا کر ترک تعلق کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔ اگر ترک تعلق نفسانیت کی بنیاد پر ہوگا تو وہ شرعاً ہرگز درست نہیں ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے۔

دل کو صاف رکھنے کا مجرب عمل

گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ دل کو کینہ کپٹ سے پاک رکھنا اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کا ایک اہم تقاضا ہے۔ اب سوال ہے کہ دوسروں کی طرف سے مستقل دل صاف کیسے رکھا جائے اس لیے کہ جب کچھ لوگ ساتھ رہتے ہیں تو کوئی نہ کوئی بات خلاف طبع پیش آہی جاتی ہے، جو بسا اوقات بڑھتے بڑھتے بغض تک پہنچ جاتی ہے۔ تو اس خطرہ سے بچاؤ کے لیے دو چیزیں انتہائی نفع بخش اور مؤثر ہیں۔ (۱) عذر تلاش کرنا (۲) نظر انداز کرنا۔

عذر تلاش کرنا

پہلی بات یہ ہے کہ جب کسی شخص کی طرف سے کوئی خلاف طبع قول و فعل کا علم ہو تو حتی الامکان اس شخص کی طرف سے کوئی عذر تلاش کیا جائے کہ غالباً وہ شخص کسی مصلحت کی وجہ سے اس عمل کا مرتکب ہوا ہوگا۔ اس کے فعل کو اچھے محمل پر رکھنے کی وجہ سے انشاء اللہ اس کی طرف سے دل میں بعد پیدا نہ ہوگا۔ امام محمد سیرینؒ اور ابو قلابہؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اِذَا بَلَغَكَ عَنْ اَخِيْكَ شَيْءٌ تَجِدُ عَلَيْهِ فِيْهِ فَاطْلُبْ لَهُ الْعُذْرَ بِجُهْدِكَ فَإِنْ أَعْيَاكَ فَقُلْ لَعَلَّ عِنْدَهُ اَمْرًا لَمْ يَبْلُغْهُ عِلْمِيْ۔ (شعب الایمان ۳۲۱/۶)

جب تمہیں اپنے کسی بھائی کی طرف سے کوئی ناگواری کی بات معلوم ہو تو حتی الامکان اس کی طرف سے عذر تلاش کرو۔ اگر کوئی عذر نہ ملے تو یہ کہہ دو کہ شاید اس کے پاس کوئی مصلحت ہوگی جس کا مجھے علم نہ ہوگا۔

مثلاً آج کل اخبارات میں علماء اور قائدین کے بارے میں رنگ آمیزی کے ساتھ رسوا کن رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان تحریرات کو پڑھ کر اولاً تو یقین نہیں کرنا

چاہیے اور ثانیاً ان کے اعمال واقوال کو بہتر معانی پر محمول کرنا چاہیے۔ تا کہ ان کا بغض دل میں نہ جم جائے جو انتہائی نقصان کا باعث ہے۔

غلطی کو نظر انداز کرنا

دل کو صاف رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دوسرے لوگوں کی ٹوہ میں نہ رہے۔ بلکہ زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ يَّتْبِعُ نَفْسَهُ كُلَّ مَا يَرٰى فِي النَّاسِ يَطُوْلُ حُزْنُهُ وَلَمْ يُشْفِ غَيْظَهُ۔ (شعب الایمان ۶/ ۳۳۱)

جو شخص لوگوں میں دکھائی پڑنے والی ہر بات کی ٹوہ اور جستجو میں رہتا ہے تو اس کا غم طویل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں پڑتا۔

یعنی اول یہ کہ دوسروں کے عیوب پر مطلع ہونے کی کوشش نہ کرے اور اگر معلوم بھی ہو جائے تو اس کی تحقیق وتفتیش میں نہ پڑے اور حتی الامکان اسے نظر انداز کرے۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو خواہ مخواہ خود ایک غم میں مبتلا ہو جائے گا۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ دنیا میں عافیت سے وہی لوگ رہتے ہیں جو دوسروں کے عیوب سے چشم پوشی رکھتے ہیں اور تغافل برتتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا ارشاد ہے

اَلْكَيِّسُ الْعَاقِلُ هُوَ الْفَطِنُ الْمُتَغَافِلُ۔ (شعب الایمان ۶/ ۳۳۱)

سمجھ دار عقل مند وہ شخص ہے جو ذہین ہو اور لوگوں کے عیوب سے غفلت برتنے والا ہو۔

محمد بن عبداللہ خزاعی فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن ابی زائد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عافیت کے دس اجزاء ہیں جن میں سے نو اجزاء تغافل (نظر انداز کرنے) میں پائے جاتے ہیں۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بن ابی زائدہ کا یہ مقولہ جب امام احمد بن حنبلؒ کو جا کر سنایا تو آپ نے فرمایا کہ عافیت کے دس اجزاء ہیں۔ اور یہ دس اجزاء تغافل میں پائے جاتے ہیں۔ (شعب الایمان ۶/ ۳۳۰)

واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ "تغافل" عافیت کی بنیاد ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی بھی شخص عیوب سے پاک نہیں ہے۔ اگر ہر آدمی عیب اچھالنے میں لگ جائے تو کوئی آدمی بے عیب

نہیں رہ سکتا حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا دوست چاہے جو بالکل بے عیب ہو تو اسے زندگی دوست کے بغیر ہی گزارنی پڑے گی۔" (اس لیے کہ بے عیب دوست کہیں دستیاب ہی نہ ہوگا) (شعب الایمان ۶/۳۳۰)

مخاطب کی عزت نفس کا خیال

اسی طرح گفتگو کرنے کے دوران ایسا انداز اختیار نہ کرنا چاہیے جس سے مخاطب کی عزت پر ضرب آئے یا اسے ناگواری ہو۔ اس سلسلے کی بے احتیاطی بھی دل میں تکدر اور نفرت کا باعث بنتی ہے۔ ہر آدمی خواہ وہ کتنا ہی کم تر ہو اپنی ایک عزت رکھتا ہے۔ اس سے تحقیر آمیز یا تہذیب سے گری ہوئی گفتگو کرنا خود اپنی توہین کے مرادف ہے۔ جو بات بھی کہی جائے اس کے لیے اچھی تعبیر اختیار کی جائے۔ اور بحث کے دوران کبھی اپنی بات پر ضد نہ کی جائے۔ جو شخص اس کا خیال نہیں رکھتا وہ خواہ کتنا ہی با شعور ہو دوسروں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور لوگ اس سے بحث کرنے سے کترانے لگتے ہیں۔ حضرت بلال بن سعد فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا لَجُوجًا مُمَارِيًا مُعْجِبًا بِرَأْيِهِ فَقَدْ تَمَّتْ خَسَارَتُهُ۔ (شعب الایمان ۶/۳۳۱)

جب تم کسی آدمی کو ضد کرنے والا، جھگڑالو اور اپنی رائے کو اچھا سمجھنے والا دیکھو تو (سمجھ لو) کہ اس کا خسارہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔

اس لیے اجتماعی زندگی میں اس پہلو کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے کہ معاملات میں دوسروں کی عزت پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ اپنی رائے دوسروں پر تھوپنے کی کوشش نہ کی جائے۔ بات مشورہ کے انداز میں پیش کردی جائے۔ اگر سب کو قبول ہو تو فبہا، ورنہ نامقبول ہونے سے رنج نہ ہو۔ اور نہ ہی بعد میں یہ تبصرہ کیا جائے کہ اگر میری رائے مان لی جاتی تو یہ فائدہ ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی باتیں اجتماعی زندگی میں تکرار اور نفاق کا ذریعہ بنتی ہیں۔ جن سے احتیاط کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایک دوسرے کی قدر کرنے کی اور دلوں کو تکدر سے پاک اور صاف رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

چھٹی فصل

تزکیہ کی ضرورت

دل کو ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض سے پاک رکھنے کے لیے تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قلب کو اتنا صاف ستھرا کر دیا جائے کہ وہ اخلاق سیئہ سے خود بخود نفرت کرنے لگے اور اخلاق فاضلہ کا شوقین بن جائے۔ جب آدمی کا قلب مزکی اور مجلی ہوتا ہے، تو اس کے لیے رضاء خداوندی کا راستہ سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن کریم میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بتاتے ہوئے بطور خاص وَيُزَكِّيهِمْ (اور وہ ان کی صفائی کرتا ہے) کو ذکر کیا گیا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں حضرات صحابہؓ پر پوری توجہ رکھی۔ تا آنکہ آپ کی صحبت اور شاندار تربیت کے بدولت وہ صحابہ امت کے تمام بعد میں آنے والے اولیاء ومشائخ اور علماء سے افضل قرار پائے اور ان کو زبانِ نبوت سے ''نجوم ہدایت'' کا لقب عطا ہوا۔ تزکیہ کے بعد ان کی صفات عالیہ کیا تھیں؟ ان کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهٖ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ۔ (مشکوۃ شریف ۱/۳۲، مظاہر حق ۱/۹۳)

جسے پیروی کرنی ہے وہ مرحومین کی پیروی کرے اس لیے کہ زندہ لوگ فتنہ سے محفوظ نہیں ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں جو اس امت میں سب سے افضل تھے، جن کے دل سب سے زیادہ نیک تھے جو علم کے اعتبار سے سب سے گہرے اور

اطمینان کی دولت نصیب ہوگی۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِکۡرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔

(الرعد آیت: ۲۸)

جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آدمی مطمئن اسی وقت ہو سکتا ہے جب اسے آخرت کی زندگی میں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو اور جو شخص گناہ کرنے والا ہے وہ مطمئن ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اسے آخرت اپنی بدعملیوں کی سزا کا خطرہ ہمیشہ دامن گیر رہے گا۔ جو اس کی زندگی کو مکدر کرتا رہے گا۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا و آخرت میں وہی لوگ اطمینان اور عافیت میں رہ سکتے ہیں جو ذکرِ خداوندی میں اپنے کو مشغول رکھیں اور گناہوں سے بچتے رہیں۔

استغفار کی کثرت سے دل کی صفائی

مطلق ذکرِ خداوندی کے ساتھ بالخصوص استغفار کو بھی احادیثِ طیبہ میں دل کی صفائی اور پاکیزگی کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک روایت میں ارشادِ نبوی ہے۔

اِنَّ لِلْقُلُوْبِ صَدَئًا كَصَدَءِ النُّحَاسِ وَجَلَاؤُهَا الْاِسْتِغْفَارُ (کتاب الدعاء للطبرانی ۵۰۶م)

دلوں میں بھی تانبے کی طرح زنگ لگتا ہے جس کی صفائی کا ذریعہ استغفار ہے۔

ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

(کتاب الدعاء ۱۵۰۱، مسلم شریف ۲/۳۴۶)

میرے دل پر غبار سا آجاتا ہے چنانچہ میں ہر دن سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

دیگر احادیث میں بھی کثرت سے استغفار کرنے کی تاکید وارد ہوئی ہے۔ اس کے ذریعہ دل کی صفائی کی اصل وجہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ جب آدمی استغفار

تکلفات میں کمتر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کی حفاظت کیلئے منتخب فرمالیا تھا لہٰذا ان کی فضیلت پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلو اور جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور سیرت پر مضبوطی سے قائم رہو کیونکہ وہ سیدھے راستے پر گامزن تھے۔

الغرض دل کو قساوت سے محفوظ کر کے صاف ستھرا کرنا اور نیکیوں کا عادی بنانا ہر مومن کی ذمہ داری ہے اس کے لیے محنت اور ہمت بلند کرنی چاہیے۔ جو شخص جتنا زیادہ تزکیہ میں آگے بڑھے گا اتنا ہی قربِ خداوندی میں آگے بڑھتا چلا جائے گا اور رحمتِ خداوندی سے مالا مال ہو جائے گا۔

دل کی بیماریوں کا علاج

اب سوال یہ ہے کہ دل کا تزکیہ کیسے کیا جائے اور اس کو روحانی رذائل سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ اس سلسلہ میں رہنمائی فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ صَقَالَةً وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ، وَمَاشَیْءٌ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (بیہقی فی شعب الایمان ۱/۳۹۶، کنز العمال ۱/۲۱۲)

ہر چیز کو صاف کرنے اور مانجھنے کا آلہ ہوتا ہے اور دل کی صفائی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور ذکر اللہ سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں ارشاد ہے:

ذِكْرُ اللّٰهِ شِفَاءُ الْقُلُوْبِ۔ (کنز العمال ۱/۲۱۲)

اللہ کا ذکر دلوں (کے امراض) کے لیے شفاء ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "دلوں کو پاکیزہ کرنے کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر مبارک ہے۔ (شعب الایمان ۱/۳۹۶)

یعنی جتنا زیادہ ذکر خداوندی میں اپنے کو لگائیں گے اتنا ہی دل صاف ہوگا۔ خیر کی توفیق عطا کی جائے گی۔ اور دل کے امراض دور ہونگے جس کے بناء پر دل کو سکون و

کرے گا تو ندامت اور شرمندگی کی بنا پر خود بخود دل میں نرمی پیدا ہو جائے گی اور رب العزت کی بڑائی اور اپنی عاجزی کا احساس جاگزیں ہوگا۔ اور یہ احساس دل کے تزکیہ کی سب سے زیادہ مؤثر تدبیر ہے۔

صالحین کی صحبت

دل کی صفائی کے لیے اللہ والوں کی صحبت بھی بے مثال تاثیر رکھتی ہے۔ قرآن کریم میں "وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ" (اور جھکو جھکنے والوں کے ساتھ) اور "کونوا مع الصادقین" (اور رہو سچوں کے ساتھ) جیسی ہدایات دے کر اس جانب رہنمائی فرمائی ہے کہ اعمال صالحہ کا شوق اور بری باتوں سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی صحبت میں وقت لگانا اور ان کے دامن فیض سے وابستہ ہونا بھی انتہائی مؤثر اور مفید ذریعہ ہے۔ رمضان المبارک میں اعتکاف کی عبادت بھی اسی مقصد سے مشروع کی گئی ہے کہ آدمی کو ایسا ماحول ملے جہاں رہ کر وہ یکسوئی کے ساتھ عبادت و اطاعت میں وقت لگا سکے اور گناہوں کے مواقع سے محفوظ رہے۔

شیخ کامل سے وابستگی

تجربہ بتاتا ہے کہ دلوں کا تزکیہ محض کتابیں پڑھ لینے اور معلومات کے ذخائر جمع کر لینے سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس مقصد کی تحصیل کے لیے اصحاب معرفت اولیاء اللہ سے وابستگی اور ان کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح آدمی جسمانی امراض کے علاج کے لیے بہترین اور قابل ڈاکٹر کو تلاش کر کے اپنے کو اس کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کے بتائے ہوئے نسخہ پر عمل کر کے اور پرہیز کا اہتمام کر کے شفاء حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے روحانی امراض کے علاج کے لیے بھی ماہر روحانی طبیب تلاش کرنا چاہیے۔ دل کے چھپے ہوئے امراض کا آدمی (خواہ کتنا ہی بڑا ہو) خود اپنا علاج نہیں کر سکتا۔ نفس کے مکائد اتنے خطرناک ہیں اور شیطان کے

فریب اتنے گہرے اور باریک ہیں کہ ان کا ادراک خود آدمی کو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کو آدمی عین عبادت سمجھا رہتا ہے وہی اس کے لیے ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ اور زہرناک ہوتی ہے۔ اس طرح کے امراض کی تشخیص شیخ کامل ہی کر سکتا ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

اب یہ پتہ کیسے چلے کہ کون شیخ کامل ہے اور کون ناقص ہے تو اس سلسلہ میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے درج ذیل دس علامتیں بتائی ہیں، جن کو دیکھ کر شیخ کامل کو پہچانا جاسکتا ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں:

''شیخ کامل وہ ہے جس میں یہ علامتیں ہوں۔ (۱) بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ (۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔ (۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبۂ دنیا ہے۔ (۴) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔ (۵) اس زمانہ کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔ (۶) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ (۷) جو لوگ اس کے مرید ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلتِ حرصِ دنیا کے اچھی ہو۔ (۸) وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سن کر یا دیکھ کر ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ (۹) اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔ (۱۰) خود بھی وہ ذاکر و شاغل ہو کہ بدونِ عمل یا عزمِ عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت بھی صادر ہوتی ہے یا نہیں یا اس کو کشف بھی ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا وہ قبول بھی ہو جاتی ہے یا نہیں، یا یہ صاحب تصرفات ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ امور لوازمِ مشیخت یا ولایت میں سے نہیں۔''

(قصد السبیل در اصلاحی نصاب ۵۱۸)

کوئی دور بفضلِ خداوندی مذکورہ بالا علامات سے متصف اولیاء اللہ اور اصحابِ

معرفت سے خالی نہیں رہا ہے۔ الحمد للہ آج بھی ایسے اکابر موجود ہیں۔ جن سے وابستہ ہو کر ہزاروں ہزار افراد دلوں کے تزکیہ پر محنتیں کر رہے ہیں۔

تصوف کی محنتوں کا منتہائے مقصود

ان اولیاء اللہ کے ذریعہ مخصوص اعمال و وظائف کی جو مشق کرائی جاتی ہے اس کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ سالکین و طالبین میں صفت احسانی کا ظہور ہو جائے۔ یعنی دلوں سے غفلت کا پردہ اٹھے اور وہ ایمانی نور ابھر کر آئے جس کی روشنی سے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ذات خداوندی کا استحضار جسے ملکۂ یادداشت کہا جاتا ہے میسر آجائے اور "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" (مسلم شریف ۱/۲۷) یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تصور کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ کا مقام حاصل ہو جائے۔ تصوف وسلوک کی ساری محنتوں کا خلاصہ اور مقصود یہی ہے۔ بقیہ جو ذکر کے طریقے ہیں یا خاص اعداد کے ساتھ اذکار کی تعلیمات ہیں۔ وہ طریقے ان خاص صورتوں کے ساتھ مقصود بالذات نہیں ہیں اور نہ ان کو شرعی اعتبار سے وجوب یا فرضیت کا درجہ حاصل ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ خاص طریقے امراض روحانیہ کے علاج اور ان کو دور کرنے کی تدبیریں ہیں جنہیں شیخ کامل سالک کے حالات اور ضروریات کا جائزہ لے کر تجویز کرتا ہے۔ اب اگر کوئی انہی تدابیر کو اصل سمجھ بیٹھے اور منتہائے مقصود یعنی صفت احسانی کے حصول سے صرف نظر کر لے تو وہ یقیناً غلطی پر ہے اور تصوف وسلوک کی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔

عارف باللہ حضرت رائے پوریؒ کا ارشاد

اسی کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے دور کے صاحب معرفت اور راہ سلوک کے رمز آشنا بزرگ حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اس کا اور اس کی رضا کا دھیان وفکر کرنا اور اس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دین کی تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیتیں بھی آپ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرامؓ میں بھی یہ تاثیر تھی لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور استعدادوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اس مقصد کے لیے کاملین کی صحبت بھی کافی نہیں رہی، تو دین کے اس شعبہ کو اماموں نے ان کیفیات کے حاصل کرنے کے لیے صحبت کے ساتھ ''ذکر وفکر کی کثرت'' کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔ اسی طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے ان کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت (نرمی) پیدا کرنے کے لیے ان کے واسطے خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کیے۔ اسی طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لیے اور طبیعت میں رقت اور یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ضرب کا طریقہ نکالا گیا، تو ان میں سے کسی چیز کو مقصود اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اور اسی لئے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آئمہ طریق اپنے اپنے زمانہ کے حالات اور اپنے تجربہ کے مطابق ان چیزوں میں ردوبدل اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لیے ان کے خاص حالات اور ان کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعض ایسے اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنھیں اس طرح کا ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کو یونہی نصیب فرما دیتا ہے۔ اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرور تاً کرایا جاتا ہے۔ (میں بڑے مسلمان ۹۹۸ مضمون مولانا منظور احمد نعمانی)

اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ تصوف اور راہِ سلوک کی محنتیں دین سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ شریعت کی روح کو انسان کے رگ وپے میں بسانے کا نام ہی دراصل تصوف ہے اور یہی وہ تصوف ہے جس کے اولیاء اللہ امام رہے ہیں اور اس راہ سے ان کے ہاتھوں پر ہزار ہا ہزار تشنگانِ معرفت نے مئے عرفان ومحبت سے سیرابی حاصل کی ہے۔

تصوف کی راہ سے دینی خدمت میں جلا پیدا ہوتی ہے

تصوف دینی خدمات ومعروفیات میں حائل نہیں ہوتا بلکہ ان خدمتوں کی جان اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ وہی شخص خلقِ خدا کو افادۂ ظاہری (تعلیم وتدریس) اور افادۂ باطنی (سلوک وتربیت) کا حق دار ہے جو نسبت باطنی سے آراستہ ہو۔ یہ دین ایسے ہی اصحاب نسبت خدام کے ذریعہ دنیا میں پھیلا ہے۔ محض علم سے فیض نہیں پہنچتا، جب تک کہ اس کے ساتھ نسبت کی چاشنی نہ ہو اور نسبت باطنی کی وضاحت کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''اور علامت حصولِ نسبت باطنی کے دو امر ہیں۔ ایک یہ کہ ذکر اور یادداشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے دوسرے یہ کہ اطاعتِ حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادتاً ومعاملۃً وخلقاً وقولاً وفعلاً اس کو ایسی رغبت اور منہیات ومخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسے مرغوبات ومکروہات طبیعت کی ہوتی ہے۔ اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جاوے۔ کان خلقه القران اس کی شان بن جائے۔ البتہ کسل عارضی یا وسوسہ جس کے مقتضی پر عمل نہ ہو اس رغبت ونفرت کے منافی نہیں۔'' الخ (قصد السبیل در اصلاحی نصاب ۵۳۲)

ظاہر ہے کہ ایسے صاحب نسبت کی خدمت سے اور افادۂ عوام وخواص سے جو نفع خلق خدا کو پہنچ سکتا ہے کہ وہ غیر نسبت والے شخص سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے بالخصوص مدارس کے فضلا کو چاہیے کہ وہ علوم ظاہری کی تکمیل کے ساتھ نسبت کے حصول کے لیے کسی شیخ کامل کی صحبت ومتابعت سے فیض اٹھائیں۔ تاکہ جب وہ خدمت کے میدان میں قدم

رکھیں تو ان کے ذریعہ سے ہدایت کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھوٹنے لگیں اور ان کا صاف ستھرا کردار اور شاندار عمل ان کے علم نافع کا مظہر بن جائے۔

نقالوں سے ہوشیار!

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ چلتا ہوا کام دیکھ کر بہت سے دنیا دار اور عزت وشہرت کے حریص لوگ پیرو مرشد کا لبادہ اوڑھ کر تصوف کے نام پر شرک وبدعات کی دوکان چلانے میں لگے ہوئے ہیں۔اور انہوں نے تصوف کے شریعت سے الگ ہونے کا ڈھونگ رچا کر ضلالت اور گمراہی کا جال بچھا رکھا ہے۔اس طرح کی دوکانیں مزارات پر سجادہ نشینوں کے ذریعہ خوب چل رہی ہیں۔اور پھل پھول رہی ہیں۔تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جو تصوّف شریعت کے خلاف کوئی حکم دیتا ہو وہ تصوّف نہیں ہے۔شیطانیت ہے، اس لیے ایسے جعلی پیروں کی جعل سازیوں سے جہاں اپنے کو بچانا ضروری ہے وہیں ان جعل سازوں کو دیکھ کر اصلی اور سچے اہلِ تصوف سے دل میں بدگمانی نہ قائم کرنا بھی ضروری ہے۔کیونکہ بعض افراد کی غلط کاریوں کی بناء پر پورے کام کو غلط قرار دینا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔

بہر حال گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دلوں کے تزکیہ کے لیے معتبر اولیاء اللہ کے دامن سے وابستگی اختیار کرنی چاہیے تاکہ ہمارے لیے اطاعت وعبادت کی راہ آسان ہو، ہمیں اللہ کی رضا میسر آئے۔اور ہم صحیح معنوں میں اپنے خدا سے شرم وحیا کرنے والے بن جائیں۔

وما ذلك على الله بعزيز۔

باب چہارم

موت کی یاد

☆ تذکیر موت

☆ موت کی حقیقت

☆ اللہ انجام بخیر کرے

☆ حسن خاتمہ

☆ نزع کا عالم

و لیذکر الموت والبلیٰ

زیر بحث حدیث (اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ الخ) میں اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کرنے کی تیسری اہم ترین علامت یہ بیان فرمائی گئی کہ آدمی اپنی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے برزخی واخروی حالات وآثار اور مناظر کا ہر وقت استحضار رکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ موت کے استحضار سے عبادت کی طرف رغبت، گناہوں سے ہر ممکن اجتناب کا جذبہ اور دنیا کی زندگی سے بے رغبتی جیسی اعلیٰ صفات وجود میں آتی ہیں۔ موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کسی کے لیے ممکن نہیں۔ دنیا میں ہر نظریہ کے متعلق اختلاف موجود ہے حتیٰ کہ خدا اور رسول اور نظام کائنات کے بارے میں مختلف مذاہب کی الگ الگ رائیں پائی جاتی ہیں۔ مگر موت وہ اٹل حقیقت ہے جس کے متعلق دنیا میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص یہ جانتا اور مانتا ہے کہ ایک دن اس کی دنیوی زندگی کا تسلسل یقیناً ختم ہو کر رہے گا اور جب اس کا وقت آئے گا، تو دنیا کی کوئی طاقت اور اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی اسباب ووسائل موت کے منہ سے نہ بچا سکیں گے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ ارشاد فرمایا گیا:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (الاعراف آیت: ۳۴، ع ۴)

سو جس وقت ان کی میعاد معین آجاوے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ۔

(سورۃ النساء آیت: ۷۸)

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی موت تم کو آدبا دے گی اگرچہ تم قلعی چونے (سیمنٹ) کے قلعہ ہی میں ہو۔

لیکن اس کے بالمقابل یہ بھی ایک عجیب حقیقت ہے کہ موت جتنی زیادہ یقینی ہے، اتنی ہی لوگوں میں اس سے غفلت اور عدم توجہی پائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مجلسوں میں موت کا

ذکر تک ناپسند کیا جاتا ہے، بالخصوص خوشی کی تقریبات میں اگر بالقصد موت کا تذکرہ کر دیا جائے تو ناک بھویں چڑھ جاتی ہیں، گویا کسی ان ہونی بات کو چھیڑ دیا گیا ہو۔ یہ غفلت، ایمانی تقاضے کے بالکل برخلاف ہے۔ مومن کو تو کثرت سے موت کو یاد کرنا چاہیے۔ اور حتی الامکان آخرت کی تیاری کے لیے ہر وقت فکرمند رہنا چاہیے۔ قرآن کریم کی سیکڑوں آیتوں میں موت، حشر نشر اور جنت و جہنم کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ انسان کو اس کے "اصلی اور دائمی وطن" سے آگاہ کر کے وہاں کی دائمی نعمتوں کا اسے مستحق بنا دیا جائے۔

* * * * *

پہلی فصل

موت کی یاد کا حکم

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو کثرت سے موت کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ فَاِنَّهٗ مَاذَکَرَهٗ اَحَدٌ فِی ضَیْقٍ مِّنَ الْعَیْشِ اِلَّا وَسَّعَهٗ عَلَیْهِ وَلَا فِی سَعَةٍ اِلَّا ضَیَّقَهٗ عَلَیْهِ۔(رواہ البزار، شرح الصدر للسیوطی ۲۷)

لذتوں کو توڑنے والی چیز یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ اس لیے کہ جو بھی اسے تنگی کے زمانہ میں یاد کرے گا تو اس پر وسعت ہوگی (یعنی اس کو طبعی سکون حاصل ہوگا کہ موت کی سختی کے مقابلہ میں ہر سختی آسان ہے) اور اگر عافیت اور خوشحالی میں موت کو یاد کرے گا تو یہ اس پر تنگی کا باعث ہوگا۔ (یعنی موت کی یاد کی وجہ سے وہ خوشی کے زمانہ میں آخرت سے غافل ہو کر گناہوں کے ارتکاب سے بچا رہے گا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کی یاد ہر حال میں نفع بخش ہے۔ مصیبت کے وقت اس کو یاد کرنے سے ہر مصیبت آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں صبر کرنے والوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔''یعنی ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اسی طرح جب خوشحالی اور عافیت کے وقت موت کو یاد کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے آدمی بہت سے ان گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جن کا داعیہ عموماً خوشحالی کے زمانہ میں قوت کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ اسی لیے حدیثِ بالا میں موت کو لذت توڑنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان والوں میں کون سا شخص سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ آپ نے فرمایا:

أَكْثَرُهُمْ لِلْمَوْتِ ذِكْراً وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اِسْتِعْدَاداً أُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ۔ (رواہ ابن ماجہ ۳۲۴ شرح الصدور ۴۳)

ان میں جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا ہو اور موت کے بعد کے لیے جو سب سے عمدہ تیاری کرنے والا ہو، ایسے ہی لوگ سب سے زیادہ عقلمند ہیں۔

(۳) حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وتمنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی ۲/۷۲)

عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد کے لیے عمل کرے جب کہ عاجز اور درماندہ آدمی وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہش کے تابع بنالے اور پھر اللہ تعالیٰ سے امیدیں باندھے۔

آج کل عقلمند اسے سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے اور کاروبار کرنے میں سبقت لے جائے خواہ اس کے پاس آخرت کے لیے کوئی بھی عمل نہ ہو۔ اور جو شخص اپنی زندگی آخرت کی تیاری میں لگائے، مال کے حصول میں حلال وحرام کی تمیز رکھے اور ہر مرحلے پر شریعت کو ملحوظ رکھے تو لوگ اسے بیچارہ اور عاجز قرار دیتے ہیں۔ ایسے شخص کو طرح طرح کے طعنے سننے پڑتے ہیں لیکن مذکورہ احادیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلمندی کا جو معیار بتلایا ہے وہ لوگوں کے نظریہ سے بالکل الگ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں قابلِ تعریف شخص وہی ہے جو موت کو یاد کرنے والا اور اس کے لیے تیاری کرنے والا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کی تعریف بیان کی گئی تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ موت کو یاد کرنے میں اس کا حال کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس سے موت کا زیادہ ذکر نہیں سنا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ وہ اپنی

خواہشات کو چھوڑتا ہے یا نہیں؟ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ وہ دنیا سے حسب خواہشات فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آدمی اس تعریف کا مستحق نہیں ہے جو تم اس کے متعلق کر رہے ہو۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ص ۹۰)

بہر حال دانشمند، دور اندیش اور عقلمند وہی شخص ہے جو ہمیشہ دائمی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہے اور اس چند روزہ زندگی میں پڑ کر ہمیشہ کے عذاب کو مول نہ لے۔

(۴) حضرت وضین ابن عطاء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں میں موت سے غفلت کا احساس فرماتے تو آپ حجرۂ مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ پکار کر درج ذیل کلمات ارشاد فرماتے تھے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ! يَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ! أَتَتْكُمُ الْمَوْتُ رَاتِبَةً لَازِمَةً جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا جَاءَ بِهِ، جَاءَ بِالرَّوْحِ وَالرَّاحَةِ وَالْكَثْرَةِ الْمُبَارَكَةِ لِأَوْلِيَاءِ الرَّحْمٰنِ مِنْ أَهْلِ دَارِ الْخُلُودِ الَّذِيْنَ كَانَ سَعْيُهُمْ وَرَغْبَتُهُمْ لَهَا۔ أَلَا إِنَّ لِكُلِّ سَاعٍ غَايَةً وَغَايَةُ كُلِّ سَاعٍ الْمَوْتُ سَابِقٌ وَمَسْبُوْقٌ۔ (رواہ البیہقی شرح الصدور ۳۴)

اے لوگو! اے اہل اسلام! تمہارے پاس ضرور بالضرور مقررہ وقت میں موت آنے والی ہے، موت اپنے ساتھ ان چیزوں کو لائے گی جن کو وہ لاتی ہے، وہ رحمٰن کے مقرب بندوں کے لیے جو جنتی ہیں اور جنہوں نے اس کے لیے کوشش اور اس کی رغبت کی ہے عافیت، راحت اور بہت سی مبارک نعمتیں لے کر آئے گی۔ خبردار ہو جاؤ! ہر محنت کرنے والے کی ایک انتہا ہے اور وہ انتہا موت ہے۔ پہلے آئے یا بعد میں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مومن کے لیے موت کو یاد کرنا کوئی خلاف طبع بات نہیں ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کے اعمال صالحہ کی بدولت اسے آخرت میں بہترین دائمی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ موت سے تو وہ پہلوتہی کرے جسے آخرت میں اپنی تہی دامنی کا یقین ہو۔ قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اپنے کو اللہ کا مقرب اور جنت کا اولین مستحق قرار دیتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کے دعویٰ کی تردید کرتے

ہوئے فرمایا کہ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو تمہیں جلد سے جلد موت کی تمنا کرنی چاہیے۔ تاکہ تم اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ کر نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن اہل کتاب نے نہ کبھی تمنا کی، نہ کریں گے۔ اور ہمیشہ موت سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں گے جو اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں آخرت میں اپنی محرومی کا پورا یقین ہے۔ سچے مومن کی شان ان کے بالکل برخلاف ہے۔ اس لیے تو موت کا ذکر وصل محبوب کی لذت عطا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ "کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے سب سے پہلے کیا بات کرے گا اور تم اس کو کیا جواب دو گے؟ ہم نے عرض کیا کہ جی ہاں یا رسول اللہ ضرور بتلایئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین سے فرمائے گا کہ کیا تمہیں مجھ سے ملاقات پسند تھی، مومنین عرض کریں گے کہ ہاں ہمارے رب! تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیوں؟ تو اہل ایمان عرض کریں گے ہمیں آپ کی مغفرت اور معافی کی اُمید تھی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میری مغفرت تمہارے لیے واجب ہو گئی۔

(کتاب الزہد ۹۳)

موت کے متعلق اصحابِ معرفت کے اقوال واحوال

☆ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ موت نصیحت کا انتہائی مؤثر ذریعہ ہے لیکن اس سے غفلت بھی بہت زیادہ ہے۔ موت وعظ کے لیے کافی ہے اور زمانہ لوگوں میں جدائی پیدا کرنے کے لیے تیار ہے۔ آج جو لوگ گھروں میں ہیں وہ کل قبروں میں ہوں گے۔

☆ رجاء بن حیوۃؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے گا اس کے دل سے حسد اور اتراہٹ نکل جائے گی۔ یعنی نہ تو وہ کسی دنیوی نعمت کی بناء پر ذہنی الجھن میں مبتلا ہوگا اور نہ ہی فرح و مسرت میں مست ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا۔

☆ عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں موت کی یاد جم جاتی ہے وہ

اگلے دن تک بھی اپنی زندگی کے رہنے کا یقین نہیں رکھتا۔ کیونکہ کتنے ایسے دن تک پہنچنے والے ہیں کہ وہ موت کی وجہ سے دن بھی پورا نہیں کر پاتے اور کتنے لوگ کل کی امید رکھنے والے ہیں مگر کل تک نہیں پہنچ پاتے۔ اگر تم موت اور اس کی آمد کو دیکھ لو تو آرزو اور اس کے دھوکہ کو ناپسند کرو گے۔ اور آپ ہی سے مروی ہے کہ فرماتے تھے کہ آدمی جس عمل کی وجہ سے موت کو ناپسند کرتا ہے (یعنی گناہ اور معصیت) اسے فوراً چھوڑ دے پھر کوئی مشکل نہیں جب چاہے مرجائے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں تھے کہ موت کی یاد جس کے دل میں جگہ بنالے تو وہ اپنے قبضہ کے مال کو ہمیشہ زیادہ ہی سمجھے گا۔ (یعنی مزید مال بڑھانے کی فکر نہ کرے گا)

☆ حضرت مجمع تیمیؒ فرماتے ہیں کہ موت کی یاد ایک طرح کی مالداری ہے۔

☆ کعب احبارؒ سے مروی ہے کہ جو شخص موت کو پہچان لے اس کے لیے دنیا کی تمام مصیبتیں اور رنج وغم ہلکے ہوجائیں گے۔

☆ ایک دانشمند کا قول ہے کہ دلوں میں عمل کی زندگی پیدا کرنے کے لیے موت کی یاد سب سے زیادہ مؤثر ہے۔

☆ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تم موت کو کثرت سے یاد کیا کرو تمہارا دل نرم ہوجائے گا۔

☆ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرماتے تھے کہ قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے بعد اس کی خبر ملے گی۔ (شرح الصدور ۴۶-۴۸)

☆ صالحین میں سے ایک شخص روزانہ شہر کی دیوار پر کھڑے ہوکر رات میں یہ آواز لگاتا تھا "چلو قافلے کے چلنے کا وقت آگیا ہے" جب اس کا انتقال ہوگیا تو شہر کے حاکم کو یہ آواز نہیں سنائی دی۔ تحقیق پر پتہ چلا کہ اس کی وفات ہوگئی ہے تو امیر نے یہ اشعار پڑھے۔

مَـازَالَ يَلْهَجُ بِالرَّحِيْلِ وَذِكْرِهِ حَتّٰى اَنَاخَ بِبَابِهِ الْجَمَّالُ

فَـاَصَابَهُ مُتَيَقِّظاً مُتَشَمِّراً ذَا اُهْبَةٍ لَمْ تُلْهِهِ الْآمَالُ

(وہ برابر کوچ کی آواز اور اس کے تذکرے سے دلچسپی لیتا رہا یہاں تک کہ خواہ اس کے دروازے پر اونٹ بان (موت کے فرشتے کی طرف اشارہ ہے) نے پڑاؤ ڈالا۔ چنانچہ اسے بیدار، مستعد اور تیار پایا۔ کھوٹی آرزوئیں اسے غافل نہ کرسکیں)

(التذکرة فی احوال الموتی الآخرة. ۱۰)

☆ علامہ تیمیؒ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں نے مجھ سے دنیا کی لذت چھین لی ہے۔ ایک موت کی یاد، دوسرے میدانِ محشر میں اللہ رب العالمین کے سامنے حاضری کا استحضار۔ (التذکرہ. ۱۰)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ وہ علماء کو جمع فرما کر موت، قیامت اور آخرت کا مذاکرہ کیا کرتے تھے اور پھر ان احوال سے متاثر ہو کر سب ایسے پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے کہ گویا کہ ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہوا ہے۔ (التذکرہ. ۱۰)

موت کو یاد کرنے کے بعض فوائد

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ بعض علماء سے منقول ہے کہ جو شخص موت کو کثرت سے یاد رکھے اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ تین باتوں کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

۱۔ **تعجيل التوبہ:** یعنی اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ جلد از جلد توبہ کر کے گناہ معاف کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں توبہ کے بغیر موت نہ آجائے۔

۲۔ **قناعة القلب:** یعنی موت کو یاد رکھنے والا حرص وطمع میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ بھی اسے میسر ہوتا ہے اسی پر راضی رہتا ہے اور یہ قناعت اسے طبعی سکون اور دلی راحت عطا کرتی ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ تھوڑی بہت زندگی ہے جس طرح بھی گزر جائے گزار لیں گے۔ زیادہ کی فکر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

۳۔ **نشاط العبادة:** یعنی موت کا استحضار رکھنے والا شخص جب عبادت کرتا ہے تو پوری دلجمعی اور یکسوئی کی کوشش کرتا ہے۔ اس دلجمعی کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ اسے خطرہ رہتا ہے کہ پتہ نہیں آئندہ اس کو عبادت کا موقع ملے کہ نہ ملے، لہٰذا ابھی

اسے جتنا اچھا بنا لیں غنیمت ہی غنیمت ہے۔ دوسرے یہ کہ آخرت کی یاد کی وجہ سے اپنے عبادت پر ملنے والے عظیم اخروی بدلے کا کامل یقین ہوتا ہے۔ جس کی بناء پر اسے عبادت میں وہ کیف وسرور نصیب ہوتا ہے۔ جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔

موت کو بھول جانے کے نقصانات

اس کے برخلاف جو شخص موت کو یاد نہیں رکھتا اور آخرت سے غافل رہتا ہے وہ تین طرح کی محرومی میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

۱۔ **تسویف التوبة:** یعنی اگر اس سے کوئی گناہ ہوجائے تو توبہ کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہتا ہے، اور استغفار میں جلدی نہیں کرتا اور بسا اوقات اسی حالت میں اس کی موت آجاتی ہے۔

۲۔ **ترک الرضا بالكفاف:** جب موت کی یاد نہیں رہتی تو آدمی کی ہوس بڑھ جاتی ہے اور وہ ضرورت کے مطابق روزی پر راضی نہیں رہتا، بلکہ ھل من مزید کی بیماری کا شکار ہوجاتا ہے۔ موت سے غفلت کی بناء پر منصوبوں پر منصوبے بنائے چلا جاتا ہے جس کا انجام یہ نکلتا ہے، کہ آرزوئیں رہ جاتی ہیں اور موت آکر زندگی کا تسلسل ختم کردیتی ہے۔

۳۔ **التكاسل في العبادة:** جب آدمی موت سے غافل رہتا ہے تو عبادت کرنے میں قدرتی طور پر سستی ظاہر ہوتی ہے اور نشاط کافور ہوجاتا ہے، اولاً تو عبادت کرتا ہی نہیں اور کرتا بھی ہے تو وہ طبیعت پر نہایت گراں گزرتی ہے یہ گرانی صرف اس بناء پر ہے کہ آدمی کو یہ استحضار نہیں رہتا کہ ہم سے مرنے کے بعد ان ذمہ داریوں کے بارے میں سوال کیا جانا ہے، اور اگر خدانخواستہ وہاں رضاء خداوندی کے مطابق جواب نہ ہو تو ایسی رسوائی ہوگی جس کے مقابلہ میں دنیا کی ساری رسوائیاں اور بے عزتیاں ہیچ ہیں۔ (شرح الصدور/ ۳۵)

موت کو یاد کرنے کے چند ذرائع

احادیثِ طیبہ میں جہاں موت کو یاد رکھنے کی تلقین فرمائی گئی ہے وہیں بعض ایسے اعمال کی ترغیب بھی وارد ہے جو موت کو یاد رکھنے میں مؤثر اور معاون ہوتے ہیں، ان میں سب سے اہم عمل یہ ہے کہ گاہے بگاہے عام قبرستان جا کر قبر کی زندگی اور قبر والوں کے حالات کے متعلق غور کیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ" (مسلم شریف ۱/۳۱۴) قبروں کی زیارت کیا کرو اس لیے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔

اور ایک روایت میں حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ۔ اَلَا! فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُرِقُّ الْقَلْبَ وَتُدْمِعُ الْعَيْنَ وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا۔ (رواہ الحاکم شرح الصدور ۲۹)

میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے منع کرتا تھا مگر اب سنو! تم لوگ قبروں پر جایا کرو کیونکہ وہ دلوں کو نرم کرتی ہیں، آنکھ سے آنسو جاری کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں اور کوئی فحش بات مت کہا کرو۔

اسی طرح کی احادیث میں قبرستان کو موجب عبرت قرار دیا گیا ہے۔ اور ساتھ میں قبرستان جانے کا اصل مقصد بھی بتا دیا گیا کہ وہاں محض تفریح اور تماشہ کی غرض سے نہ جائے بلکہ اصل نیت موت کو یاد کرنے اور آخرت کے استحضار کی ہونی چاہیے، مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے دلوں پر غفلتوں کے ایسے گہرے پردے پڑ چکے ہیں، اور قساوت کا ایسا مہلک زنگ لگ چکا ہے کہ اب قبرستانوں کو کھیل کود اور تماشوں کی آماجگاہ بنا لیا گیا ہے، عرس کے نام سے اولیاء اللہ کی قبروں پر وہ طوفان بدتمیزی بپا ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ اور اس پر طرہ یہ کہ ان سب کاموں کو بہت بڑے اجر و ثواب کے اعمال میں شامل کرنے کی شرمناک کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح آج جو قبرستان آبادیوں کے بیچ میں آچکے ہیں، وہ

محلے کے آوارہ گرد نوجوانوں کے لیے کھیل کے میدان بنتے جا رہے ہیں اور ان قبرستانوں میں جواریوں اور سٹہ بازوں کی کمین گاہیں بھی نظر آتی ہیں، قبروں کے سامنے رہتے ہوئے اس طرح کی حرکتیں سخت قساوت قلبی کی دلیل ہیں۔

مُردوں کو نہلانا اور جنازوں میں شرکت کرنا

اسی طرح موت کو یاد کرنے کے لیے دو اہم اور مؤثر اسباب بعض روایات میں بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ مردوں کو نہلانے میں شرکت کی جائے ،۲:۔ دوسرے یہ کہ نماز جنازہ میں بکثرت شریک ہوا جائے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زُرِ الْقُبُوْرَ تَذْكُرْ بِهَا الْاٰخِرَةَ وَاغْسِلِ الْمَوْتٰى فَاِنَّ مُعَالَجَةَ جَسَدٍ خَاوٍ مَوْعِظَةٌ بَلِيْغَةٌ وَصَلِّ عَلَى الْجَنَائِزِ لَعَلَّ ذٰلِكَ اَنْ يُحْزِنَكَ فَاِنَّ الْحَزِيْنَ فِىْ ظِلِّ اللّٰهِ يَتَعَرَّضُ لِكُلِّ خَيْرٍ۔ (رواہ الحاکم شرح الصدور ۵۰)

قبروں کی زیارت کیا کرو ان کے ذریعہ سے تم آخرت کو یاد رکھو گے اور مردوں کو نہلایا کرو اس لیے کہ بے جان جسم میں غور و فکر بجائے خود ایک مؤثر نصیحت ہے۔ اور جنازوں پر نماز پڑھا کرو، ہوسکتا ہے اس وجہ سے تمہارا دل غمگین ہو جائے کیونکہ غمگین آدمی اللہ تعالیٰ کے سائے میں رہتا ہے، اور ہر خیر کا اس سے سامنا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں تین باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں: اوّل قبرستان جانا۔ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ دوسرے مُردوں کو نہلانا۔ یہ ایک نصیحت ہے اور موجودہ معاشرہ کے لیے انتہائی قابلِ توجہ ہے آجکل غیر مسلموں کے ریت رواج اور طور طریقوں سے متاثر ہو کر مسلم معاشرہ میں بھی میت کی نعش سے ایک طرح کی وحشت کا اظہار کیا جانے لگا ہے، گھر والے بھی قریب جانا نہیں چاہتے، جب غسل دینے کا موقع آتا ہے تو بھی دوسروں پر چھوڑ دیتے ہیں، حالانکہ یہ بعد اور دوری مرنے والے کے ساتھ ایک طرح کی زیادتی ہے، میت کی لاش

اسلام کی نظر میں نہایت قابلِ احترام ہے، اس کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ مسائل معلوم کر کے میت کے قریبی اعزہ ہی اسے غسل دیں اور اگر پورا طریقہ معلوم نہ ہو تو کم از کم غسل کرانے والے کے ساتھ پانی وغیرہ ڈلوانے میں تعاون کرتے رہیں، مُردوں کے ساتھ اس طرح کے تعلق سے اپنی موت کا منظر بھی سامنے آجائیگا اور فطری طور پر آدمی اپنے مستقبل کے بارے میں غور کرنے پر مجبور ہو جائیگا۔

حدیثِ بالا میں تیسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت سے شرکت کی جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جو شخص کسی مسلمان کی نماز جنازہ میں شریک ہو اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے جس کی کم سے کم وسعت اُحد پہاڑ کے برابر ہے، اور جو شخص جنازہ کے ساتھ قبرستان تک بھی جائے اس کو دو قیراط ثواب سے نوازا جاتا ہے۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۷) اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ جب بھی موقع ملے نماز جنازہ نہ چھوڑی جائے، نماز جنازہ میں چونکہ مرنے والے کے غمگین اعزا بھی شامل ہوتے ہیں ان کے غم واندوہ کی وجہ سے پورا ماحول غمگین بن جاتا ہے، اور پھر آدمی یہ تصور لے کر جاتا ہے کہ ایک دن تمہارا جنازہ بھی ایسے ہی اٹھے گا اور لوگ اسی انداز میں رنج والم کا اظہار کریں گے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

يَا صَاحِبِيْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ ... فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ

وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً ... فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

ترجمہ: میرے دوست دنیا کے آرام وراحت سے دھوکے میں مت پڑنا اس لئے کہ عمر ختم ہو جائے گی اور عیش جاتا رہے گا۔ اور جب تم کسی جنازہ کو اٹھا کر قبرستان لے جاؤ تو یہ یقین کر لینا کہ اس کے بعد تمہیں بھی ایسے ہی اٹھا کر لے جایا جائے گا۔

حدیث بالا میں یہ اشارہ بھی فرمایا گیا کہ جب جنازہ کو دیکھ کر دل غمگین ہو گا تو قدرتی طور پر انابت الی اللہ کی کیفیت پیدا ہو گی۔ سابقہ گناہوں پر ندامت اور شرمندگی کا احساس جاگے گا اور اس حال میں وہ شخص جو بھی تمنا کرے گا رحمت خداوندی اس کی تکمیل کے لئے تیار ہو گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

دوسری فصل

موت کی حقیقت

عام طور پر یہ خیال رائج ہے کہ موت فنا کا نام ہے۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کی صحیح تعبیر نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ انسان کی موت محض ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تغیر سے تعبیر ہے۔ انسان اس جسم اور اعضاء کا نام نہیں بلکہ اصل انسان وہ جان اور روح ہے جو اس جسم عنصری میں حلول کر کے اعضاء و جوارح سے کام لیتی ہے۔ یہ جسم روح کے لئے سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اس سواری کا سوار یعنی روح اور جان جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ سواری یعنی بدن بے کار ہو جاتا ہے۔ اور اسے اب "لاش" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو لاشئ (کچھ نہیں) کا مخفف ہے۔ دیکھئے یہاں بدن پورا موجود ہے، ہاتھ، پیر، کان، ناک وغیرہ سارے اعضاء صحیح سالم ہیں مگر جب جان نکل گئی تو کہا جاتا ہے کہ "آدمی چلا گیا" اس لئے کے روح چلی گئی اور جان اپنی جگہ سے منتقل ہو گئی۔ اگر اسی بدن کا نام انسان ہوتا تو بدن کے رہتے ہوئے کبھی یہ نہ کہا جاتا کہ آدمی چلا گیا اور فلاں کا انتقال ہو گیا۔

بہر حال موت کا ایک ظاہر اثر تو یہ سامنے آتا ہے کہ انسان کا بدن کامل طریقہ پر اپاہج ہو جاتا ہے اور روح کی حکمرانی اور تسلط سے آزاد ہو جاتا ہے۔ جبکہ روح کے اعتبار سے اس پر دو طرح کے تغیرات مرتب ہو جاتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ روح سے اس کا مجوزہ بدن اور اعضاء، اسی طرح اسکے گھر والے اور رشتہ دار، اور اس کا مال و دولت سب چھین لیا جاتا ہے۔ جس سے فطری طور پر روح کو تکلیف ہوتی ہے۔ بلکہ جس روح کو اب دنیوی مشاغل سے جتنا زیادہ انس اور تعلق ہوتا ہے اور آخرت سے غفلت ہوتی ہے اتنا ہی اس روح کو انتقال سے اذیت کا احساس ہوتا ہے اور اگر وہ روح دنیوی اسباب کے بجائے ذکر خداوندی سے مانوس ہوتی ہے تو یہ انتقال اس کے لئے فرحت و سرور اور مسرت و بشاشت کا

عنوان بن جاتا ہے۔

(۲) اس انتقال روحانی سے دوسرا تغیر یہ سامنے آتا ہے کہ اس کے لئے وہ حالات منکشف ہو جاتے ہیں جو جسد عنصری کے ساتھ والی زندگی میں منکشف نہیں ہوتے۔ جیسا کہ کوئی سوتا ہوا شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو اس پر سامنے دکھائی دینے والی اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں، اسی طرح گویا کہ سب انسان نیند میں ہیں موت یعنی روح کے انتقال پر وہ سب بیداری کے عالم میں آجائیں گے اور سب سے پہلے ان پر یہ بات منکشف ہوگی کہ ان کی نیکیاں ان کے لئے کتنی نفع بخش ہیں اور برائیوں سے کیا نقصانات ہیں۔ (ملخص احیاء العلوم ۴/۳۰۹)

موت کی شدت

موت کے وقت کی شدت اور سختی ناقابل بیان ہے، اس کی اصل کیفیت وہی جان سکتا ہے جو اس حالت سے گزرتا ہے، قرآن کریم میں غافل انسانوں کو جھنجوڑتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (سورۃ ق آیت: ۱۹)

اور موت کی سختی حقیقۃً قریب آپہنچی، یہ وہ چیز ہے جس سے تو بدکتا ہے۔

دوسروں کا تو کیا کہنا خود آنحضرت ﷺ پر بھی موت کی یہ شدت طاری ہوئی، بخاری شریف میں روایت ہے کہ وفات کے قریب آنحضرت ﷺ سامنے رکھے ہوئے ایک برتن میں سے پانی لے کر اپنے چہرۂ انور پر چھڑکتے تھے تاکہ تکلیف کی شدت میں کچھ کمی ہو، اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ (بخاری شریف ۲/۶۴۰ حدیث ۴۴۴۹) "اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، واقعی موت کی سختیاں برحق ہیں" اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: کہ وفات کے وقت آنحضرت ﷺ کی شدت تکلیف اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اب میں کسی مرنے والے کی تکلیف کو ناپسند نہیں کرتی۔ (بخاری شریف کتاب المغازی ۲/۶۳۹

حدیث ۲۳۳۶) تو معلوم ہوا کہ موت کے وقت کی شدت کا معاملہ عام ہے، یہ حالت مومن پر بھی طاری ہوتی ہے اور کافر پر بھی طاری ہوتی ہے۔ البتہ اس کے اثرات الگ الگ مرتب ہوتے ہیں کہ مومن کے لئے یہ شدت درجات کی بلندی کا سبب ہوتی ہے جبکہ کافر اور فاجر کے لئے عذاب کی شروعات ہوتی ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کی غلطیوں کو معاف کرنے کے لئے اسے دنیوی تکالیف میں مبتلا فرماتا ہے اور اگر کوئی کسر رہ جاتی ہے تو موت کے وقت کی شدت سے اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ جبکہ اگر کوئی نیکی والا عمل کرتا ہے تو اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس عمل کی وجہ سے بھی موت سے آسانی بھی اسے نصیب ہو جاتی ہے۔ (شرح الصدور ۵۸)

موت کے وقت کیسا محسوس ہوتا ہے؟

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انتہائی عقلمند، مدبر اور ذکی و فہیم صحابہ میں ہیں، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ پر نزع کی کیفیت شروع ہوئی تو آپ کے صاحبزادے نے فرمایا کہ ابا جان! آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاش مجھے کوئی ایسا سمجھدار آدمی ملتا جو موت کے وقت کے حالات مجھے بتا دیتا، اور آپ کہتے تھے کہ تعجب ہے کہ آدمی ہوش میں رہنے کے باوجود موت کے وقت اپنے اوپر گزرنے والی حالت نہیں بتا پاتا۔ ابا جان! اب آپ اسی حالت میں پہنچ چکے ہیں۔ لہٰذا آپ ہی ہمیں بتایئے کہ آپ موت کے حالات کس طرح محسوس فرما رہے ہیں۔ صاحبزادے کی بات سن کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹے! حقیقت یہ ہے کہ موت کی کیفیت کو بیان کرنا الفاظ کی گرفت سے باہر ہے لیکن پھر بھی میں کچھ اشارات سمجھاتا ہوں، میں اس وقت ایسا محسوس کر رہا ہوں گویا میری گردن پر رضویٰ نامی پہاڑ رکھ دیا گیا ہے، اور مجھے ایسا لگ رہا ہے گویا کہ میرے پیٹ میں کانٹے کی شاخ ہے (جسے کھینچا جا رہا ہے) اور مجھے سانس لینے میں اتنی تنگی اور تکلیف ہے گویا کہ میری جان سوئی کے سوراخ میں سے ہو کر نکل رہی ہے۔ (شرح الصدور ۶۳)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "موت کا منظر دنیا اور آخرت میں انتہائی

ہولناک منظر ہے،اور موت کی تکلیف آروں سے چیرے جانے قینچیوں سے کاٹے جانے،اور دیگچیوں میں پکائے جانے سے بھی زیادہ سخت اور اذیت ناک ہے اور اگر کوئی مردہ قبر سے نکل کر دنیا کے زندہ لوگوں کی صرف موت ہی کی شدت سے باخبر کر دے تو لوگ عیش و آرام کو بھول جائیں گے اور ان کی راتوں کی نیندیں اڑ جائیں۔ (شرح الصدور ۱۴)

حضرت عمر بن الخطاب ؓ نے ایک مرتبہ حضرت کعب احبار ؒ سے پوچھا کہ ذرا موت کے بارے میں بتلایئے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین اسے یوں سمجھئے کہ کوئی انتہائی کانٹے دار ٹہنی آدمی کے پیٹ میں ڈال دی جائے اور اس کے کانٹے ہر ہر رگ اور جوڑ میں پھنس جائیں اور پھر کوئی نہایت طاقتور آدمی اس ٹہنی کو پکڑ کر سختی سے کھینچ لے تو اس عمل سے جتنی تکلیف ہوگی اس سے کہیں زیادہ تکلیف موت کے وقت ہوتی ہے۔ (شرح الصدور ۱۴)

حضرت عطاء بن یسار ؒ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ موت کا فرشتہ جب روح نکالتا ہے تو اس کی تکلیف تلوار کے ایک ہزار وار سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے اور موت کے وقت مومن کی رگ رگ میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور اس وقت شیطان بھی اس کے نہائیت قریب ہوتا ہے (تاکہ اسے آخری وقت میں بہکا سکے)

(شرح الصدور ۱۵)

مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی روح اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہنچی تو ان سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا آپ نے موت کو کیسا پایا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کہ کسی زندہ چڑیا کو انگیٹھی پر بھونا جائے کہ نہ تو وہ مرے ہی اور نہ چھوڑی جائے کہ اڑ کر بچ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایسا محسوس کیا جیسے کہ کسی زندہ بکری کی کھال اتاری جارہی ہو۔ (التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ ۲۱)

موت کے وقت شیطان کی آخری کوشش

انسان کا دشمن اعظم یعنی شیطان آخر وقت تک اپنی اس کوشش میں کوئی کسر نہیں رکھتا کہ آدمی کو کسی طرح ایمان سے محروم کر کے دائمی عذاب کا مستحق بنادے۔ چنانچہ روایات

میں آتا ہے کہ نزع کے وقت شیطان سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور مختلف انداز سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک روایت میں وارد ہے۔

اُحضُرُوا اَموَاتَکُم وَ لَقِّنُوهُم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَبَشِّرُوهُم بِالجَنَّةِ فَاِنَّ الحَلِیمَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ یَتَحَیَّرُ عِندَ ذٰلِکَ المَصرَعِ وَاِنَّ الشَّیطَانَ اَقرَبُ مَا یَکُونُ مِن ابنِ آدَمَ عِندَ ذٰلِکَ المَصرَعِ۔ (کنز العمال بیروت ۲۳۷/۱۵)

جو مسلمان موت کے قریب ہوں ان کے پاس رہو اور ان کو "کلمہ طیبہ" کی تلقین کرو اور جنت کی بشارت سناؤ اس لئے کہ اس ہولناک وقت میں بڑے بڑے عقلمند مرد و عورت حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور شیطان اس وقت انسان کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو ان کے صاحبزادے عبداللہ آپ کا جبڑا باندھنے کے لئے سامنے کپڑا لئے ہوئے کھڑے تھے۔ ادھر آپ کا حال یہ تھا کہ کبھی ہوش میں آجاتے کبھی استغراق کی کیفیت ہو جاتی، جب ہوش میں آتے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے فرماتے لا بعد۔ لا بعد (ابھی نہیں، ابھی نہیں) جب کئی مرتبہ یہ کیفیت ہوئی تو صاحبزادے نے پوچھا کہ ابا جان آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ شیطان میرے سامنے کھڑا ہے اور دانتوں میں انگلیاں دبا کر کہہ رہا ہے کہ افسوس! احمد تم میرے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں لا بعد۔ لا بعد یعنی ابھی تک تیرے فریب سے امن نہیں ہے جب تک کہ ایمان کامل پر موت نہ آجائے (العذکرہ ۵۵ و ۳م)

امام ابو جعفر قرطبیؒ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھئے تو وہ برابر لا لا یعنی انکار کا کلمہ فرماتے رہے۔ کچھ دیر میں جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو لوگوں نے عرض کیا کلمہ طیبہ کی تلقین کے جواب میں آپ۔ لا۔ فرماتے رہے۔ یہ کیا قصہ ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری تلقین کے مقابلے میں یہ کلمہ نہیں کہہ رہا تھا بلکہ دو شیطان میرے سامنے کھڑے تھے ایک کہتا تھا کہ نصاریٰ مذہب پر مرنا دوسرا کہہ رہا تھا کہ

یہودیوں کے مذہب پر مرنا ان کے جواب میں مَیں لا۔ لا (نہیں۔ نہیں) کہہ رہا تھا (تذکرہ)

مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ

دیوبند میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ایک قریبی عزیز مولانا محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، بڑے ہونہار اور صاحب علم وفاضل دارالعلوم تھے۔ مگر کم عمری ہی میں صحت خراب ہوگئی اور حالت نازک ہوتی چلی گئی ان کا نزع کے عالم میں کافی دیر تک شیطان لعین سے مناظرہ ہوتا رہا اور وہ اپنی ایمانی قوت کے ذریعے اس کے فریب کا جواب دیتے رہے۔ اس عبرت ناک اور حیرت ناک منظر کا خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا اور مرحوم کی وفات کے بعد "النعیم المقیم" کے نام سے ایک چھوٹے سے رسالے میں ان کے حالات تحریر فرمادیئے۔ اس قصے کی تفصیل بتاتے ہوئے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

عصر کے قریب بار بار حتلی ہونے لگی کہ اتنی فرصت نہ ملتی تھی جس میں نماز ادا کر لیں، مجھے بلا کر مسئلہ پوچھا کہ میں اس وقت معذورین کے حکم میں داخل ہوں یا نہیں؟ میں نے اطمینان دلایا کہ تم معذور ہو اسی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک وہ اسی عالم مشاہدہ میں تھے اور ارادہ کیا کہ حتلی سے کچھ سکون ہو تو نماز ادا کروں۔ لیکن اتنی ہی دیر میں دوسرے عالم کا مشاہدہ ہونے لگا۔ بعد مغرب جب احقر پہنچا تو حاضرین نے بیان کیا کہ کچھ دیر سے حواس میں اختلال ہے اور ہذیان کی باتیں کررہے ہیں۔ لیکن احقر داخل ہوا تو اچھی طرح پہچان کر مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھ دو اور دعا پڑھ دو۔ اور حضرت میاں صاحب (سیدی وسندی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند) سے میرا اسلام کہہ دیجئے اس کے بعد ہی شیطان رجیم سے مناظرہ شروع ہوا تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک اس کا سلسلہ احقر کی موجودگی میں جاری رہا اس سلسلے میں مجھے خطاب کرکے کہا کہ یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کررہا ہے۔

اب معلوم ہوا کہ حاضرین جسے ہذیان سمجھ رہے تھے وہ بھی اس مردود کے ساتھ

خطاب تھا۔ مرحوم کی ہمشیرہ پاس موجود تھیں اور دوسرے بہت سے مرد وعورت جو پاس تھے ان کا بیان ہے کہ مغرب سے کچھ دیر پہلے (جو جمعہ) کے روز بہت سی روایات وآثار کے اعتبار سے قبولیت دعا کی گھڑی ہے۔ اول مختصری وصیت اپنی دودن کی قضا شدہ نمازوں کے متعلق کی اور پھر بہت گڑگڑا کر تضرع وزاری کے ساتھ حق تعالیٰ سے دعا شروع کی "اے میرے پروردگار میں بہت بدعمل وروسیاہ ہوں ساری عمر معاصی وغفلتوں میں گزاری ہے میں تجھے کس طرح منہ دکھاؤں" لیکن تیرا ہی ارشاد ہے: "سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي" یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے جاتی ہے اس لئے میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں" یہ تضرع وزاری کی دعا اس شان سے ہوئی کہ عام حاضرین پر رقت طاری تھی۔

دعا کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا کہ باآواز بلند کہا کہ میں تیمم کروں گا ہمشیرہ نے مٹی کا ڈھیلہ سامنے کردیا تیمم کرتے ہی کہنا شروع کردیا کہ مردود تجھے بتلاؤں گا تو مجھے حق تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کرنا چاہتا ہے میں کبھی مایوس نہیں ہوں مجھے اس کی رحمت سے بڑی امیدیں ہیں۔ اس کی رحمت کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ میں ضرور جنت میں جاؤں گا۔

تو ایک موٹی سی کتاب لے کر اس وقت مجھے بہکانے آیا ہے خبیث تجھے اس لئے جرأت ہوئی کہ میں ستر روز سے مسجد میں نہیں گیا۔ مگر میری یہ غیر حاضری خدا کے حکم سے تھی۔

اس کے بعد آیت کریمہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ تک پڑھی اور آگے وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھنا چاہتے تھے کہ زبان کو لکنت ہوئی تو پھر زور سے بار بار پڑھا وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور شیطان سے خطاب کر کے کہا کہ مردود تو یہ بھلانا چاہتا ہے میں اس کو نہیں بھول سکتا یہ آیت مجھے حضرت میاں صاحب سلمہ نے بتلائی ہے اور مولوی محمد شفیع نے بتلائی ہے اور پھر بار بار بلند آواز سے اس جملہ: وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ کو پڑھا کہ کمرہ گونج اٹھا۔ یہ باتیں میرے پہنچنے سے پہلے ہو چکی تھیں جن کو حاضرین نے اختلال حواس سمجھا تھا مگر میرے پہنچنے پر اچھی طرح پہچان کر خوش ہوئے اور دعا کی

درخواست کی اور حضرت میاں صاحب مدظلہم کو سلام عرض کرنے کی وصیت وغیرہ سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت بھی اختلال حواس نہ تھا بلکہ عدو اللہ ابلیس لعین کو دیکھ کر اس سے مقابلہ کر رہے تھے چنانچہ میرے حاضر ہونے کے بعد مجھ سے کہا یہ مردود مجھے عصر کے وقت سے تنگ کر رہا ہے میں نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کی تلقین کی تو بلند آواز سے اس کو پڑھا اور کہا خبیث اب تجھے بتلاؤں گا تو مجھے بہکانے آیا ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ میرے دل میں گڑا ہوا ہے۔ اللہ اللہ میری رگ میں بسا ہوا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھا تو اس کو پڑھ کر کہا کہ آگے کیوں نہیں کہتے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ)

منہ سے خون کی قے جاری تھی اور جب اس سے ذرا فرصت ملتی تو کبھی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ﷺ) پورا پورا باآواز بلند پڑھتے تھے اور کبھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ اور کبھی: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ۔ الآیۃ اور کبھی شیطان سے خطاب کر کے کہتے کہ خبیث تو گیا نہیں مجھ سے خطاب کر کے کہتے کہ اس کو مارو، اس کو نکال دو۔

اس وقت اس چھ ماہ کے مدت کے مریض کی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب کشتی لڑنے کو کھڑا ہو جاوے گا ایک مرتبہ کہا کہ تو نے سمجھا ہوگا کہ یہ نازک وقت ہے اس وقت بہکا دوں دیکھ اب میرے بدن میں حرارت آ گئی ہے میں اب تجھے بتلاؤں گا۔

اس کے بعد کہا کہ یہ بہت سے آدمی کھڑے ہیں (وہاں سامنے کھڑے ہونے والے صرف دو تھے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نظر آ رہے تھے (غالباً فرشتوں سے خطاب کر کے کہا) کہ بس اب تو اللہ میاں کے یہاں لے چلو۔

الغرض اس قسم کی گفتگو کا سلسلہ عشاء کے بعد تک جاری رہا جس میں بار بار پورا کلمہ طیبہ پڑھتے رہے بالآخر ساڑھے نو بجے شب کو اس مسافر آخرت نے اپنی منزل طے کر لی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (ملخص رسالہ "النعیم المقیم")

تیسری فصل

اللہ انجام بخیر کرے

آدمی کو اپنے ظاہری اعمال پر کبھی اطمینان نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہمیشہ ڈرتا رہے کہ نہ جانے آخر میں انجام کیا ہو؟ علماء نے لکھا ہے کہ انسان پر زندگی میں خوف خدا کا غلبہ رہنا چاہیے اور مرتے وقت رحمت خداوندی کی طرف توجہ ہو جانی چاہیے۔ اصل اعتبار آخری انجام کا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ الزَّمَانَ الطَّوِيلَ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ عَمَلُهُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ وَ إِنَّ الرجلَ لَيَعمَلُ الزَّمانَ الطَّوِيلَ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (مسلم شریف ۳۳۴/۲)

آدمی ایک طویل زمانہ تک اہل جنت والے اعمال کرتا رہتا ہے مگر اس کی عملی زندگی کا اختتام جہنمیوں والے اعمال پر ہوتا ہے۔ اور کبھی آدمی طویل عرصہ تک جہنمیوں جیسے عمل میں مبتلا رہتا ہے مگر اس کا خاتمہ اہل جنت والے اعمال پر ہوتا ہے۔

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ وَ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ (بخاری شریف ۹۸۷/۲) یعنی اعمال کی قبولیت کا مدار انجام پر ہے۔ اس لئے ہمیشہ کوشش کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے کہ اس کے فضل اور توفیق سے خاتمہ بخیر ہو اور ایمان اور عمل صالح کے اعتبار سے سب سے اچھے وقت میں بارگاہ ایزدی میں حاضری کی دولت نصیب ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے "اے دلوں کو پلٹنے والے رب! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت قدم فرما دے" تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کثرت سے یہ دعا کیوں مانگتے ہیں کیا آپ کو کسی بات کا خطرہ ہے؟ اس پر آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ "عائشہ مجھے اپنے اوپر کیسے اطمینان ہو سکتا ہے جبکہ

تمام انسانوں کے دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں وہ جب چاہے اپنے جس بندے کے دل کو چاہے پھیر سکنے پر قادر ہے" (التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ ۴۴)

سوء خاتمہ سے ڈرتے رہیں

کوئی بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی حتمی طور پر یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ مرتے وقت اس کا انجام کیا ہوگا۔ دنیا میں ایسے عبرت ناک واقعات بکثرت پائے گئے ہیں کہ آدمی پوری زندگی اچھے اعمال کرتا رہا مگر آخری وقت میں اسکے حالات بگڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدانجامی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ذیل میں ایسے ہی چند عبرت آموز واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

بدنظری کا انجام

(۱) مصر میں ایک شخص برابر مسجد میں رہتا تھا پابندی سے اذان دیتا اور جماعت میں شرکت کرتا، چہرے پر عبادت اور اطاعت کی رونق بھی تھی، اتفاق سے ایک دن جب اذان دینے کے لئے مسجد کے مینارے پر چڑھا تو قریب میں ایک عیسائی شخص کی خوبصورت لڑکی پر نظر پڑی جسے دیکھ کر وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہوگیا اور اذان چھوڑ کر وہیں سے سیدھے اس مکان میں پہنچا، لڑکی نے اسے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے؟ میرے گھر میں کیوں آیا؟ اس نے جواب دیا میں تجھے اپنا بنانے آیا ہوں اس لئے کے تیرے حسن و جمال نے میری عقل کو ماؤف کر دیا ہے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ میں کوئی تہمت والا کام نہیں کرنا چاہتی ہوں تو اس نے پیشکش کی کہ میں تجھ سے نکاح کروں گا۔ لڑکی نے جواب دیا تو مسلمان اور میں عیسائی ہوں، میرا باپ اس رشتے پر تیار نہ ہوگا اس شخص نے کہا میں خود عیسائی بن جاتا ہوں۔ چنانچہ اس نے محض اس لڑکی سے نکاح کی خاطر عیسوی مذہب قبول کرلیا (نعوذ باللہ من ذلک) لیکن ابھی وہ دن بھی پورا نہ ہوا تھا کہ یہ شخص اس گھر میں رہتے ہوئے کسی کام کے لئے چھت پر چڑھا اور کسی طرح وہاں سے گر پڑا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی یعنی دین

بھی گیا اور لڑکی بھی ہاتھ نہ آئی۔ (المذکورہ ۴۳)

حضرات شیخینؓ پر تبرا کرنے کی سزا

(۲) مشہور مصنف علامہ ابن ابی الدنیا نے اپنے معرکۃ الآراء رسالہ "من عاش بعد الموت" میں کئی ایسے لوگوں کے واقعات لکھے ہیں کہ مرتے وقت انہوں نے آگ آگ چلانا شروع کر دیا اور جب ان کو کلمہ کی تلقین کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کلمہ نہیں پڑھ سکتے اس لئے کہ ہم ایسی جماعت سے متاثر تھے جو حضرات شیخین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سب وشتم کرتے تھے۔ (موسوعۃ الرسائل لابن ابی الدنیا ۲۳۶)

اس طرح عبرت ناک واقعات کتب تاریخ میں بکثرت موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرات صحابہؓ سے بغض وعداوت بدانجامی کا بڑا سبب ہے۔ بعض واقعات اس طرح کے بھی ہیں کہ صحابہ بغض رکھنے والوں کی صورتیں ذلیل جانوروں میں تبدیل کر دی گئیں۔ (مجابی الدعوۃ ۵۴/۳۶) نعوذ باللہ منہ۔

شراب نوشی۔ بدانجامی کا سبب

(۳) معبد جہنی کا بیان ہے کہ ملک شام میں ایک شرابی شخص کو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کی گئی تو اس نے جواب میں کلمہ پڑھنے کے بجائے یہ الفاظ کہنے شروع کئے "اشرب واسقنی" (خود پی اور مجھے بھی پلا) یعنی اس کے دماغ پر شراب نوشی ہی مسلط رہی (المذکرۃ فی احوال الموتی ۴۰)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ شراب نوشی سے بھی آدمی بکثرت بدانجامی سے دوچار ہوتا ہے یہ گناہ تمام تر گناہوں کی جڑ اور بنیاد ہے اور سوء خاتمہ کا بڑا سبب ہے۔

دنیا سے حد سے زیادہ لگاؤ کا انجام

(۴) شہر اہواز میں ایک شخص کو مرتے وقت کلمے کی تلقین کی گئی تو وہ کلمہ پڑھنے کے بجائے یہی کہتا رہا "گیارہ، بارہ، تیرہ" یہ شخص حساب داں تھا اور پوری زندگی اس کی حساب

وکتاب میں گذری تھی دین سے کچھ رغبت نہ تھی اس لئے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کے بجائے حساب ہی لگاتا رہا۔ اسی طرح ایک شخص کو نزع کے وقت کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو وہ کہنے لگا کہ میرے فلاں گھر کے اندر فلاں چیز ٹھیک کردو اور میرے فلاں باغ کے اندر اس طرح اصلاح کردو یعنی مرتے وقت بھی اس کا دل مکان اور باغ میں اٹکا رہا۔

(۵) ایک شخص نے زرد گائے پال رکھی تھی اور وہ اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا جب مرتے وقت اس کو کلمہ کی تلقین کی گئی تو اس کی زبان پر زرد گائے، زرد گائے کی گردان ہی رہی۔ (التذکرۃ ۴۰، ۴۱)

ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دنیاداری میں حد سے زیادہ مشغولیت اور دن رات کاروبار اور پیسہ کمانے کی دھن ایسی لعنت ہے جو انسان کو حسن خاتمہ کی دولت سے محروم کرسکتی ہے۔ اللھم احفظنا منھم۔ آمین۔

اللہ والوں کو اذیت دینے کا انجام

(۶) مشہور عالم علامہ ابن حجر ہیثمیؒ نے "فتاوی حدیثیہ" میں نقل کیا ہے کہ ابن السقاء۔ نام کا ایک شخص جس نے علوم اسلامیہ میں زبردست مہارت حاصل کر کے فرق باطلہ سے بحث و مناظرے کا ملکہ حاصل کرلیا تھا اپنی علمی صلاحیت کی وجہ سے اس کو خلیفۃ المسلمین کا تقرب حاصل ہوا اور خلیفہ نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے بادشاہ روم کے دربار میں اسے اپنی حکومت کا سفیر بنا کر بھیج دیا۔ رومی بادشاہ نے اس کے اعزاز میں بڑے بڑے امراء اور عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں اور پادریوں کی ایک عظیم مجلس منعقد کی جس میں عقائد پر بحث کے دوران ابن السقاء نے ایسی مدلل گفتگو کہ سارے حاضرین پر سناٹا چھا گیا اور کسی سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ عیسائی بادشاہ کو مجلس کا یہ رنگ دیکھ کر سخت ناگواری ہوئی اور اس نے ابن السقاء کو شیشے میں اتارنے کے لئے خلوت میں اس کے سامنے اپنی حسین وجمیل بیٹی کو پیش کیا ابن السقاء نے اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر بادشاہ سے اس سے نکاح کی درخواست کی بادشاہ نے یہ شرط لگائی کہ اگر تو عیسوی مذہب قبول کرلے تو نکاح ممکن ہے۔ چنانچہ وہی ابن

السقاء جس نے بادشاہ کی مجلس میں عیسوی مذہب کے تارو پود بکھیر کر عیسائیوں کو لا جواب ہونے پر مجبور کر دیا تھا محض ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو کر عیسوی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گیا اور اسی ارتدادی حالت میں جہنم رسید ہوا۔ (اعاذنا اللہ منہ) کہتے ہیں کہ ابن السقاء نے شروع طالب علمی کے زمانہ میں ایک بڑے بزرگ کی شان میں گستاخی کرنے اور انہیں ذلیل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ان بزرگ نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں تجھ کو جہنم میں جلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (فتاویٰ حدیثیہ ۴۱۵)

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والے کا بدترین انجام

(۷) ایک شخص جس کا نام زرعہ تھا اس نے میدان کربلا میں ریحانۃ الرسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تیر مار کر پانی کی طرف جانے سے روک دیا تھا اور اپنے تیر سے آپ کی گردن کو زخمی کر دیا تھا، اس کے اس عمل پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے بددعا نکلی کہ "اے اللہ اسے پیاسا کر دے، اے اللہ اسے پیاسا کر دے۔" راوی کہتا ہے کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جو زرعہ کے مرض الموت میں اس کے پاس حاضر تھا کہ اس کا عبرت ناک حال یہ تھا کہ وہ بیک وقت پیٹ کی طرف سخت گرمی اور پیٹھ کی طرف سخت سردی محسوس کر کے چیخ رہا تھا۔ اس کے سامنے لوگ پنکھا جھل رہے تھے جبکہ اس کی پیٹھ کی طرف انگیٹھی رکھی ہوئی تھی۔ اور وہ کہے جا رہا تھا "مجھے پانی پلاؤ پیاس سے میں مرا جا رہا ہوں" چنانچہ ایک بہت بڑا ٹب لایا گیا جس میں ستو یا دودھ تھا۔ وہ اتنا زیادہ تھا کہ پانچ آدمی ملکر بھی نہ پی پاتے، مگر وہ سب اکیلا ہی پی گیا، اور پھر بھی پیاس پیاس پکارتا رہا۔ اس کا پیٹ اونٹ کے پیٹ کی طرح بڑا ہو گیا تھا۔ اللھم احفظنا منه نعوذ باللہ من ذلك۔ (مجابی الدعوۃ ۱۰)

سیدنا حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر جھوٹا دعویٰ کرنے والی عورت کا انجام

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا شمار ان دس خوش نصیب صحابہ میں ہوتا ہے جن کو جناب

رسول ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت مرحمت فرمائی ہے۔ ایک عورت اروئی بنت اویس نے آپ پر دعویٰ کر دیا کہ آپ نے اس کے مکان کے کچھ حصے پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ معاملہ مروان بن الحکم تک پہنچا جو اس وقت مدینہ کے گورنر تھے۔ حضرت سعیدؓ کو عدالت میں بلایا گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھلا میں کیسے کسی کی زمین دبا سکتا ہوں جبکہ میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی غصب کر لے تو اس کے نیچے کی ساتوں زمین کی مٹی اس کے گلے میں قیامت کے دن طوق بنا کر ڈال دی جائے گی۔ مروان نے یہ جواب سن کر کہا کہ اس کے بعد آپ سے مزید کسی ثبوت مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت سعیدؓ نے عورت پر بددعا فرمائی کہ: "اے اللہ اگر یہ عورت اپنے دعوے میں جھوٹی ہے تو (۱) میرے دعویٰ کی سچائی لوگوں پر ظاہر فرما، (۲) اس عورت کی بینائی سلب فرما، (۳) اور اس کی قبر اس کے گھر میں بنا دے" راوی فرماتا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ روز بعد ہی مدینے میں ایسا سیلاب آیا کہ اس سے مکان کی اصل بنیادیں ظاہر ہو گئیں اور حضرت سعیدؓ کی سچائی واضح ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد مدعیہ عورت کی بینائی جاتی رہی۔ اور پھر ایک دن وہ ٹٹول ٹٹول کر اپنے گھر میں چل رہی تھی کہ گھر ہی کے ایک کنویں میں گر کر مر گئی۔ (مسلم شریف ۲/ ۳۳، الاصابہ ۲/ ۸۸، اسد الغابہ ۲/ ۲۳۶)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ پر بہتان لگانے والے کا انجام

(۹) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بڑے مستجاب الدعوات صحابہ میں ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے گورنر تھے۔ اہل کوفہ میں سے کچھ لوگوں نے ان کے بارے میں شکایتیں حضرت عمرؓ تک پہنچائیں جن میں یہ شکایت بھی تھی کہ وہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے انہیں مدینے بلا کر تحقیق فرمائی تو آپ نے جواب دیا کہ میں تو انہیں آنحضرت ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتا ہوں یعنی عشاء کی ابتدائی دو رکعتیں طویل پڑھاتا ہوں اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ واقعی آپ سے یہی اُمید تھی، پھر حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو مزید تحقیق کے لئے کوفہ بھیجا کہ وہ مسجد مسجد جا

کر معلوم کریں کہ کوفہ والوں کا حضرت سعدؓ کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ چنانچہ ان لوگوں نے جس مسجد میں بھی تحقیق کی وہاں کے لوگوں نے حضرت سعدؓ کی تعریف کی۔ مگر جب یہ لوگ "بنی عبس" کی مسجد میں پہنچے تو وہاں ایک شخص جس کا نام اسامہ اور کنیت ابوسعدۃ تھی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ جب آپ اللہ کا واسطہ دے کر تحقیق کرتے ہیں تو سنئے! کہ سعد نہ تو جہاد میں جاتے ہیں، اور نہ غنیمت کو تقسیم کرنے میں برابری کرتے ہیں اور نہ فیصلوں میں انصاف سے کام لیتے ہیں۔ اس کے یہ الزامات سن کر حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم اب میں تین بددعائیں کرتا ہوں۔ اے اللہ اگر یہ تیر بندہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو اور محض ریاکاری اور شہرت کے لئے اس نے یہ جھوٹے الزام لگائے ہوں تو (۱) اس کی عمر لمبی فرما (۲) اور اس کے فقر و فاقہ کو طویل کر دے (۳) اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔ اس روایت کے راوی عبدالملک کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اس شخص کو اس حال میں دیکھا کہ انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھنویں تک اس کی آنکھوں پر لٹک آئی تھیں لیکن وہ راستہ چلتی لڑکیوں سے بھی چھیڑ چھاڑ کرنے سے بعض نہ آتا تھا۔ اور جب اس سے اس کا حال پوچھا جاتا تو جواب دیتا کہ شَيْخٌ مَفْتُونٌ اَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ یعنی فتنہ میں مبتلا بوڑھا ہوں، مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔ (بخاری شریف ۱۰۴/۱ مجابی الدعوۃ ۳۵ م)

صحابہ پر طعن و تشنیع کرنے والے پر حضرت سعدؓ کی بددعا

عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ ایک ایسی جماعت پر گذرے جو سب کسی شخص کی گفتگو غور سے سر جھکا کر سننے میں مشغول تھے۔ آپ نے بھی تحقیق حال کے لئے سر اندر ڈال کر اس کی بات سنی تو دیکھا کہ وہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر لعن طعن کر رہا تھا، حضرت سعدؓ نے اسے اس حرکت سے منع کیا، مگر وہ باز نہیں آیا، تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو! میں تجھ پر بددعا کر دوں گا، اس نے کہا کہ آپ تو ایسے دھمکی دے رہے ہیں گویا کہ آپ نبی ہوں؟ اس کے بعد حضرت سعدؓ گھر تشریف لے

گئے۔ وضو فرمایا، دو رکعت نماز پڑھی، اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں بددعا کی کہ "اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ یہ ایسے لوگوں پر سب وستم کر رہا ہے جن کے اعمال تیرے دربار میں پہنچ چکے ہیں، اور اس نے انہیں برا بھلا کہہ کر تیرا غصہ مول لیا ہے۔ تو اسے تو آج ہی عبرت ناک نشانی بنادے۔ اب عامر بن سعدؓ کہتے ہیں کہ بددعا مانگتے ہی ایک بدکا ہوا بختی اونٹ سامنے سے نکل کر مجمع کو چیرتا پھاڑتا سیدھا اس شخص تک پہنچا لوگ ڈر کے مارے دو بھاگ گئے اور اس بدکے ہوئے اونٹ نے صحابہؓ کی شان میں زبان درازی کرنے والے شخص کو اپنے پیروں اور منہ سے اس کے اعضاء چبا چبا کر برسرِ عام ہلاک کر ڈالا، یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر لوگ دوڑتے ہوئے حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے اور انہیں خبر سنائی کہ اے ابو اسحٰق (حضرت سعدؓ کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی بددعا کی قبولیت ظاہر کردی ہے۔ (البدایہ و النھایۃ ۷/۷۰)"

یہ چند واقعات ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں، ورنہ تو تاریخ کے ہر دور میں ایسے واقعات پائے گئے ہیں کہ جن بدنصیبوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ستایا ہے انکا حشر برا ہوا ہے۔ سوءِ خاتمہ کے منجملہ اسباب میں سے ایک بڑا سبب اولیاء اللہ سے بغض اور ان کی شان میں ہرزہ سرائی بھی ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۳) یعنی جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس کے خلاف اعلان جنگ کردیتا ہوں، اس لئے ہر مسلمان کو کسی بھی اللہ والے کی شان میں گستاخی اور زبان درازی سے پوری طرح احتراز کرنا لازمی ہے۔ تاکہ وہ حسن خاتمہ کی دولت سے محروم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدانجامی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

چوتھی فصل

حسن خاتمہ! عظیم دولت

جس شخص کو ایمان کامل اور اعمال صالحہ کے ساتھ دنیا سے رحلت نصیب ہو جائے تو یہ ایسی عظیم دولت ہے جس کے مقابلے میں کائنات کی ہر دولت ہیچ ہے۔ اس لئے ان تمام اسباب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو حسن خاتمہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نفع بخش اور مفید چیز علماء اور اولیاء اللہ سے تعلق اور محبت ہے۔ جو شخص اللہ کے نیک بندوں سے جتنا زیادہ تعلق رکھے گا انشاء اللہ آخرت میں وہ اتنا ہی کامیاب و کامران ہوگا، جناب رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (ترمذی شریف ۲/ ٦٤) یعنی آدمی کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا، تو اگر ہماری محبت اولیاء اللہ کے ساتھ ہوگی تو انشاء اللہ ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ حضرت یزید ابن شجرۃؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرتے وقت آدمی کے سامنے اس کے اہل مجلس پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ لہو ولعب والی سوسائٹی میں پڑا رہا تو وہی لوگ پیش ہوتے ہیں اور اگر اہل خیر کے ساتھ تعلق رکھتا تھا تو انہی کو پیش کیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور ۱۴۱)

بہر حال صلحاء اور اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت حسن خاتمہ کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے اس کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔

اللہ والوں کی رحلت کے بعض قابل رشک

اور بشارت آمیز حالات

حسن خاتمہ سے مرنے والے کی محض ظاہری حالت مراد نہیں ... کیونکہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا صالح اور بزرگ شخص خطرناک حادثہ سے دوچار ہوکر

اچانک وفات پا جاتا ہے اور کبھی کوئی بدعمل شخص بڑی آسانی اور اچھی حالت میں رحلت کرتا ہے۔ بلکہ حسن خاتمہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کامل ایمان بہتر اعمال، انابت الی اللہ، اور رحمت خداوندی کا امیدوار ہو کر بارگاہ ایزدی میں پہنچے، ان حالات کے ساتھ ظاہری طور پر اسے کتنی ہی تکلیفیں پہنچیں تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ اور اگر یہ کیفیات معدوم ہوں تو پھر محض آسانی کی موت سے آخرت میں کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو اسے مٹھاس عطا فرما دیتا ہے، حضرات صحابہؓ نے عرض کیا کہ مٹھاس عطا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اسے انتقال سے قبل ایسے اعمال خیر کی توفیق عطا کرتا ہے کہ اس کے پاس پڑوس میں رہنے والے اس سے خوش ہوتے ہیں اور بعد میں اس کی تعریف کرتے ہیں (الزواجر، عن ابن حبان ۲/۳۹۵) اسی طرح ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا مرتے وقت آخری کلام کلمۂ شہادت اور کلمۂ طیبہ ہو اور دل کے کامل یقین کے ساتھ وہ اسے پڑھے تو انشاء اللہ اسے جنت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ آئندہ صفحات میں حضور اکرم ﷺ اور چند صحابہؓ اور اولیاء اللہؒ کے حالات وفات پیش کئے جاتے ہیں تا کہ شوق و ذوق کے ساتھ ساتھ ان حضرات کی عظمت و محبت سے بھی ہمارے سینے معمور ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حادثۂ وفات

امت محمدیہ کے لئے سب سے بڑا سانحہ جس کے تصور سے آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ہمارے آقا و سردار، سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس دنیا سے پردہ فرمانا ہے۔ یہ ایسا المناک لمحہ تھا کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی اپنے حواس بجا نہ رکھ سکے اور ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیر چھا گیا [illegible] نا [illegible] رت عمر رضی [illegible] تعالیٰ عنہ جیسے جری اور بہادر شخص بھی تلوار لے کر مسجد نبوی میں کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پردہ فرما چکے ہیں تو اسی تلوار

سے اس کی گردن ماردی جائے گی۔ اس وقت امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری بیدار مغزی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ اعلان فرمایا:

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَإِنَّ مُحَمَّداً قَدْ مَاتَ۔ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمُوتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الخ۔ (بخاری شریف ۲/۶۴۰)

تم میں سے جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سمجھ لے کہ محمد اب اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں، اور جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقین کر لے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے اس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی، پھر آپ نے یہ آیتیں پڑھیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ الخ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیتیں آج ہی نازل ہو رہی ہیں، جب مجھے آپ کی موت کا یقین ہو گیا تو میری حالت یہ ہوگئی کہ میرے قدم میرا بوجھ اٹھانے کے متحمل نہ رہ پائے اور میں بے اختیار زمین پر گر گیا۔ (بخاری شریف ۲/۶۴۰)

شدید مرض الوفات میں جب آپ جماعت سے نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف نہ لا سکے تو آپ نے تاکید کر کے سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی حیات میں ۱۷ نمازیں ادا کرائیں۔ اس دوران نبی اکرم ﷺ نے امت کو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھنے، غلام باندیوں اور عورتوں کے حقوق کی رعایت کرنے نیز نماز کا اہتمام رکھنے کی تاکید اور وصیت فرمائی، اسی شدت کے عالم میں آپ ﷺ نے اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ بنانے سے سختی سے منع فرمایا، اور اس سلسلے میں یہودیوں کی بدعملی پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، اِتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ (بخاری شریف ۲/۶۳۹)

اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے یہودیوں پر کہ انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

موت کی شدت اور تکلیف میں زیادتی اور بے چینی سے آپ کی زبان مبارک پر یہ دعا جاری رہی:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (شمائل ترمذی/۲۶)

اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اکثر آپ سے یہ بات سنا کرتی تھی کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ خود اس سے دنیا یا آخرت میں رہنے کے بابت اس کی رائے معلوم نہ کرلی جائے۔ چنانچہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا جب کہ آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا تو آپ کا سانس تیز چلنے لگا اور آپ نے فرمایا: مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ۔ (یعنی میں نے ان لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کرلیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے الخ) تو میں سمجھ گئی کہ اب آپ نے آخرت کو اختیار فرمالیا ہے۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیوی زندگی میں سب سے آخری عمل جو انجام دیا وہ مسواک کے ذریعہ پاکیزگی حاصل کرنا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مرض الوفات میں آنحضرت ﷺ میری گود میں سر رکھ کر آرام فرماتے، اسی درمیان میرے بھائی عبدالرحمن ابن ابی بکر اس حال میں آئے کہ ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی، جس سے وہ مسواک کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس مسواک کو نظر جما کر دیکھا (جس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں) لہذا میں نے وہ مسواک ان سے لے کر اچھی طرح چبا کر ملایم کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نہایت عمدہ طریقہ پر مسواک فرمائی۔ اور ابھی آپ اس سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ آپ نے اپنا دست مبارک یا انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے فی الرفیق الاعلی پھر میری گود ہی میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (بخاری شریف ۲/۶۳۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے وفات کے وقت یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی وَالْحِقْنِی بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ۔ (بخاری شریف)

اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھے پر رحم فرما، اور اعلیٰ درجے کے رفیق کے ساتھ مجھے لاحق فرما۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سے مدینے میں کہرام مچ گیا۔ سچے جانثاروں کا آسرا چلا گیا، محبان نبوت کا سب سے بڑا محبوب خود اپنے محبوب یعنی رب العالمین سے وصال کی سعادت سے بہرہ ور ہوگیا، مدینہ میں ہر طرف سسکیاں اور آہیں تھیں۔ جن کا اظہار زبان سے کم آنکھوں سے بہنے والے گرم گرم آنسوؤں کے سیل رواں سے زیادہ ہو رہا تھا۔ مسجد نبوی میں موجود حضرات صحابہ کی حالت عجیب تھی، کوئی بھی اس المناک حادثے پر اپنے ہوش میں معلوم نہ ہوتا تھا کسی کی زبان گنگ تھی، تو کوئی آنسوؤں کے سیلاب میں تصویر غم بنا ہوا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ اب کیا ہوگا؟ نظریں اس نازک موقع پر آپ ﷺ کے سب سے قریبی رفیق سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈ رہی تھیں کچھ دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نڈھال قدموں سے تشریف لائے، پہلے سیدھے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے جہاں آپ ﷺ کا جسد خاکی یمنی چادر میں ڈھکا ہوا رکھا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے چادر ہٹائی اور روتے ہوئے پیشانی کا بوسہ لیا، اور فرمایا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا۔ اور جو موت آپ کے لئے مقدر تھی، وہ آچکی" (یعنی اب آپ دوبارہ تشریف نہیں لائیں گے کہ پھر موت آئے)

(بخاری شریف مع حاشیہ ۶۴۰/۲)

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیشانی مبارک کو چومنے کے بعد آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

"حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کی زندگی بھی پاکیزہ تھی اور موت بھی پاکیزہ ہوئی، اور آپ کی وفات حسرت آیات سے نبوت کا وہ سلسلہ ختم ہوگیا جو آپ

سے پہلے کسی نبی کی وفات سے ختم نہ ہوا تھا، آپ کی شان نا قابل بیان ہے اور آپ کی ذات رونے سے بالاتر ہے، آپ نے امت سے وہ خصوصی برتاؤ کیا کہ آپ کی ذات سراپا تسلی گاہ بن گئی، اور آپ نے رحمت کو اس قدر عام کیا کہ ہم سب آپ کی نظر میں برابر قرار پائے، آپ کی موت اگر اختیاری ہوتی تو ہم آپ کی وفات کے بدلے کتنی ہی جانیں لٹا دیتے، اور اگر آپ نے رونے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو آپ کی یاد میں اپنی آنکھوں کے آنسو خشک کر ڈالتے، مگر ایک چیز ہمارے قابو سے باہر ہے وہ دل کی کڑھن اور آپ کی جدائی پر ذہنی تکلیف ہے جو برابر باقی رہے گی کبھی ختم نہ ہوگی۔ اے اللہ! ہمارے یہ جذبات ہمارے حضور تک پہنچا دے۔ اور اے محمد (ﷺ) آپ اپنے پروردگار کے دربار میں ہمیں یاد رکھئے، اور اپنے دل میں ہمیں بسائے رکھئے، اور یقین جانئے کہ اگر آپ نے ہمیں صبر و سکون کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ہم اس وحشت اثر حادثہ کو ہرگز برداشت نہ کر پاتے۔ اے اللہ! ہمارا یہ پیغام ہمارے نبی تک پہنچا دے، اور ہمارے بارے میں اسے محفوظ فرما"

اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور تسلی آمیز خطبہ ارشاد فرمایا جس سے لوگوں کے ہوش بجا ہوئے اور خلافت، نماز جنازہ اور تدفین کے مراحل انجام دیئے گئے۔ (الروض الانف ۴/۴۴۵)

۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ پیر کے دن چاشت کے وقت آپ کی وفات ہوئی۔ پیر کا بقیہ دن اور منگل کی رات خلافت کے قیام اور بیعت کی تکمیل میں صرف ہوئی، منگل کی صبح کو آپ کو غسل دیا گیا، پھر انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا جو پورا دن گذار کر رات تک جاری رہا، پھر اس رات ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ أَلْفَ أَلْفَ مَرَّةٍ۔ (الروض الانف ۴/۴۵۴، البدایۃ والنہایۃ ۸۴/۵، دلائل النبوۃ وغیرہ)

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے شدت مرض کے زمانے میں آپ کی سب سے چہیتی صاحبزادی، اہل جنت عورتوں کی سردار، سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جن کو آپ نے پہلے ہی اپنی وفات کی اور پھر اہل بیت میں سے سب

سے پہلے انتقال کی خبر دے دی تھی) حاضر خدمت ہوئیں اور آپ کی شدید تکلیف دیکھ کر فرمایا: وَا کَرْبَ اَبَاہُ! (ہائے میرے والد کی تکلیف) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بیٹی! آج کے بعد پھر کبھی تمہارے باپ پر کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ پھر جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آخری دیدار کے لئے تشریف لائیں اور آپ کے جسد مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

يَا اَبَتَاه، اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ، يَا اَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاوَاهُ، يَا اَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرَئِيلَ نَنْعَاهُ۔ (بخاری شریف ۲/۱ ۶۴۱)

ہائے میرے پیارے ابا جان! جنہوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی۔ وائے میرے مشفق اور عزیز والد! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے۔ اے والد نامدار! جن کی وفات پر ہم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے گریہ وگزاری کر رہے ہیں۔

پھر جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شدت تاثر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

يَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ التُّرَابَ۔ (بخاری شریف)

میاں انس! تم نے یہ کیسے گوارہ کر لیا کہ تم آنحضرت ﷺ کے جسد اقدس پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ زبان حال سے جواب دے رہے تھے کہ واقعی دل تو نہ چاہتا تھا مگر حکم نبوی کی تعمیل میں جبراً یہ عمل انجام دینا پڑا۔ (فتح الباری ۱۴۹/۸)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قبر مبارک سے مٹی اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھی اور اسے سونگھا پھر یہ اشعار پڑھے۔

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَ ☆ اَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا ☆ صُبَّتْ عَلَى الْاَيَّامِ عُدْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ: محمد ﷺ کی قبر شریف کی مٹی سونگھنے والا اگر مدہوش ہو کر پھر عمر بھر کچھ سونگھنے

کے قابل نہ رہے تو اس میں حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ اس حادثہ سے میرے اُوپر مصیبتوں کے وہ پہاڑ ٹوٹے ہیں کہ ایسی مصیبت اگر دنوں پر نازل ہوتی تو وہ اندھیری راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔(اشرف الوسائل ۵۸۷)

اہل مدینہ کا یہ معمول تھا کہ جب کسی مصیبت زدہ کو تسلی دینی ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کا حادثہ وفات اسے یاد دلایا جاتا، جس کے تصور کے بعد اپنی ہر مصیبت اور تکلیف آسان معلوم ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے اور پوری امت کی طرف سے آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ علی سیدالمرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ السلام کی افضل ترین شخصیت اور آنحضرت ﷺ کے محب ومحبوب رفیق، خلیفہ اول امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سبب وفات کے بارے میں متعدد حضرات نے لکھا ہے کہ دراصل آپ کو سرورِ کائنات، فخر موجودات، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات کا اس قدر صدمہ تھا کہ آپ اندر ہی اندر گھٹتے رہے۔ اور برابر لاغر ونحیف اور کمزور ہوتے چلے گئے، اور یہی اندرونی کڑھن اور تکلیف آپ کی وفات کا سبب بنی۔ آپ نے مرض الوفات میں اکابر اصحاب الرائے صحابہؓ کے مشورہ سے اپنے بعد سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ متعین فرمایا اور اس پر بیعت لی اور جب یہ کام بخیر وخوبی انجام پا گیا تو آپ نے بارگاہ ایزدی میں یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! میں نے جو کام کیا ہے اس سے میرا مقصود صرف مسلمانوں کی اصلاح ہے۔ میں نے فتنہ کے ڈر سے جو کچھ کیا اس کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں، میں نے اس معاملے میں اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے اور اپنی دانست میں مسلمانوں میں سب سے بہتر، طاقتور، اور نیکی پر حریص شخص کو ان پر حاکم بنایا ہے۔ میں آپ کے حکم سے اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہا ہوں، آپ ان میں میری طرح کے خیر خواہ لوگ پیدا فرمائیے، مسلمانوں کے حکام

کو صلاحیت سے نواز دیجئے اور عمر بن الخطابؓ کو خلفاء راشدین میں داخل فرمائیے۔ اور ان کی رعایا کی اصلاح فرمائیے"۔

آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اپنے مشفق والد ماجد کی مایوس کن بیماری سے سخت پریشان تھیں جب عیادت کے لئے تشریف لاتیں تو آپ کی تکلیف دیکھ کر بے قراری والے اشعار پڑھا کرتیں، حضرت ابوبکرؓ یہ جواب دیتے، کہ بیٹی! یہ اشعار مت پڑھو بلکہ یہ آیت پڑھو:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۔ (سورۃ ق ۱۹)

اور وہ آئی موت کی بے ہوشی، تحقیق یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وفات سے قبل حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ بیٹی! مجھے میرے ان مستعمل کپڑوں ہی میں کفن دینا اور آج پیر کا دن ہے اگر میرا رات تک انتقال ہو جائے تو میرے دفن میں کل کا انتظار نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جتنی جلدی پہنچ جاؤں اتنا ہی بہتر ہے۔ (تاریخ الخلفاء ۱۰۲.۱۰۶)

اور یہ بھی مشہور ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ دعا جاری تھی:

تَوَفَّنِيْ مُسْلِماً وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ۔ (یوسف آیت/۱۰۱)

موت دے مجھ کو اسلام پر، اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔

اس دعا کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ (مشاہیر کے آخری کلمات ۱۲)

رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ رحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

حضرت سعید بن المسیبؒ سے مروی ہے کہ جب سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی حالت دگرگوں ہے اس لئے ہمیں کسی نصیحت سے سرفراز فرمائیے تو حضرتؓ نے فرمایا: کہ جو شخص درج ذیل دعائیں پڑھے گا اور پھر اسے موت آجائے گی تو اللہ تعالی اس کو افق مبین میں جگہ عطا کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ افق مبین کیا ہے؟ تو آپ نے

فرمایا کہ وہ عرش خداوندی کے سامنے ایک میدان ہے جس میں باغیچے، نہریں اور درخت ہیں۔ وہ کلمات دعا یہ ہیں۔

اے اللہ! آپ ہی نے سب مخلوقات کو پیدا فرمایا جبکہ آپ کو ان کی پیدائش کی مطلق ضرورت نہ تھی، پھر آپ نے مخلوقات کے دو حصے فرمائے ایک حصہ جنتی اور ایک حصہ جہنمی ہے۔ لہذا مجھے جنتی بنائیے، جہنمی نہ بنائیے!

اے اللہ! آپ نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی انہیں شقی یا سعید بنانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ لہذا میری بدعملیوں کے سبب شقی مت بنایئے۔

اے اللہ! آپ پیدائش سے پہلے ہی سے جانتے ہیں کہ کون کیا کرے گا۔ پس مجھے ان لوگوں میں شامل فرمائیے جن کو آپ نے اپنی اطاعت میں لگے رہنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

اے اللہ! کوئی شخص کچھ نہیں چاہ سکتا جب تک آپ نہ چاہیں، پس میری چاہت صرف یہ بنا دیجئے کہ میں وہی چاہوں جو مجھ کو آپ کا قرب عطا کردے۔

اے اللہ! بندوں کی ہر حرکت آپ کی اجازت کی محتاج ہے پس میری نقل وحرکت اپنے تقوی کے مطابق کر دیجئے۔

اے اللہ! آپ نے خیر وشر کو پیدا کر کے ہر ایک کے عامل الگ الگ مقرر کئے ہیں۔ پس مجھے خیر کی توفیق والے لوگوں میں شامل کر دیجئے۔

اے اللہ! آپ نے جنت اور جہنم کو بنا کر ہر ایک کے الگ الگ بسانے والے افراد مقرر کئے ہیں۔ مجھے جنت کے مکینوں میں شامل فرما دیجئے۔

اے اللہ! آپ نے بعض لوگوں کے لئے ضلالت اور گمراہی مقرر کر رکھی ہے جن کو اسلام پر شرح صدر نصیب نہیں۔ پس مجھے اسلام اور ایمان پر شرح صدر عطا فرمائیے اور اس کو میرے دل میں مزین فرما دیجئے۔

اے اللہ! آپ ہی نظام کائنات کے مدبر ہیں۔ پس مجھے ایسی بہترین زندگی عطا فرمائیے جو آپ کے تقرب سے مالا مال ہو۔

اے اللہ! بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ صبح شام ان کو آپ کے علاوہ پر بھروسہ ہے۔ مگر میرا مکمل اعتماد، اُمید اور ہر طرح کی نصرت صرف اور صرف آپ ہی کی ذات سے وابستہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ سب کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں (اور جو یہ جذبات رکھے گا اس کو افق مبین سے نوازا جائے گا) (کتاب العاقبۃ للاشبیلی ۶۳)

امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظمؓ کی وفات کے وقت ہوشمندی

آنحضرت ﷺ کے چہیتے اور منہ مانگے صحابی جلیل، اسلام کے عظیم ترین ستون، تاریخ اسلامی کے درخشندہ ستارے امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب فارق اعظمؓ نے وفات سے قبل جس ہوشمندی، اور امت کے لئے فکر مندی کی تاریخ رقم فرمائی ہے وہ بجائے خود تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ آپ کو ایک مجوسی غلام "ابولولو" نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے نیزے سے شدید زخمی کر دیا تھا، آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، مدینہ میں کھلبلی مچ گئی۔ لوگوں کی شدید خواہش تھی کہ آپ صحت یاب ہو جائیں لیکن جب آپ کو دودھ اور نبیذ پلائی گئی اور وہ پیٹ کے زخم سے باہر نکل گئی تو یہ یقین ہو گیا کہ اب آپ جانبر نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے اور آپ کی شاندار خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے۔ اسی دوران ایک نوجوان نے بھی آ کے آپ سے یہ خطاب کیا:

"امیر المؤمنین خوشخبری قبول فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آنحضرت ﷺ کا صحبت شرف عطا کیا۔ پھر اسلام میں سبقت سے نوازا، پھر جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو آپ نے عدل و انصاف کے ساتھ یہ ذمہ داری نبھائی، اور اب آپ مرتبہ شہادت سے نوازے جا رہے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: "میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ان سب نعمتوں کے ساتھ بھی حساب کتاب برابر سرابر ہو جائے تو بسا غنیمت ہے"۔ ابھی وہ نوجوان واپسی کے لئے

مڑا ہی تھا کہ حضرت عمرؓ کی نظر اس کے تہہ بند پر پڑی جو ٹخنے کے نیچے لٹک رہا تھا آپ نے فوراً اسے واپس بلایا، اور کہا: پیارے! اپنا کپڑا اوپر رکھا کرو یہ تمہارے کپڑے کے لئے صفائی کا باعث ہے اور تمہارے پروردگار سے تقویٰ کا ذریعہ ہے"۔ یہ ہے ہوشمندی! کہ اس تکلیف اور اذیت کی حالت میں بھی نہی عن المنکر کا کام جاری ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا" دیکھو میرے اُوپر کتنا قرض ہے؟ چنانچہ حساب لگانے سے پتہ چلا کہ تقریباً ۸۶ ہزار درہم قرض ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اولاً میرے اہل خاندان سے لے کر یہ رقم ادا کی جائے، اگر پوری نہ ہو تو میرے قبیلے بنی عدی سے وصول کی جائے۔ اور اگر ان سے بھی پوری نہ ہو تو قریش سے سوال کیا جائے۔ اور ان کے علاوہ کسی سے نہ مانگا جائے۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ "ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر میرا سلام عرض کرو اور یہ مت کہنا کہ امیر المؤمنین نے سلام عرض کیا ہے بلکہ یہ کہنا کہ عمر نے سلام کہا ہے (تاکہ کوئی جبر نہ ہو) اور کہنا کہ عمر آپ سے اس بات کی اجازت طلب کرتا ہے کہ وہ آپ کے حجرہ میں اپنے ساتھیوں (آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ) کے ساتھ دفن کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حسب الحکم یہ پیغام ام المؤمنین رضی اللہ عنہا تک پہنچا دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگرچہ میں خود یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن اب میں اپنے اوپر حضرت عمرؓ کو ترجیح دیتی ہوں، یعنی ان کو دفن کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ جواب کے منتظر تھے۔ جب حضرت عبداللہؓ واپس آئے تو فرمایا کہ "کیا خبر لائے؟" حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی مراد پوری ہوئی حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اجازت مرحمت فرما دی۔ خوشخبری سن کر حضرت عمرؓ کی زبان سے بے ساختہ حمد وثنا کے کلمات صادر ہوئے اور فرمایا کہ "اس سے زیادہ اہم اور کوئی چیز میرے لئے نہیں تھی" پھر فرمایا جب میری وفات ہو جائے تو مجھے اٹھا کر حجرہ عائشہ تک لے جانا اور پھر میرا نام لے کر اجازت طلب کرنا، اگر اجازت دے دیں تو وہاں دفن کرنا ورنہ مجھے عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے

بعد خلافت کے انتخاب کے لئے سات اکابر صحابہؓ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنائی جس میں گو کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی شامل تھے مگر ان کے متعلق آپ نے صراحت کر دی تھی کہ انہیں امیر المؤمنین نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے جانشین کو درج ذیل وصیتیں فرمائیں۔

(۱) مہاجرین اولین کے حقوق کی ضمانت اور ان کی عزت وحرمت کا لحاظ رکھا جائے۔ (۲) انصار مدینہ کے ساتھ خیر خواہی کی جائے، ان کے نیک عمل لوگوں کی حوصلہ افزائی ہو، اور بدعمل افراد سے درگذر کا معاملہ کیا جائے۔ (۳) دیگر شہری آبادیوں کے ساتھ بھی بھلائی کا برتاؤ کیا جائے۔ اس لئے کہ وہ اسلام کے معاونین، مال جمع کرنے والے اور دشمنوں کے لئے غیظ وغضب کا باعث ہیں (کہ ان کی تعداد سے دشمن خوف کھاتا ہے) ان لوگوں سے ان کی رضامندی سے صرف ضرورت سے زائد مال ہی لیا جائے۔ (۴) اور مملکت کے دیہات میں رہنے والوں کے ساتھ بھی خیر خواہی کی جائے۔ اس لئے کہ وہ عرب کی اصل اور اسلام کی بنیاد ہیں، ان سے ان کا ضرورت سے زائد مال لے کر ان کے ہی فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ (۵) اور ذمیوں کے ساتھ بھی رعایت کا معاملہ کیا جائے۔ ان کے عہد کی پاسداری کی جائے ان کے دشمنوں سے جنگ کی جائے اور ان کی وسعت سے زیادہ کا انہیں مکلف نہ بنایا جائے"۔ (یعنی طاقت سے زیادہ نہ وصول کیا جائے)

ان ہدایات کے بعد آپ نے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

(بخاری شریف ۱/ ۵۳۳، ۵۳۴)

اللہ اکبر! بیدار مغزی کی کیا شان ہے؟ کہ اخیر تک اُمت کی فکر ہے، اور ایک ایک جزئیہ پر نگاہ ہے۔ اور ایک ایک ہدایت پیش نظر ہے۔ بے شک آپ نے خلافت نبوت کا حق ادا کر دیا، بخاری شریف ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ جب زخم سے آپ کی تکلیف زیادہ بڑھی تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ خدمت میں حاضر ہوئے اور تسلی دیتے ہوئے عرض کیا، کہ الحمدللہ آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کی حسن رفاقت نصیب ہوئی اور جب آپ

ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ آپ سے راضی تھے، اسی طرح خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے بعد دیگر صحابہؓ کی معیت بھی آپ کو نصیب رہی اور آپ نے سب کا حق ادا کر دیا اب اگر آپ دنیا سے تشریف لے جائیں تو وہ سب صحابہؓ آپ سے راضی ہوں گے (یہ آپ کے لئے بڑی سعادت کی بات ہے) یہ سن کر سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے، کہ " آپ نے آنحضرت ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جس رفاقت کا ذکر کیا ہے وہ محض فضل خداوندی ہے جو مجھ پر ہوا۔ آج جو آپ مجھے تکلیف میں دیکھ رہے ہیں وہ دراصل آپ اور آپ کے بعد آنے والے لوگوں کے بارے میں ہے (کہ میری وفات سے فتنوں کا دروازہ ٹوٹ جائے گا جیسا کہ دوسری حدیث میں وارد ہے) اور اللہ کی قسم اگر میرے پاس زمین کی وسعت کے برابر سونا ہوتا تو میں آج اسے اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں دے دیتا۔ (بخاری شریف ۵۲۱/۱) یعنی اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں ہے بلکہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت غالب ہے۔"

اور ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت آپ کا سر مبارک آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی گود میں رکھ لیا تو آپ نے باصرار اسے زمین پر رکھوایا اور اپنے رخساروں کو مٹی سے آلودہ کرتے ہوئے فرمایا: "عمرؓ اور اس کی ماں کی بڑی خرابی ہے اگر عمرؓ کی مغفرت نہ ہو" پھر صاحبزادے سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو کفن دفن میں جلدی کرنا۔ (کتاب العاقبۃ ۶۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی نعش مبارک چارپائی پر رکھی تھی اور میں وہیں قریب میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے اپنی کہنی میرے کندھے پر رکھ کر حضرت عمرؓ کی طرف رخ کر کے یہ کہنا شروع کیا!

"اے عمر! اللہ تم پر مہربان ہو! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حشر بھی تمہارے دونوں ساتھیوں (حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبرؓ) کے ساتھ فرمائے گا۔ اس لئے کہ میں بہت کثرت سے آنحضرت ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کلمات سنا کرتا تھا کہ میں اور ابوبکر و عمر

وہاں تھے، اور میں نے اور ابو بکر وعمر نے فلاں کام کیا، اور میں اور ابو بکر عمر فلاں جگہ گئے۔ اس لئے مجھے امید ہے اللہ تعالیٰ اب بھی آپ کو انہی دونوں ساتھیوں کے ساتھ رکھے گا"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو مڑ کر دیکھا تو یہ خراج عقیدت پیش کرنے والے شخص سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے" (بخاری شریف ۵۱۹/۱) واقعی کتنا شاندار خراج عقیدت اور کیسا لطیف اور بشاشت انگیز استدلال ہے۔ ایسی موت پر بلاشبہ ہزاروں ہزار زندگیاں قربان ہیں۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعة۔

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت

پیکر حلم وحیا ذوالنورین امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ کو جب شر پسند باغیوں نے اپنے مکان میں محصور کر دیا اور ان باغیوں کو ہٹانے کی ہر ممکن کوششیں ناکام ہو گئیں جس سے حوصلہ پا کر یہ شقی القلب باغی آپ کے مکان کا دروازہ جلا کر اندر داخل ہو گئے تو اس خطرناک منظر کو دیکھ کر سیدنا حضرت عثمانؓ نے نماز کی نیت باندھ لی اور سورہ طٰہٰ پڑھنی شروع کر دی آپ کے گھر پر باغی حملہ آور ہوتے رہے اور آپ پورے صبر وسکون کے ساتھ نماز میں مشغول رہے اور نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم کھول کر تلاوت فرمانے لگے اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری تھی۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران آیت: ۱۷۳)

جن کو کہا لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلے کے لئے سو تم ان سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا ان کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔

اس دوران ایک شخص آپ پر حملہ آور ہوا اور اس قدر شدت سے آپ کا گلا گھونٹا کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی اور سانس لینے میں تکلیف محسوس ہونے لگی ابھی اس نے چھوڑا ہی تھا کہ دوسرا اور تیسرا آدمی آگے بڑھا اور اس نے تلوار سے آپ پر وار کیا آپ نے اپنے

ہاتھ سے اسے روکنے کی کوشش کی جس سے ہاتھ کٹ گیا اور خون کا سب سے پہلا قطرہ قرآن کریم کی اس آیت پر پڑا فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرۃ ۱۳۷) (سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ، اور وہی ہے سننے والا اور جاننے والا) اپنے ہاتھ کو کٹتا دیکھ کر آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ یہی وہ ہاتھ ہے جس نے سب سے پہلے قرآن کریم کی مفصل سورتیں لکھیں۔ پھر ایک اور شخص جس کا نام سودان بن حمران تھا ننگی تلوار لہراتا ہوا سامنے آیا اور اس خبیث نے تلوار آپ کے پیٹ میں اتار دی اور آپ اس حال میں سرخرو ہو کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (البدایہ و النہایہ ۲۰۱/۷)

جب آپ خون میں لہولہان تھے تو آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَعِينُكَ عَلٰى أَمْرِيْ وَأَسْأَلُكَ الصَّبْرَ عَلٰى بَلَائِيْ۔

(تیرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو ہر عیب سے پاک ہے، میں کوتاہی کرنے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! میں اپنے معاملے میں تجھ سے مدد کا طلبگار ہوں، اور اپنی مصیبت پر صبر کی درخواست کرتا ہوں) (کتاب العاقبۃ ۶۴)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جو لوگ بھی حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھے وہ سب بعد میں مقتول ہوئے اور بعض نے یہ فرمایا کہ قاتلین میں سے ہر شخص پاگل ہو کر مرا۔ نعوذ باللہ من ذلک (البدایہ و النہایۃ ۲۰۲/۷)

شہادت کے وقت امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیدار مغزی

شیر خدا، فاتح خیبر، امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب خبیث ابن ملجم نے شدید زخمی کر دیا اور آپ کا چہرہ خون سے لہولہان ہو گیا، پھر آپ کو قیام گاہ پر لایا گیا اور زخم کی شدت کی وجہ سے زندگی سے ناامیدی ہو گئی تو آپ نے اپنے صاحبزادگان

جوانانِ اہل جنت کے سردار، سیدنا حضرت حسن اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر خاص طور پر وصیت فرمائی۔ وصیت کے بعض اہم اجزاء یہ تھے۔

(الف) میں اپنے تمام صاحبزادگان اور جن تک بھی میری تحریر پہنچے اللہ رب العزت سے ڈرنے اور ایمان واسلام ہی کی حالت پر مرتے دم تک قائم رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔

(ب) تم سب مل کر مضبوطی سے اللہ کی رسی کو پکڑے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دو جھگڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا نماز روزہ جیسی عبادات سے بھی افضل ہے۔

(ج) اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھو ان پر صلہ رحمی کرو، تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر حساب کتاب آسان فرمائے۔

(د) یتیموں کے بارے میں اللہ سے خوب ڈرتے رہنا تمہاری موجودگی میں ان کے چہروں پر پژمردگی نہ ہو اور تمہارے رہتے ہوئے وہ برباد نہ ہونے پائیں۔

(ہ) پڑوسیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا کیوں کہ ان کے حقوق سے متعلق آنحضرت ﷺ ہمیں اس قدر تاکید فرماتے رہے، کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ آپ پڑوسیوں کو ہماری وراثت میں شریک قرار دے دیں گے۔

(و) اور قرآن کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہنا۔ خبردار! اس پر عمل کرنے میں کوئی دوسرا تم سے سبقت نہ لے جائے۔

(ز) حج بیت اللہ، ماہ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ کا اہتمام رکھنا اور اللہ کے راستے میں جان ومال سے جہاد کرتے رہنا۔

(ح) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی اللہ سے ڈرتے رہنا اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا لحاظ کرنے کی وصیت فرمائی۔

(ط) فقراء اور مساکین کو دیتے دلاتے رہنا اور عورتوں اور باندیوں کا خیال رکھنا۔

(ی) دینی معاملے میں کسی کے طعنے کی پرواہ مت کرنا ان شاء اللہ تمہارے بدخواہوں کی

طرف سے اللہ تعالیٰ کفایت فرمائے گا۔

(ک) لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مت چھوڑنا ورنہ تو بدترین لوگ تم پر حکمران ہو جائیں گے پھر تمہاری دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔

(ل) اچھی باتوں پر ایک دوسرے کا تعاون کرنا اور ظلم وعدوان کے کاموں میں شریک نہ رہنا اور اللہ سے برابر ڈرتے رہنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد آپ برابر کلمہ طیبہ کا ورد فرماتے رہے اور اسی حالت میں وفات پائی اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی زبان پر سب سے آخر میں یہ آیت جاری تھی۔

"فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" (سورۃ زلزال آیت: ۷، ۸) (سو جس نے کی ذرہ بھر بھلائی وہ دیکھ لے گا اسے۔ اور جس نے کی ذرہ بھر برائی وہ دیکھ لے گا اسے۔) (البدایۃ و النہایۃ ۷/ ۳۵۰، ۳۰۱) رضی اللہ عنہ و کرم اللہ وجھہ۔

سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ

۶:۔ ریحانۃ الرسول سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو جب خطرناک قسم کا زہر پلایا گیا اور آپ کی حالت غیر ہونے لگی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے باہر صحن کی طرف لے چلو، میں اللہ کی قدرت میں غور کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ حاضرین نے آپ کا بستر باہر بچھا دیا، تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا۔ کہ اے اللہ! میں اپنی جان کو تیرے نزدیک مستحق ثواب سمجھتا ہوں، میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز نہیں ہے (اللہ نے آخری وقت میں آپ کو اپنی پاکیزہ زندگی پر رحمت خداوندی کی بھرپور امید کی نعمت عطا کر دی تھی) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ کی تکلیف شدید ہوئی اور آپ اس کا اظہار کرنے لگے تو آپ کے چھوٹے بھائی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تشریف لا کر تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ بھائی جان اس تکلیف کی کیا حیثیت ہے؟ بس آپ کے بدن سے روح نکلنے کی دیر ہے کہ ابھی آپ اپنے والدین ماجدین حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور اپنے نانا

جان حضور اکرم ﷺ اور اپنی نانی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور اپنے چچا حضرت حمزہ اور حضرت جعفر اور اپنے ماموں حضرت قاسم، حضرت طیب، مطہر اور ابراہیم اور اپنی خالاؤں حضرت رقیہ، ام کلثوم، اور زینب سے ملاقات کرنے والے ہیں، تسلی کے یہ الفاظ سن کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا احساس تکلیف کم ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ پیارے بھائی بات یہ ہے کہ میں اس وقت اس مرحلہ میں داخل ہو رہا ہوں جس کا پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا اور میں اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق دیکھ رہا ہوں جن کو آج تک کبھی نہیں دیکھا یہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ (رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔) (البدایہ والنہایہ ۴۳۳/۷)

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت

۷۔ نواسۂ رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے ظالم حملہ آوروں کی فوج سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا" کیا تم میرے قتل کے درپے ہو؟ اللہ کی قسم تم میرے بعد اللہ کے کسی ایسے بندے کو قتل نہ کر سکو گے جس کا قتل میرے مقابلے میں اللہ کے نزدیک مجھ سے زیادہ موجب عذاب ہے، اللہ کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر کے مجھے عزت عطاء کرے گا پھر میری طرف سے تم سے اس طرح انتقام لے گا کہ تمہیں احساس بھی نہ ہونے پائے گا، قسم بخدا اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ اس کا سخت عذاب تمہارے اُوپر نازل کرے گا اور اس کے بدلے میں خونریزی عام ہو گی پھر اس وقت تک تم سے راضی نہ ہو گا جب تک کہ تمہیں بدترین دردناک عذاب میں مبتلا نہ کر دے"۔

آپ کی اس پر اثر تقریر کے بعد گو کہ آپ کے خاندان کے تیئیس افراد غازۂ شہادت سے سج سنور کر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو چکے تھے لیکن کوئی مخالف فوجی آپ پر حملہ کی جسارت نہ کر پاتا تھا، تا آنکہ بدبخت کمانڈر شمر بن ذی الجوشن کے للکارنے پر زرعہ بن شریک اور سنان بن انس نام کے دو شقی القلب ظالموں نے انتہائی مظلومانہ حالت میں آپ کو شہید کر کے اپنی ذلت پر مہر لگالی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (البدایہ والنہایہ ۵۸۵/۷)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی وفات

۸۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے صاحبزادے مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ جب میرے والد محترم (حضرت سعدؓ) کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، میں بے اختیار رونے لگا تو آپ نے فرمایا بیٹے کیوں رو رہے ہو؟ اللہ کی قسم مجھے میرا رب کبھی عذاب نہ دے گا، میں جنتی لوگوں میں ہوں (اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی تھی اور عشرۂ مبشرہ میں آپ سب سے اخیر میں وفات پانے والے ہیں) بے شک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ان کی نیکیوں کا خود بدلہ عطاء فرمائے گا جب کہ کفار کی نیکیوں کے عوض ان کا عذاب کچھ ہلکا کردے گا اور جب نیکیاں باقی نہ بچیں گی تو ان سے کہا جائے گا اب اپنے اعمال کے ثواب کا مطالبہ ان معبودان باطلہ سے کرو جن کے لئے تم عبادتیں کیا کرتے تھے۔ (البدایہ و النہایہ ۷/۷۱)

وفات کے وقت حضرت ابو ہریرہؓ کا حال

۹۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو آپ رونے لگے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ توشے کی کمی اور طویل سفر کی شدت سے، اور میں ایک گھاٹی میں اترنے کے قریب ہوں جو یا تو جنت جائے گی یا جہنم تک اور مجھے ابھی یہ معلوم نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ (کتاب الصفوۃ ۲۵) اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم مرض الموت میں آپ کی عیادت کو گئے اور کہا کہ ابو ہریرہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عطاء کرے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ دعاء مانگی: اللهم انی احب لقاء ك فاحب لقائی ۔ (اے اللہ میں تیری ملاقات پسند کرتا ہوں لہٰذا تو بھی میری ملاقات کو پسند فرما۔) راوی کہتا ہے کہ ابھی مروان مڑ کر بازار بھی نہ پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی رحلت ہوگئی ہے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ

(البدایہ و النہایہ ۷/ ۵۰۹، الاصابہ ۷/ ۳۶۱)

فقیہ امت خادم رسول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ

۱۰۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مدینہ منورہ میں ملاقات کی اور کہا کہ میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ایک سفید منبر پر تشریف فرما ہیں، اور آپ ان کے نیچے ہیں، اور حضور اکرم ﷺ آپ سے فرما رہے ہیں کہ ابن مسعود! میرے پاس آجاؤ کیونکہ میرے بعد تمہارے ساتھ ظلم کیا گیا ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے اس شخص سے خواب کی تصدیق کی اور فرمایا کہ تم سے وعدہ ہے کہ میری نماز جنازہ پڑھے بغیر مدینہ منورہ سے مت جانا۔ چنانچہ چند ہی دن کے بعد آپ کے وصال کا حادثہ پیش آ گیا۔

مرض الوفات میں امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنیؓ آپ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور پوچھا کہ آپ کو کیا مرض ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میرے گناہوں کا۔ پھر پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی خواہش ہے؟ آپ نے فرمایا اپنے رب کی شفقت اور رحمت کی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کیا ہم آپ کے لئے وظیفہ جاری کر دیں، آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ آپ کی بیٹیوں کے لئے کافی ہوگا، آپ نے جواب دیا کہ آپ کو میری بچیوں کے فقر و فاقہ کا کیا خطرہ ہے، میں نے اپنی بچیوں سے تاکید کر رکھی ہے کہ وہ روزانہ رات میں سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ اس لئے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھنے کا معمول بنا لے تو کبھی بھی وہ فقر و فاقہ کا شکار نہ ہوگا۔ (اسد الغابہ ۲۵۵/۳، ۲۸۶)

سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن الولیدؓ

۱۱۔ مشہور اسلامی سپہ سالار حضرت خالد بن الولید سیف اللہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو بڑی حسرت سے فرمایا کہ میں میدان جنگ میں بارہا شہادت تلاش کرتا رہا مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، اب میں اپنے بستر پر سفر آخرت کو جانے کے لئے تیار ہوں اور میرے پاس کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کے بعد سب سے مقبول اور پرامید عمل خیر جنگ کی وہ

اندھیری رات ہے جب میں ہتھیار باندھ کر تیز بارش کے اندر صبح تک کھڑا رہا اور صبح کے وقت اچانک کفار پر حملہ کر دیا پھر فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا سب اللہ کے راستے میں وقف کر دینا۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ (البدایہ والنھایہ ۱۲۴/۷)

حضرت معاذ بن جبلؓ کو وفات کے وقت جنت کی بشارت

۱۲۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا طاعون عمواس کے میں انتقال ہو گیا جس پر آپ نے مکمل صبر کیا پھر آپ خود طاعون میں مبتلا ہو گئے جس پر آپ نے فرمایا کہ دوست فقر و فاقہ کے زمانے میں آیا ہے جو نادم ہے وہی کامیاب ہے، (یعنی اپنی عاجزی کا اظہار کیا) راوی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میرے رب نے میری بہترین تعزیت کا انتظام کیا ہے، میرے پاس میرے بیٹے کی روح آئی ہے اور اس نے مجھے خوشخبری سنائی ہے کہ آنحضرت ﷺ ملائکہ مقربین، شہداء و صالحین کی سو صفوں کے ساتھ میری روح کے لئے دعاء رحمت کر رہے ہیں اور مجھے جنت کی طرف لے جا رہے ہیں پھر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو سب نے دیکھا گویا کہ آپ لوگوں سے مصافحہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں مبارک ہو، مبارک ہو میں ابھی تمہارے پاس آیا ہوں، پھر آپ رحلت فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ (شرح الصدور ۱۲۰)

مؤذن رسول حضرت بلال حبشیؓ کا وفات کے وقت ذوق وشوق

۱۳۔ مؤذن رسول سیدنا حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کی اہلیہ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا وَاحُزْنَاہُ (ہائے افسوس آپ جا رہے ہیں) تو آپ نے جواب دیا وَاطَرَبَاہُ غَداً نَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَہٗ (کتنے سرور کی بات ہے کل ہم اپنے دوستوں یعنی حضرت محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے ملنے والے ہیں)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔ (کتاب العاقبہ، مشاہیر کے آخری کلمات ۳۳)

حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کی سجدہ کی حالت میں وفات

۱۴۔ حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ بڑے مشہور صحابی ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ مجھے مرتے وقت اس طرح کی شدت پیش نہ آئے گی جیسے عام لوگوں کو پیش آتی ہے چنانچہ ان کی دعا اس طرح قبول ہوئی کے وہ ایک دن درمیانی رات میں تہجد کی نماز پڑھنے میں مشغول تھے نماز کے دوران ہی سجدے کی حالت میں آپ کی وفات ہوگئی، اسی وقت آپ کی ایک صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ آپ وفات پاچکے ہیں وہ گھبرا کر اٹھی اور دوڑی ہوئی آپ کے مصلے تک آئی اس نے آپ کو آواز دی لیکن جواب ندارد، جا کر دیکھا تو سجدے کی حالت میں ہی آپ کی روح قبض ہو چکی تھی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(الاصابۃ ۷/۵۱)

حضرت ابوشیبہ خدریؓ کا آخری کلام

۱۵۔ صحابی رسول حضرت ابوشیبہ خدری رضی اللہ عنہ اس فوج میں شامل تھے جس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا ایک دن آپ نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے آواز دی تو بڑی تعداد میں لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اس وقت آپ نے اپنے چہرۂ مبارک پر پردہ ڈال رکھا تھا اور آپ یہ فرما رہے تھے کہ جو مجھے جانتا ہو وہ جان لے کہ ابوشیبہ خدری حضور اکرم ﷺ کا صحابی ہوں اور میں نے خود جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے کہ "جو شخص بھی اللہ کے ایک ہونے کے اخلاص کے ساتھ گواہی دے وہ جنت میں داخل ہوگا لہٰذا اعمال صالحہ کرتے رہو اور بھروسہ کر کے نہ بیٹھو" یہ حدیث سنا کر آپ وہیں وفات پاگئے۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ (الاصابۃ ۷/۱۷۱)

حضرت عمرو بن العاصؓ رب واحد کے حضور میں

۱۶۔ مشہور اسلامی سپہ سالار صحابی جلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

وفات کے وقت بارگاہ ایزدی میں دونوں ہاتھ اٹھا کر عاجزی کے ساتھ یہ کلمات ارشاد فرمائے، "بار الٰہا! تو نے حکم دیا اور ہم نے حکم عدولی کی، اے اللہ! تو نے منع کیا اور ہم نے نافرنی کی، رب کریم! میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں اور طاقت ور نہیں ہوں کہ غالب آجاؤں، اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا"۔ اس کے بعد آپ نے تین مرتبہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ رضی اللہ عنه و أرضاه۔ (مشاہیر کے آخری کلمات)

اور ایک روایت میں ہے کہ انتقال کے وقت آپ نے اپنے لشکر کے کمانڈروں اور محافظوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ کیا تم سب مل کے مجھے اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہو؟ سب نے کہا نہیں "نہیں" تو آپ نے فرمایا سب واپس چلے جاؤ۔ پھر آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا اور قبلہ رخ ہو کر مذکورہ دعا مانگی، اور آخر میں آیت کریمہ: لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ پڑھتے ہوئے وفات پائی۔ (کتاب العاقبہ ۶۴)

بوقت وفات حضرت امیر معاویہؓ کی اثر انگیز دعا

۱۷۔ آنحضرت ﷺ کے برادر نسبتی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی کاتب وحی، اسلام کے نامور فاتح اور عظیم المرتبت امیر، سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وفات کے وقت حال یہ تھا کہ روتے ہوئے اپنے رخساروں کو زمین پر الٹتے پلٹتے تھے اور زبان پر عاجزی کے ساتھ یہ کلمات جاری تھے کہ "اے اللہ! آپ نے اپنی کتاب میں یہ اعلان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو معاف نہیں کرتا لیکن بقیہ گناہوں کو اگر چاہے تو معاف کر دیتا ہے لہذا اے رب کریم مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جن کی مغفرت کا تو نے ارادہ کیا ہے"۔

پھر یوں ارشاد فرمائے ہوئے کہ "اے اللہ! غلطی سے درگزر فرما، کوتاہی سے صرف نظر فرما اور اپنی صفت حلم کی بدولت اس شخص کی جہالت کو معاف فرما جو تیرے علاوہ کسی سے اُمید نہیں رکھتا، بے شک تو وسیع الشان مغفرت والا ہے، کسی بھی غلط کار کے لئے

تیرے علاوہ کوئی جائے عافیت نہیں ہے"۔

پھر آپ وفات پا گئے۔ رضی اللہ عنہ و أرضاہ (البدایہ والنہایہ ۷/۵۳۸)

سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی المناک شہادت

۱۸۔ صحابی جلیل خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جب حجاج کی ظالم فوج نے مکہ معظمہ میں ہر چہار جانب سے محصور کر دیا اور مکہ میں رہنے والے اکثر لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ کر عاجز آ کر حجاج کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے دو صاجزادوں نے بھی حجاج کی امان میں جانا قبول کر لیا تو یہ یاس انگیز حالات دیکھ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی والدۂ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اس وقت بڑھاپے کے باعث نابینا ہو چکی تھیں، آپ نے والدۂ محترمہ سے عرض کیا کہ لوگ انہیں چھوڑ کر جا چکے ہیں حتیٰ کہ اپنی کی سگی اولاد بھی اس نازک وقت میں داغ مفارقت دے چکی ہے اور بہت ہی تھوڑے سے لوگ اس وقت ان کے ساتھ بچے ہیں جن کو شدید محاصرہ کی وجہ سے کچھ دیر صبر کرنا بھی دوبھر ہے۔ دوسری طرف حجاج کے لوگ مجھے دنیا کا لالچ دلا کر مقابلہ سے دستبردار ہونے کو کہہ رہے ہیں تو اماں جان! اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کوئی اور ماں ہوتی تو بیٹے کو جان بخشی کی راہ اپنانے کا مشورہ دیتی لیکن اس بوڑھی ماں کی قوت ایمانی کی داد دیجئے کہ انہوں نے اپنے مجاہد بیٹے کو اس طرح خطاب کیا "بیٹے تم اپنے بارے میں زیادہ واقف ہو اگر تمہیں یقین ہے کہ تم حق پر ہو اور حق ہی کی دعوت دینے آئے ہو تو اپنے اس موقف پر ثابت قدم رہو جس پر تمہارے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ اور تم اپنے آپ کو حجاج کے اثان میں دے کر اپنے کو بنی امیہ کے بچوں کے ہاتھ کا کھلونا مت بناؤ۔ اور اگر تم یہ جانتے ہو کہ تم نے محض دنیا کے لئے یہ سب کچھ محنت کی ہے تو تم سے برا آدمی کوئی نہیں تم نے نہ صرف اپنے کو ہلاکت میں ڈالا بلکہ اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ بہرحال اگر تم حق پر ہو تو پھر ڈرنے کی کیا بات ہے تمہیں دنیا میں رہنا ہی کتنے دن ہے؟ شہید ہو جانا بہتر ہے"۔

بوڑھی ماں کی اس حوصلہ افزاء گفتگو پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ بڑھ کر والدہ کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ اماں جان! قسم بخدا یہی میری بھی رائے ہے میں نہ دنیا کی طرف مائل ہوں نہ مجھے دنیا کی زندگی محبوب ہے میں نے تو صرف احکام خداوندی کی بقاء کے لئے اور دین کی پامالی پر اظہار غضب کے مقصد سے مقابلہ کا ارادہ کیا تھا اور میں آپ کے پاس صرف آپ کی رائے جاننے آیا تھا چنانچہ آپ نے میری بصیرت میں مزید اضافہ کیا اس لئے اماں جان سن لیجئے میں آج ہی شائد شہید ہو جاؤں گا اس لئے آپ زیادہ غم مت کیجئے گا اور اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیجئے گا اس لئے کہ آپ کے بیٹے نے کبھی قصداً گناہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کوئی بے حیائی کا کام کیا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم میں جسارت کا ارادہ کیا تھا اور نہ کسی کو امان دے کر بے وفائی کی اور نہ اس نے جان بوجھ کر کسی مسلمان یا ذمی کے ساتھ ناانصافی کا معاملہ کیا اور نہ ہی میں اپنے کسی مقرر کردہ گورنر کے کسی ظلم پر راضی ہوا بلکہ میں نے اس پر نکیر کی اور میرے نزدیک کوئی چیز رضائے خداوندی سے زیادہ قابل ترجیح نہیں رہی۔ اے اللہ میں یہ بات اپنے تزکیہ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ اے اللہ تجھے میری اور میرے علاوہ کی ہر حالت کا علم ہے میں نے یہ تفصیل صرف اپنی والدہ کی تعزیت اور ان کی تسلی کے لئے بیان کی ہے پھر آپ کی والدہ ماجدہ نے کمال صبر کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کو دعائیں دیں اور چلتے ہوئے جب سینے سے چپٹا کر الوداع کہنے لگیں تو انہیں محسوس ہوا کہ عبداللہ بن زبیر لوہے کی زرہ پہنے ہوئے ہیں تو فرمایا بیٹے شہادت کے طلب گاروں کا یہ لباس نہیں ہوا کرتا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اماں جان یہ میں نے صرف آپ کی خاطر داری اور تسکین قلب کے لئے پہنی تھی والدہ نے فرمایا اچھا اب اسے اتار دو چنانچہ آپ نے زرہ اتار دی اور والدہ سے آخری سلام لے کر مسجد حرام میں تشریف لائے پوری شجاعت اور بہادری کے ساتھ مسجد حرام پر بھیڑ لگائے ہوئے دشمن کے فوجیوں کو بار بار تتر بتر کرتے رہے۔ حجاج کی طرف سے لگائی گئی توپوں کے گولے برابر آپ کے اردگرد گرتے رہے لیکن آپ اپنے بچے کھچے

ساتھیوں کو لے کر پوری استقامت کے ساتھ محاذ پر ڈٹے رہے جمادی الاولی ۷۳ھ کی سترہ تاریخ کی پوری رات آپ نے نماز میں گزار دی۔ پھر کچھ دیر آرام کر کے فجر کے لئے بیدار ہوئے اور فجر میں مکمل ترتیل کے ساتھ سورہ ن کی تلاوت فرمائی پھر آپ نے مختصر غیبی خطبہ دیا اور آخری مقابلے کے لئے نکل پڑے اور اس زور سے محاصرین پر حملہ کیا کہ وہ مقام حجون تک واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئے اس دوران ایک اینٹ آپ کے چہرے پر آ کر لگی جس سے پورا چہرہ خون میں تر بہ تر ہو گیا اور آپ زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے یہ دیکھ کر محاصر فوجی جلدی سے آپ کی طرف لپکے اور آپ کو شہید کر ڈالا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ (البدایہ والنہایہ ۸/۷۳۴۔۷۳۶)

شہادت کے بعد حجاج بن یوسف نے آپ کا سر مبارک کاٹ کر عبدالملک بن مروان کے پاس دارالخلافہ دمشق روانہ کر دیا اور بقیہ حصہ بدن سولی کے طور پر مقام حجون میں لٹکا دیا، والدہ ماجدہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نڈھال قدموں سے اپنے شہید بیٹے کی لاش دیکھنے آئیں۔ مگر اس حال میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا کافی دیر تک بیٹے کے لئے دعائیں کرتیں رہیں، اور ان آنکھوں سے ایک قطرہ بھی آنسو کا نہ نکلا، مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنے دربار میں بلانے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے صاف منع کر دیا، پھر مجبور ہو کر حجاج خود ہی آپ کے پاس آیا، اور کہنے لگا، دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پوری حاضر دماغی سے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کہ تو نے اگرچہ میرے بیٹے کی دنیا خراب کر دی مگر اس نے تو تیری آخرت تباہ و برباد کر دی ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے ان میں سے ایک بڑا جھوٹا ہو گا اور دوسرا سخت خونریزی کرنے والا ہو گا، تو جھوٹے (مختار بن عبید) کو ہم نے دیکھ لیا اور خونریزی کرنے والا میرے خیال میں تو ہی ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی یہ گفتگو سن کر حجاج سے کچھ جواب نہ بن پڑا اور واپس لوٹ آیا۔ (ملخص مسلم شریف ۳۱۲/۲، البدایہ والنہایہ ۷۴۵/۸)

سیدنا حضرت سلمان فارسیؓ کا وفات کے وقت حال

سیدنا حضرت سلمان فارسیؓ وفات کے وقت رونے لگے، پوچھا گیا کہ رونے کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: قسم بخدا میں موت کے ڈر یا دنیا کی رغبت کی وجہ سے نہیں رو رہا، بات یہ ہے کہ ہم سے آنحضرت ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ "دنیا سے تمہارے تعلق بس اتنا ہونا چاہئے جتنا ایک مسافر کو توشہ سے ہوتا ہے" (اب یہ ڈر ہے کہ کہیں اس عہد کی پاسداری میں کوئی کوتاہی نہ ہو گئی ہو) مگر جب آپؓ کا ترکہ دیکھا گیا تو کل ۳۰/درہم نکلے جبکہ آپؓ اس وقت شہر مدائن کے گورنر تھے۔ (کتاب العاقبۃ/۶۴)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہا کا آخری دم تک

حدیث نبوی میں اشتغال

حضرت عبادہ بن صامتؓ کی وفات کے وقت ان کے قریب بیٹھا ہوا ایک شاگرد رونے لگا۔ تو آپ نے رونے سے منع فرمایا اور کہا کہ: "میں اللہ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی ہوں" پھر فرمایا کہ "جتنی حدیثیں مجھے معلوم تھیں سب بیان کر دیں بس ایک رہ گئی" چنانچہ وہ حدیث بھی بیان فرمادی، (جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر کلمہ گو جنت میں جائے گا) اس کے بعد روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (مشاہیر کے آخری کلمات)

حضرت انسؓ پر حالت رجا کا غلبہ

صحابی جلیل، خادم رسول سیدنا حضرت انسؓ نے وفات کے وقت حاضرین سے ارشاد فرمایا:

"کل میدان محشر میں لوگ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کے ایسے نظارے دیکھیں

گے جو کسی انسان کے خواب وخیال میں بھی نہ آئے ہوں گے"۔

یعنی آپ دنیا سے جاتے وقت اللہ کی رحمت سے ایسے پرامید تھے گویا آپ اپنی آنکھوں سے رحمت کا مشاہدہ فرمارہے تھے۔(کتاب العاقبۃ ٦٦)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو وفات کے وقت بشارت

مفسر قرآن سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو بعد وفات کے بعد دفن کیا جانے لگا تو ایک نہایت حسین وجمیل اور بے مثال سفید پرندہ نما کوئی شئی آکر آپ کے کفن کے اندر چلی گئی، اور پھر واپس نہ نکلی، عفان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ پرندہ آپ کے علم و عمل (کی صورت مثالیہ) تھی، اور جب آپ کو قبر میں رکھا گیا تو کسی انجان شخص نے بلند آواز سے یہ آیت پڑھی، اور ایک روایت میں ہے کہ قبر سے یہ آواز آئی: یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

(الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

(اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار کے جوار رحمت کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش، پھر ادھر چل کر تو میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا، اور میری جنت میں داخل ہوجا)۔(البدایہ والنھایہ ۷/ ۲۰۸)

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بارگاہ ذوالجلال میں

خلیفہ راشد سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کو آپ ہی کے ایک آزاد کردہ غلام نے ایک ہزار دینار کی لالچ میں آکر زہر دے دیا۔ آپ کو جب احساس ہوا تو اس غلام کو بلایا اور اس سے وہ دینار لے کر بیت المال میں داخل فرمادیئے، اور پھر کہا کہ بس اب تو جہاں چاہے بھاگ جا، اس لئے کہ اگر پکڑا گیا تو لوگ تجھے نہ چھوڑیں گے۔ پھر آپ سے کہا گیا کہ اپنی اولاد (جن کی تعداد بارہ تھی) کے لئے کچھ وصیت فرمادیجئے (کہ ان کی زندگی وسعت وعافیت میں گزرے) تو آپ نے فرمایا: کہ "میرا نگراں وہ خدا ہے جس

نے کتاب نازل فرمائی اور وہی نیک لوگوں کا نگہبان ہے" اور میں ان بچوں کو کسی دوسرے کا حق ہرگز نہ دوں گا، کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر نیک صالح ہیں تو اللہ ان کا کارساز ہے اور اگر برے ہیں تو میں انہیں مال دے کر اللہ تعالیٰ کی معصیت میں خود شریک نہیں ہونا چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سب اولاد کو بلا کر ان سے بھی براہ راست یہی بات کہی اور ان سے تسلی کے کلمات فرمائے۔ مرض الموت میں بعض حضرات نے آپ کو رائے دی کہ آپ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں تاکہ وفات کے بعد آپ کی تدفین آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس میں خالی جگہ میں ہو، تو آپ نے صاف فرمادیا کہ میں اپنے کو ہرگز اس جگہ کا اہل نہیں سمجھتا۔

پھر جب وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ مجھے بٹھا دو، لوگوں نے بٹھا دیا تو آپ نے تین مرتبہ یہ دعا فرمائی: "اے اللہ! میں ہی وہ ہوں جس کو تو نے حکم دیا اور میں نے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی، اور تو نے مجھے (بہت سی باتوں سے) منع فرمایا مگر میں ان کا مرتکب ہو گیا، لیکن لا الہ الا اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔

پھر سر اٹھا کر ایک طرف تیز نظروں سے گھور کر دیکھا، لوگوں کے پوچھنے پر بتایا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں جو نہ تو جنات ہیں اور نہ انسان، پھر کچھ ہی دیر میں آپ کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (البدایہ والنہایہ ملخصا ۹/۲۴۶)

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سجدہ کی حالت میں وفات

خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے امام اعظم، عارف باللہ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور قاضی بننے کی پیش کش کی۔ آپ کے انکار کرنے پر اس نے قید خانہ میں ڈلوادیا، اور ہر دن آپ کو باہر نکال کر نہایت بے دردی سے کوڑے لگائے جاتے جس سے آپ لہولہان ہو جاتے۔ دس دن تک برابر یہی عمل ہوتا رہا، پھر آپ کو زبردستی زہر پینے پر مجبور کیا گیا، چنانچہ ابھی قید خانہ میں رہتے ہوئے کل پندرہ دن ہی ہوئے تھے کہ آپ سختیوں کی تاب نہ لا کر اور زہر کے اثر سے سخت متاثر ہو کر ۷۰ سال کی عمر میں مظلومانہ حالت میں

بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ابو حسان زیادی کہتے ہیں کہ جب حضرت الامام نے اپنا آخری وقت محسوس فرمایا تو سجدہ میں چلے گئے اور اسی حالت میں آپ کی روح پرواز ہوئی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ۔

جنازہ قید خانہ سے باہر لایا گیا، بغداد کے قاضی حسن بن عمارہ نے غسل دیا، ابو رجاء جو غسل دینے میں شریک تھے کہتے ہیں کہ غسل کے وقت میں نے آپ کا بدن دیکھا جو نہایت نحیف تھا، عبادت نے اسے پگھلا کر رکھ دیا تھا، ابھی لوگ غسل سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ہزاروں ہزار لوگ آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے، اندازاً پچاس ہزار افراد نے نماز جنازہ پڑھی مجمع کی کثرت کی وجہ سے چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر سے قبل آپ کی تدفین ممکن نہ ہو سکی۔ (عقود الجمان ۳۶۰، ۳۶۱)

حضرت امام مالکؒ کی وفات

امام دار الہجرۃ مالک بن انسؒ جو مدینہ منورہ میں وفات کے اس قدر مشتاق تھے کہ عمر کے آخری حصہ میں مدینہ کے باہر اسفار کو قطعاً ترک فرما دیا تھا، کہ کہیں اور وفات نہ ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو پوری فرمائی، اور مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور جنۃ البقیع میں دفن کی سعادت ملی، انتقال سے قبل شہادت کا کلمہ پڑھا، پھر یہ آیت پڑھتے رہے لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ (حکم اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی) پھر اسی رات وفات پا گئے، اس وقت آپ کی عمر ۸۵ سال تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ ۹/۲۰۳)

وفات کے وقت حضرت امام شافعیؒ کا حال

امام مزنی کہتے ہیں کہ میں مرض الموت میں حضرت امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا کہ: آپ نے صبح کیسے کی؟ تو حضرت نے فرمایا کہ میری صبح اس حال میں ہوئی کہ "میں دنیا سے رحلت کو تیار ہوں، دوستوں اور احباب سے فرقت کا وقت ہے، اپنے برے اعمال سے ملاقات ہونے والی ہے، موت کا پیالہ پینے کے قریب

ہوں، اور اپنے پروردگار کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہوں، اب مجھے معلوم نہیں کہ میری روح جنت کی طرف جائے گی کہ میں اسے مبارک باد دوں، یا جہنم کی طرف جائے گی کہ میں اس کی تعزیت کروں" (کتاب العاقبۃ ۹۰)

پھر آپ نے چند اشعار پڑھے: ایک شعر یہ تھا:

تَعَاظَمَنِیْ ذَنْبِی فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ　　بِعَفْوِكَ رَبِّ كَانَ عَفْوُكَ اَعْظَمَا

میں اپنے گناہوں کو بہت عظیم سمجھتا ہوں، مگر جب اے پروردگار! اس کا مقابلہ تیری معافی سے کرتا ہوں تو تیری معافی یقیناً میرے گناہوں سے کہیں زیادہ عظیم ہے۔ (مشاہیر کے آخری کلمات ۶۲)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی سرخ روئی

"فتنہ خلق قرآن" کے موقع پر ایمانی جرأت اور اسلامی حمیت کی تابناک مثال قائم کرنے والی اسلامی تاریخ کی عظیم شخصیت حضرت امام بن حنبلؒ نے وفات سے قبل ایک وصیت لکھی جس میں اپنے وارثین کو گراں قدر نصیحتیں فرمائیں، پھر بچوں کو بلا کر پیار کیا پھر برابر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں مشغول رہے، مرض کی شدت کے دوران ایک مرتبہ آپ کی زبان سے یہ کلمات نکلے لابعد، لابعد (ابھی نہیں، ابھی نہیں) تو صاحبزادے نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ کس سے فرمارہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا گھر کے ایک کونے میں ابلیس انگلیاں دانتوں میں دبائے کھڑا ہے۔ اور کہہ رہا ہے فُتَّنِی یَا اَحْمَدُ یعنی اے احمد! تم میرے ہاتھ سے نکل گئے، تو میں اس کو جواب دے رہا تھا کہ ابھی نہیں نکلا جب تک کہ اسلام پر وفات نہ ہو جائے۔

وفات سے کچھ پہلے آپ نے گھر والوں سے کہا وضو کرائیں، چنانچہ آپ کو وضو کرایا گیا، آپ ذکر ودعا میں مشغول رہے اور وضو کی ہر ہر سنت کا خیال فرماتے رہے حتیٰ کہ انگلیوں میں خلال بھی کروائی پھر جیسے ہی وضو پورا ہوا آپ کی روح پرواز کر گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، جمعہ کے دن صبح کے وقت آپ کا وصال ہوا، آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی

طرح پھیل گئی، لوگ غم سے نڈھال ہو کر سڑکوں پر نکل آئے، جب جنازہ باہر آیا تو بغداد کے گلی کوچوں میں تاحد نظر آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، لاکھوں افراد نے نماز جنازہ پڑھی، اور زبردست مجمع کی وجہ سے عصر کے بعد آپ کی تدفین عمل میں آسکی۔(البدایۃ والنھایۃ ۱۰/۷۹۲)

تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے ہمارے اور اہل بدعت (قائلین خلق قرآن) کے درمیان فیصلہ ہمارے جنازے کو دیکھ کر ہوگا، چنانچہ یہ فیصلہ اس طرح ہوا کہ آپ کے مخالفین کے جنازوں میں تو بس گنتی کے لوگ شریک ہوئے، کسی نے ان کا کوئی زیادہ غم نہ منایا، جبکہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے جنازے کو دیکھ کر مؤرخین دنگ رہ گئے، خلیفہ متوکل نے جب اس جگہ کو ناپنے کا حکم دیا جہاں امام احمد بن حنبلؒ کے جنازے کی نماز پڑھی گئی تو اندازہ لگایا گیا کہ ۲۵ لاکھ افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، عبدالوہاب وراق کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت یا تاریخ اسلام میں اس سے بڑے کسی جنازے کا ثبوت نہیں ملتا، اس دن اس عظیم مجمع کو دیکھ کر ۲۰ ہزار کے قریب غیر مسلم دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔(البدایۃ والنھایۃ ۱۰/۷۹۳)

اللہ اکبر! یہ ہے اللہ والوں کا حال کہ جب وہ دنیا سے اٹھتے ہیں تو نہ جانے کتنے دلوں کی آہوں اور سسکیوں کے ساتھ ان کو دل کی گہرائیوں سے خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اکثر دنیادار جب دنیا سے جاتے ہیں تو محدود افراد ہی پر ان کی جدائی شاق ہوتی ہے، اور بس!

بعض صالحین کے حالات وفات

(۱) عظیم محدث اور استاد التعبیر امام محمد بن سیرینؒ پر وفات کے وقت گریہ طاری تھا، اور فرما رہے تھے کہ "مجھے گزشتہ زندگی کی کوتاہیوں اور جنت میں جانے والے اعمال میں کمی اور جہنم سے بچانے والے اعمال کی قلت پر رونا آرہا ہے"۔(کتاب العظمۃ)

(۲) مشہور فقیہ اور محدث ابراہیم نخعیؒ وفات کے وقت روتے ہوئے فرمارہے تھے، "میں اپنے رب کے قاصد کا منتظر ہوں، پتہ نہیں وہ مجھے جنت کی خوشخبری سنائے گا یا جہنم کی؟" (کتاب العاقبة ۷۰)

(۳) حضرت ابوعطیہ المذبوح موت کے وقت گھبرانے لگے، لوگوں نے کہا کیا موت سے گھبراتے ہیں؟ فرمایا: میں کیوں نہ گھبراؤں، یہ تو ایسا وقت ہے کہ مجھے پتہ نہیں کہ مجھے کہاں لے جایا جائے (جنت میں یا جہنم میں)۔ (کتاب العاقبة ۷۰)

(۴) حضرت فضیل بن عیاضؒ پر وفات کے قریب غشی طاری ہوئی، پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا: "ہائے افسوس! سفر دور کا ہے اور توشہ بہت کم ہے"۔ (کتاب العاقبة ۷۰)

(۵) حضرت جنید بغدادیؒ نے انتقال سے کچھ پہلے ہی قرآن پاک تلاوت کر کے ختم فرمایا۔ حاضرین نے کہا کہ ایسی شدت کے وقت میں بھی آپ نے تلاوت موقوف نہیں کی؟ تو آپ نے فرمایا: "اس وقت سے زیادہ میرے لئے پڑھنے کا اور کون سا وقت ہوگا، اس وقت میرے اعمال نامے لپیٹے جارہے ہیں اس کے بعد آپ نے تکبیر پڑھی اور جان جاں آفریں کے سپرد کردی"۔

نیز آپ کو وفات سے پہلے جب کلمہ طیبہ کی تلقین کی گئی تو فرمایا کہ: "یہ کلمہ میں بھولا ہی کب ہوں جو مجھے یاد دلایا جائے" یعنی آپ کو ذکر خداوندی کا ملکہ یادداشت حاصل تھا جو تصوف وسلوک کا منتہائے مقصود ہے۔ (کتاب العاقبة ۸۸)

(۶) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے وفات کے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر مسکرائے اور فرمایا: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (ایسے ہی وقت کے لئے عاملین عمل کرتے ہیں)۔ (کتاب العاقبة ۸۹)

پانچویں فصل

نزع کے عالم میں تیمار دار کیا پڑھیں؟

جب آدمی پر نزع کا عالم طاری ہو، اور موت کی شدت شروع ہو جائے، تو اس وقت حاضرین کو سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کرنی چاہیے۔ اس سے روح نکلنے میں سہولت ہوتی ہے۔ بعض ضعیف روایتوں میں یہ مضمون وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ مَيِّتٍ يُقْرَأُ عِنْدَ رَأْسِهِ يٰسٓ اِلَّا هَوَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ (شرح الصدور ۶۹)

جس مرنے والے کے سر کے قریب سورۂ یٰسین شریف پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر معاملہ آسان فرما دیتا ہے۔

اور حضرت جابر بن زید فرماتے ہیں کہ سورۂ رعد پڑھنے سے بھی مرنے والے کو سہولت اور آسانی نصیب ہوتی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۴۴۵/۳)

اور مستحب ہے کہ نزع کے وقت میت کا رخ قبلہ کی جانب کر دیا جائے۔ اور اس کے سامنے کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بلند آواز سے پڑھا جائے۔ مگر اسے باقاعدہ پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے کہ کہیں وہ جھنجھلا کر انکار نہ کر دے۔ اور جب وہ ایک مرتبہ پڑھ دے تو بار بار پڑھنے پر بھی زور نہ ڈالیں۔ (درمختار ۷۸/۲۔۸۰) اور جب روح پرواز کر جائے تو اس کے جباڑوں کو کسی پٹی وغیرہ سے باندھ دیں، اور اس کی آنکھیں بند کر دیں، اور آنکھیں بند کرنے والا یہ دعا پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ (شرح الصدور ۷۲) پھر میت کے پاس خوشبو کا نظم کر دیا جائے اور ناپاک لوگ جنبی اور حائضہ عورتیں وغیرہ اس کے پاس سے ہٹ جائیں۔ اور اعزاء و اقرباء کو اس کی موت کی اطلاع دے دی جائے۔ اور تجہیز و تدفین میں حتی الامکان جلدی کی جائے۔ (درمختار ۸۳/۲) اور میت کو جب تک غسل نہ دے دیا جائے اس وقت تک اس کے قریب بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت نہ کریں۔ غسل کے بعد کر سکتے ہیں، اسی طرح گھر کے دوسرے کمرے میں بھی کر سکتے ہیں۔ (شامی ۸۵/۳)

تدفین میں جلدی کریں

جہاں تک ممکن ہو تدفین میں جلدی کرنی چاہیے۔ خوامخواہ انتظار میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرًا تُقَدِّمُوْهَا اِلَيْهِ وَاِنْ تَكُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۶)

جنازہ کو لے جانے میں جلدی کرو۔ اس لئے کہ وہ اچھا آدمی ہے تو تم اس کو بہتر ٹھکانے تک جلدی پہنچاؤ گے، اور اگر وہ اچھا نہیں ہے تو تم اپنے کاندھوں سے برائی کا بوجھ دور کرو گے۔ (یعنی بہر صورت تعجیل بہتر ہے)

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

وَعَجِّلُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَ انَي اَهْلِه

(ابوداؤد شریف ۲/۴۵۰، شامی ۳/۸۳)

اور اس کی تیاری میں جلدی کرو کیونکہ کسی مسلمان کی لاش کا اس کے گھر والوں کے درمیان پڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔

اس تعجیل کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا جمعہ کی صبح کو انتقال ہو جائے تو محض اس وجہ سے جمعہ کی نماز تک جنازہ میں تاخیر کرنا مکروہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ میں بڑا مجمع شریک ہو جائے گا، بلکہ جیسے ہی تیاری مکمل ہو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا چاہیے۔ (در مختار ۳/۱۳۶)

نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ثواب

مسلمان کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا بڑا عظیم ثواب احادیث طیبہ میں وارد ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے

ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کے نماز جنازہ میں شریک ہو پھر تدفین تک شامل رہے تو اس کو دو قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے اور ہر قیراط کی مقدار احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے۔ یہ عظیم اجر وثواب سن کر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یقین نہیں آیا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تصدیق کرائی، جب انہوں نے اس کی تصدیق فرمادی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سے قیراط مفت میں ضائع کردیئے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اکثر نماز جنازہ میں شرکت کرکے واپس آجاتے تھے۔ دفن میں شریک نہ ہوتے تھے۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۷)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مؤمن کو سب سے پہلا بدلہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (نوادر الاصول ۱/۳۸۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کثرت کے ساتھ جنازہ کی نمازوں اور تدفین میں شرکت کرکے اپنے کو زیادہ سے زیادہ اجر وثواب کا مستحق بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ عمل، بالخصوص اپنی موت کو یاد دلانے کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔ دوسرے کا جنازہ دیکھ کر اپنا جنازہ اور اپنی موت بے اختیار یاد آجاتی ہے۔ اور دل بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ آج اس کی باری ہے کل ہماری باری ہوگی۔

جنازہ قبرستان میں

جب جنازہ قبرستان پہنچے تو ساتھ چلنے والوں میں سے کوئی شخص اس وقت تک بیٹھنے کی کوشش نہ کرے جب تک کہ جنازہ کی چارپائی کندھوں سے اتار کر نیچے زمین پر نہ رکھ دی جائے (مسلم شریف ۱/۳۱۰) اس کے بعد میت کو قبر میں اتارنے کی تیاری کی جائے۔ اور قبر میں اتارنے والے حضرات میت کو رکھتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ (اللہ کے نام سے تجھے رکھتے ہیں، اور اللہ کے رسول کے دین پر تجھے اللہ کے حوالے کرتے ہیں) کا ورد کریں، اور پھر میت کو کروٹ سے دائیں طرف قبلہ رو کرکے لٹادیں۔ (درمختار ۳/۱۴۱)

اس کے بعد قبر برابر کرکے اس پر مٹی ڈالی جائے۔ ہر شخص کا تین مٹھی ڈالنا مسنون

ہے۔اور بہتر ہے کہ پہلی مٹھی ڈالتے وقت مِنۡهَا خَلَقۡنٰکُمۡ؟ (اسی مٹی سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے) دوسری مٹھی ڈالتے وقت وَفِیۡهَا نُعِیۡدُکُمۡ (اور اسی میں ہم تمہیں دوبارہ لوٹا رہے ہیں) اور تیسری مٹھی ڈالتے وقت وَمِنۡهَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی (اور اسی میں سے ہم (قیامت میں) تمہیں دوبارہ نکالیں گے) پڑھیں۔ (شامی ۱۴۳/۲)

اور دفن کے فوراً بعد حاضرین کو لوٹنا نہیں چاہئے بلکہ کچھ دیر قبرستان میں رہ کر دعا اور ایصال ثواب میں مشغول رہنا مسنون ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے قبرستان میں موجود رہنے سے مرنے والے کو انسیت اور ڈھارس نصیب ہوتی ہے۔ایک روایت میں ہے۔

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنۡ دَفۡنِ الۡمَيِّتِ وَقَفَ عَلٰى قَبۡرِه وَقَالَ: اِسۡتَغۡفِرُوا لِاَخِيۡكُمۡ وَاسۡئَلُوا اللّٰهَ لَهُ التَّثۡبِيۡتَ فَاِنَّهُ الۡاٰنَ يُسۡاَلُ۔ (ابوداؤد شریف ۴۵۹/۲، شامی ۱۴۳/۲)

آنحضرت ﷺ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو، اور اس کے لئے ثابت قدمی کی درخواست کرو کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جانے والا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمائے تھے کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔ (شامی ۱۴۳/۲) اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے انتقال کے وقت گھر والوں کو وصیت فرماتے ہوئے کہا کہ: جب میرا انتقال ہوجائے تو میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو کوئی رونے والی عورت جائے اور نہ آگ ساتھ لیجائی جائے۔ (کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کی علامات تھیں) پھر جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر کچھ پانی کا چھڑکاؤ کر دینا، پھر جتنے وقت میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے اتنے وقت تک تم لوگ میری قبر کے پاس ہی رہنا تا کہ میں تم سے انسیت حاصل کرسکوں اور یہ دیکھوں کہ میں اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (مسلم شریف ۷۶/۱)

قبروں کو پختہ بنانا یا ان کی بے حرمتی کرنا ممنوع ہے

قبروں کے متعلق شریعت اسلامیہ نے انتہائی اعتدال کا راستہ اپنایا ہے۔ شریعت نہ تو اس کی اجازت دیتی ہے کہ قبروں کو پختہ بنا کر ان کی حد سے زیادہ تعظیم کیجائے۔ اور نہ ہی اس کی اجازت دیتی ہے کہ قبروں کی کسی طرح بے حرمتی کی جائے یا اس پر پیر رکھا جائے اور اس کو بیٹھنے کی جگہ قرار دیا جائے۔ حضرت جابرؓ ارشاد فرماتے ہیں:

نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُبْنىٰ عَلَيْهِ۔

(مسلم شریف ۳۱۲/۸، ترمذی شریف ۲۰۳/۱)

آنحضرت ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے، اور اس پر بیٹھنے اور اس پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نقل فرماتے ہیں:

لَاَنْ يَجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ يَجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ۔ (مسلم شریف ۳۱۲/۱)

تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھے جو اس کے کپڑے جلا کر کھال تک پہنچ جائے یہ اس بات سے بدرجہا بہتر ہے کہ وہ قبر کے اُوپر بیٹھے۔ (یعنی قبر پر بیٹھنے کے مقابلہ میں جل جانا بہتر ہے)

اس لئے مسلمانوں کو ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا لازم ہے۔ نہ تو قبروں کو پختہ بنا کر شرک و بدعت کی آماجگاہ بنائیں جیسا کہ آجکل بزرگان دین کے مزارات کے ساتھ کیا جارہا ہے۔ اور نہ ہی قبروں کی بے حرمتی کی جائے جیسا کہ اکثر شہری قبرستانوں میں یہ بے احتیاطی عام ہے۔

عورتوں کا قبروں پر جانا

قبرستان میں حاضری کا مقصد دراصل موت کی یاد ہے، لیکن اب جہالت اور

بدعت نے قبرستانوں کو اچھی خاصی تفریح گاہوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ وہاں جا کر آج کوئی موت کو یاد نہیں کرتا بلکہ یا تو سیر و تفریح کے لئے لوگ وہاں جاتے ہیں یا پھر اپنی دنیوی اغراض۔ لے کر جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ "پیر صاحب" سے جو مانگ لیا وہ تو بس ملنا ہی ملنا ہے۔ خاص طور پر خواتین کا بد عقیدگی کے ساتھ قبرستانوں اور بزرگوں کے مزار پر جانا کسی طرح بھی درست نہیں۔

ذرا غور فرمائیے! جن عورتوں کو فتنہ کی وجہ سے مسجد میں باجماعت نماز تک سے رخصت دے دی گئی ہے انہیں مزارات پر جا کر منتیں مانگنے کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟ یہ جگہیں فتنہ ہی نہیں بلکہ فتنہ کی آماجگاہ بنی ہوئی ہیں۔ (مستفاد شامی ۱/۳۸۰)

بہر حال ہمیں اعتدال کی راہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ اولیاء اللہ سے محبت اور ان کا احترام بھی ضروری ہے اور ساتھ میں شریعت کی حدود کی رعایت بھی لازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اکابر امت کی محبت میں شریعت کو چھوڑ بیٹھیں اور آخرت میں وبال اور عذاب کے مستحق ہو جائیں۔ ہمیں اللہ سے شرم کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اطاعت اور فرمانبرداری کا طریقہ اپنانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو رائج خرافات سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

باب پنجم

قبر کے حالات

☆ قبر میں سوال وجواب

☆ یہ بدن گل سڑ جائے گا

☆ قبر میں راحت وعذاب

پہلی فصل

قبر میں سوال و جواب

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ایک انصاری شخص کے جنازے میں قبرستان میں حاضر تھے۔ ابھی قبر کی تیاری میں دیر تھی۔ اس لئے آنحضرت ﷺ ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے۔ ہم لوگ بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے (جیسا کہ کوئی غمزدہ شخص کرتا ہے) پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور مخاطب ہو کر ہم سے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ چاہو۔ دو تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جب مؤمن بندہ کا دنیا سے رحلت اور آخرت میں حاضری کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکدار ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، یہ فرشتے اس کے سامنے تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ اے مطمئن روح! چل اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف۔ پھر اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ کا بند کھولنے سے اس کا پانی بآسانی نکل آتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت اس کی روح کو اپنے قبضے میں کر لیتے ہیں اور فوراً ہی ساتھ میں آئے ہوئے فرشتے اس لے کر جنت کے کفن اور حنوط (خوشبو) میں لپیٹ دیتے ہیں تو اس سے اعلیٰ ترین مشک کی طرح خوشبو پھیل اٹھتی ہے، پھر وہ فرشتے اس روح کو لے کر چلتے ہیں۔ تو جب بھی فرشتوں کی کسی جماعت پر ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی پاکیزہ روح ہے؟ تو وہ فرشتے نام بنام اس کا بہترین انداز میں تعارف کراتے ہیں۔ یہاں تک کہ آسمان کے مقرب فرشتے اوپر والے آسمان تک اس کی روح کی مشایعت کرتے ہیں تاآنکہ اس کو ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اس

بندے کا نام "علیین" میں لکھ دو، او سے دوبارہ زمین کی طرف لے جاؤ، کیونکہ میں نے اسے زمین ہی سے پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں اسے لوٹا رہا ہوں اور اسی سے قیامت کے روز دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پھر اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے سوال کرتے ہیں من ربك؟ (تیرا رب کون ہے) وہ جواب دیتا ہے ربی اللّٰہ! (میرا رب اللہ ہے) پھر پوچھتے ہیں ماد ینك؟ (تیرا دین کیا ہے؟) وہ جواب دیتا ہے دینی الاسلام (میرا مذہب اسلام ہے) پھر آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے (اس کی صورت و کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے) پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟ تو وہ مؤمن جواب دیتا ہے کہ ھو رسول اللّٰہ ﷺ (یہ اللہ کے سچے رسول ہیں) پھر فرشتے پوچھتے ہیں تمہارا علم کیا ہے؟ تو مؤمن جواب دیتا ہے میں نے قرآن کریم پڑھا ہے اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اس کی تصدیق کی ہے۔ اس سوال و جواب پر آسمان سے ندا آتی ہے میرے بندے نے سچ کہا لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو، اور اسے جنتی لباس پہنا دو، اور اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دو تا کہ جنت کی ہوا اور خوشبو اسے حاصل ہو سکے۔ اور اس کے لئے اس کی قبر تا حد نظر وسیع کر دو، پھر اس مؤمن کے پاس ایک خوبصورت شخص اچھے لباس اور عمدہ خوشبو کے ساتھ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ کہ بشاشت انگیز خوشخبری قبول کرو یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ مؤمن اسے دیکھ کر پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ تو خیر لانے والے چہرے کی طرح ہے تو وہ شخص جواب دیتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں (قبر کا یہ آرام دیکھ کر) مؤمن کہتا ہے کہ اے رب قیامت قائم فرما، تا کہ میں جلدی اپنے مال و دولت اور گھر والوں سے ملاقات کر سکوں۔

الخ (مسند احمد ۲۸۷/۴ رقم: ۱۸۴۴۳ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۷/۳ شرح الصدور ۹۳)"

اور ترمذی شریف وغیرہ کی روایت میں ہے کہ جب مؤمن بندہ منکر نکیر کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے تو اس کے لئے اس کی قبر ستر ہاتھ لمبی چوڑی کر دی جاتی ہے اور اسے روشن کر کے اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جا! وہ شخص مارے خوشی کے جواب دیتا ہے کہ مجھے

میرے گھر والوں کے پاس تو جانے دو کہ میں انہیں بتاؤں (کہ میں کتنے مزے میں ہوں) تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ:

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ مَضْجَعَهُ ذَلِكَ۔ (الترمذی شریف ۲۰۵/۲، بیہقی فی شعب الایمان، شرح الصدور ۱۸۷)

تو اس دلہن کی طرح سو جا۔ جس کو صرف وہی شخص بیدار کرتا ہے جو اس کے نزدیک اس کے گھر والوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (یعنی شوہر) اور (اس وقت تک سوتا رہے گا) جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی قیام گاہ سے دوبارہ نہ اٹھائے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا" کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میت کو اس کی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو واپس ہوتے ہوئے لوگوں کے جوتوں کی آواز وہ خود سنتا ہے پس اگر وہ مؤمن ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے اور زکوٰۃ دائیں جانب اور روزہ بائیں جانب اور اچھے کام اور لوگوں کے ساتھ حسن وسلوک اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے تو اگر عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ دائیں طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ بند ہے، پھر بائیں طرف سے آتا ہے تو روزہ اسی طرح کا جواب دیتا ہے اس کے بعد سامنے سے آتا ہے تو لوگوں کے ساتھ حسن وسلوک اس کے آڑے آجاتا ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے بیٹھ جاؤ چنانچہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور اس کے سامنے سورج اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے وہ غروب ہونے والا ہو تو فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ ہم جو سوال کرتے ہیں اس کا جواب دو تو وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو مجھے نماز پڑھنے دو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ بھی ہو جائے گا پہلے ہماری بات کا جواب دو تو وہ کہتا ہے کیا ہے؟ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ فرشتے کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے یعنی حضور اکرم ﷺ سے متعلق؟ وہ مؤمن جواب دیتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں جو ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے واضح

دلائل لے کر تشریف لائے پس ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی پیروی کی۔ اس جواب پر فرشتے خوشخبری سناتے ہیں کہ تو نے سچ کہا تیری زندگی اسی عقیدے پر گذری اور اسی پر تیری موت آئی اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی پر قیامت کے دن تجھے اٹھایا جائے گا اس کے بعد اس کے لئے قبر کو تا حد نظر وسیع کر دیا جاتا ہے یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ۔

(سورۃ ابراھیم آیت: ۲۷)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت پر ثبات قدمی عطا فرماتا ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے جہنم کا دروازہ کھولو چنانچہ اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھول کر اسے بتایا جاتا ہے کہ دیکھ اگر تو نافرمان ہوتا تو تیرا ٹھکانہ یہ ہوتا جس کی بناء پر اس کی خوشی اور مسرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ اس کے سامنے جنت کا دروازہ کھول دو چنانچہ جنت کا دروازہ کھول کر اس کو بتایا جاتا ہے کہ یہ ہے تمہارا ٹھکانہ اور وہ نعمتیں جو اللہ نے تمہارے لئے پہلے سے تیار کر رکھی ہیں۔ انہیں دیکھ کر بھی اس کا دل بشاشت اور مسرت سے معمور ہو جاتا ہے پھر اس کا بدن تو مٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور اس کی روح کو پاکیزہ روحوں میں جن کا مقام جنت کے درختوں میں بسیرا کرنے والے ہرے پرندوں کے اندر ہے، شامل کر دیا جاتا ہے۔ الیٰ آخرہ (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ ووافقہ الذہبی) (حاشیہ شرح الصدور ۱۸۹)

مبشر، بشیر

عام طور پر روایت میں قبر میں سوال کرنے والے فرشتوں کا نام منکر، نکیر آیا ہے۔ لیکن بعض شافعی علماء سے منقول ہے کہ کافر سے سوال کرنے والے فرشتوں کا نام منکر نکیر ہے، جبکہ ایمان والے سے سوال کرنے والے فرشتوں کا نام مبشر، بشیر ہے (یعنی خوشخبری سنانے والے) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (شرح الصدور ۲۰۰)

قبر میں کافر منافق کا بدترین حال

اس کے برخلاف جو کافر اور منافق شخص مرنے کے قریب ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے سیاہ چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں (بدبودار) ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں، وہ اس کے سامنے تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت تشریف لاکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں: اے خبیث جان! اللہ کے عذاب اور غصہ کی طرف چل، یہ سن کر اس کی روح بدن میں ادھر ادھر بھاگتی پھرتی ہے۔ لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح سختی سے نکالتے ہیں جیسے بھیگا ہوا اون کباب بھوننے والی سیخ پر لپیٹا ہوا ہو اور پھر وہ سیخ زور سے کھینچ لی جائے۔ پھر ملک الموت اس روح کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور فوراً ہی ساتھ آئے ہوئے فرشتے اسے لے کر ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور ان ٹاٹوں میں ایسی بدبو ہوتی ہے جو روئے زمین پر پائی جانے والی متعفن مردار لاش سے پھوٹتی ہے۔ پھر وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کون خبیث جان ہے؟ تو ساتھ والے فرشتے برے سے برے القاب اور ناموں سے اس کا تعارف کراتے ہیں۔ تا آنکہ یہ فرشتے اسے لے کر آسمان کے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر وہ دروازہ ان کے لئے نہیں کھولا جاتا، جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ۔ (الاعراف ۴۰ پ ۸)

نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے دروازے آسمان کے، اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ نہ گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس کا نام "کتاب سجین" میں لکھ دیا جائے جو سب سے نچلی زمین میں ہے۔ چنانچہ اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (الحج ۳۱پ۱۷)

اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے۔ پھر اچکتے ہیں اس کو اڑنے والے مردار خور یا جاڑالا اس کو ہوا نے کسی دور مکان میں۔

اس کے بعد اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔اور دو فرشتے اس کے پاس آکر اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے، ہائے مجھے پتہ نہیں۔ پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ پھر یہی کہتا ہے۔ ہائے، ہائے مجھے خبر نہیں پھر فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے؟ جو تیرے پاس بھیجا گیا تھا (یعنی حضور اکرم ﷺ) تو وہ جواب دیتا ہے ہائے، ہائے مجھے علم نہیں۔ اس پر آسمان سے آواز آتی ہے کہ یہ میرا بندہ جھوٹا ہے (اسے سب پتہ ہے مگر لاعلمی ظاہر کر رہا ہے) لہذا اس کے نیچے آگ کے انگارے بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کا دروازہ کھول دو، چنانچہ دوزخ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس کی سخت تپش اور لو آنے لگتی ہے۔ اور اس پر قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں تنگ بھنچ کر ادھر ادھر چلی جاتی ہیں، اور پھر اس کے پاس ایک شخص آتا ہے جو انتہائی بدصورت، بدبودار اور گندے کپڑوں میں ہوتا ہے، وہ شخص اس منافق سے کہتا ہے کہ بری خبر سن لے یہی وہ دن ہے جس سے تجھے ڈرایا جاتا تھا۔ وہ کہتا ہے کون ہے تو؟ تیری صورت واقعی بری خبر سنانے والے کے مانند ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ تیرا برا عمل ہوں، یہ سن کر (اس ڈر سے کہ قیامت میں مزید عذاب ہوگا) وہ کافر یہ کہتا ہے اے رب! قیامت قائم نہ فرما۔ (مسند احمد ۲۸۷/۴، ابن ابی شیبہ ۵۸/۳، شرح الصدور ۹۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ کافر منافق کے اردگرد خطرناک زہریلے سانپ چھوڑ دیئے جاتے ہیں جو برابر اسے کاٹتے اور ڈستے رہتے ہیں، اور جب وہ چیختا ہے تو لوہے یا آگ کے ہتھوڑے سے اس کی پٹائی کی جاتی ہے۔ اعاذ نا اللّٰہ منه (ابن ابی شیبہ ۵۶/۳)

اور اس پر مسلط ہونے والے سانپ بچھو اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی روئے زمین پر ایک پھونک بھی مار دے تو قیامت تک زمین میں کوئی سبزہ نہ پیدا ہوسکے۔ (مجمع الزوائد ۵۴/۳) بعض روایات میں ان اژدہوں کی تعداد ۹۹ وارد ہے۔ اور ان میں ہر اژدہا سات سروں والا ہے۔ (مجمع الزوائد ۵۵/۳) اللهم احفظنا منه۔

قبر میں کیا ساتھ جائے گا؟

قبر میں صرف انسان کا عمل ساتھ جائے گا۔ دنیوی راحت و آرام قبر کی زندگی میں کام نہیں آسکتا، جس طرح آدمی جب دوسرے ملک کے سفر پر جاتا ہے تو وہاں کی کرنسی اور وہاں چلنے والے نوٹ اور روپیوں کا انتظام ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم برزخ اور عالم آخرت میں جانے سے قبل وہاں چلنے والی کرنسی کو حاصل کرنا لازم ہے، اور وہاں کی کرنسی ایمان کامل اور عمل صالح ہے۔ اگر یہ دولت میسر ہے تو سفر آخرت کے ہر موڑ پر قبر کا مرحلہ ہو یا بعد کا آرام ہی آرام نصیب ہوگا۔ اور اگر ایمان اور عمل صالح کا سرمایہ پاس نہیں ہے تو پھر محرومی ہی محرومی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے عقلمند وہ آدمی ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور مرنے کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرتا رہے۔ واقعی دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی محدود اور عارضی زندگی میں جی لگانے کے بجائے آخرت کی دائمی زندگی کو بنانے پر مکمل محنت کی جائے۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔ (بخاری شریف ۹۶۴/۲ مسلم شریف ۴۰۷/۲ ترمذی شریف ۶۰/۲)

میت کے ساتھ تین طرح کی چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہ جاتی ہے۔ میت کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے، اس کے گھر والے اور مال تو لوٹ آتے ہیں، اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

کتنا ہی قریبی عزیز ہو، اسے قبرستان میں چارو ناچار چھوڑ کر آنا پڑتا ہے۔ اور مال بھی قبر میں نہیں رکھا جاتا اور نہ اس سے کوئی نفع ملتا ہے بلکہ آنکھیں بند ہوتے ہی مال خود بخود وارث کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ لیکن عمل ایسا پکا اور وفادار دوست ہے جو دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے، قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے اور میدان محشر میں بھی ساتھ رہے گا، اور اپنے عامل کو اصل ٹھکانے (جنت یا جہنم) تک پہنچا کر دم لے گا، لہٰذا ابھی سے اچھے عمل سے دوستی کرنی چاہیے تا کہ وہ اچھے مقام تک ہمیں پہنچا دے۔

دوسری فصل

یہ بدن گل سڑ جائے گا

انسان کا یہ بدن مٹی سے بنا ہے اور مٹی ہی میں مل جائے گا، قبر میں جا کر خوبصورت آنکھیں جنہیں سرمہ اور کاجل سے سنوارا جاتا ہے اور یہ بال اور رخسار جنہیں حسین وجمیل بنانے کی تگ ودو کی جاتی ہے اور یہ پیٹ جس کی بھوک مٹانے کے لئے ہر طرح کے جتن کئے جاتے ہیں، یہی آنکھیں پھوٹیں گی اور ان کا پانی چہرے کے رخساروں پر بہہ پڑے گا، بال خود بخود گل کر ٹوٹ جائیں گے، پیٹ بدبودار ہو کر پھٹ پڑے گا، قبر کے کیڑے اس مٹی کے بدن کو اپنی غذا بنالیں گے، اس حالت کو انسان دنیا میں بھولے رہتا ہے مگر یہ حالت پیش آکر رہے گی، اسی جانب متوجہ کرنے کے لئے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرات صحابہؓ سے ارشاد فرمایا:

"روزانہ قبر فصیح وبلیغ زبان میں برملا یہ اعلان کرتی ہے کہ اے آدم کی اولاد! تو مجھے کیسے بھول گیا؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مسافرت کی جگہ ہوں، میرا مقام وحشت ناک ہے؟ اور میں کیڑوں کا گھر ہوں اور میں تنگ جگہ ہوں سوائے اس شخص کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ مجھے وسیع فرمادے! پھر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر یا تو جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ یا جنت کی پھلواریوں میں سے ایک پھلواری ہے"۔ (مجمع الزوائد ۳/۴۶ شرح الصدور ۱۶۵)

لہذا اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء کا تقاضا بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اپنی موت اور بدن کی بوسیدگی کو یاد رکھیں" اس سے فکر آخرت پیدا ہوگی اور گناہوں سے بچنے کا داعیہ ابھر کر سامنے آئے گا۔

وہ خوش نصیب جن کا بدن محفوظ رہے گا؟

اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کے اعزاز میں اپنی بے مثال قدرت کا اس

طرح بھی اظہار فرماتے ہیں کہ ان نیک بندوں کے جسموں کو سالہا سال گزرنے کے باوجود زمین میں جوں کا توں محفوظ فرمادیتے ہیں۔ اور زمین ان پاکیزہ ابدان کو فنا کرنے سے عاجز رہتی ہے۔ ان خوش نصیب اشخاص میں سب سے پہلا درجہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَامَ الْأَنْبِيَاءِ (ابوداؤد شریف ۱/۱۵۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے ابدان طیبہ کو حرام کردیا ہے۔

اسی بنا پر اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ اپنی اپنی قبروں میں بلا کسی تغیر کے بعینہ موجود ہیں۔ اور ان کو ایک خاص قسم کی حیات برزخی حاصل ہے۔

اور بعض شہداء اسلام کے بارے میں مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ان کے اجسام بھی دفن کے سالہا سال بعد صحیح سالم پائے گئے (اگرچہ شہید کے ساتھ ایسا ہونا لازم نہیں، کیونکہ شہید کو جو خاص حیات برزخی حاصل ہے اس کے لئے یہی بدن بعینہ موجود ہونا لازم نہیں)۔ (مستفاد روح المعانی ۲/۲۱)

عبداللہ بن تامر کا واقعہ

امم سابقہ میں حضرت عبداللہ بن تامر جنہوں نے ظالم بادشاہ کے سامنے اظہار حق کیا اور پھر انہیں بسم اللہ پڑھ کر تیر مارا گیا جس سے وہ شہید ہوگئے، اور ان کے ماننے والوں کو بادشاہ نے آگ کی خندقیں کھدوا کر ان میں جلا ڈالا، جس کا ذکر سورہ بروج میں ہے ان کے بارے میں ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عبداللہ بن تامر کی قبر کسی طرح کھل گئی تو دیکھا گیا کہ ان کی لاش صحیح سالم ہے اور ان کا ہاتھ بدستور کنپٹی پر اسی طرح رکھا ہوا ہے جیسے شہادت کے وقت ہوگا۔ (ترمذی شریف ۲/۱۷۲)

غزوۂ احد کے بعض شہداء کا حال

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ (جو غزوہ

احد میں شہید ہو گئے تھے) کی قبر مبارک کسی ضرورت سے چھ مہینہ کے بعد کھول کر آپ کی نعش وہاں سے منتقل کی تو اس میں بالکل کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی، بس چند بال مٹی آلود ہو گئے تھے۔ (اسد الغابہ ۳/ ۲۴۴)

احد میں شہید ہونے والے دو انصاری صحابہ حضرت عمرو بن الجموحؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو ایک ہی قبرستان میں دفن کیا گیا تھا ایک دفعہ ۳۹ سال کے بعد مدینہ منورہ میں سیلاب آیا جس سے ان حضرات کی قبر مبارک کھل گئی، چنانچہ لوگوں نے ان دونوں کی نعش وہاں سے منتقل کرنے کی کاروائی کی تو لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ان کے جسم میں ذرہ برابر بھی تغیر نہ ہوا تھا، اور ایسا محسوس ہوتا تھا گویا وہ کل ہی شہید ہوئے ہوں، اور ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ زخم کی جگہ پر رکھا ہوا تھا، جب اسے ہٹانے کی کوشش کی گئی، تو وہ دوبارہ اپنی جگہ چلا گیا جیسا کہ پہلے تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(اسد الغابہ ۳/ ۲۴۴، التذکرہ ۱۸۵، شرح الصدور ۲۶۲)

دیگر شہداء کے ساتھ بھی اس طرح کے واقعات ثابت ہیں، علامہ سیوطیؒ ابن الجوزی کی تاریخ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ میں ایک ٹیلے سے ۷ قبریں ظاہر ہو گئیں، ان میں ۷ لاشیں تھیں، سب کے جسم صحیح سالم تھے، اور ان کے کفنوں سے مشک کی خوشبو پھوٹ رہی تھی ان میں سے ایک شخص جوان تھا جس کے بالوں میں زلفیں تھیں، اور اس کے ہونٹوں پر ایسی تازگی تھی گویا ابھی پانی پیا ہو، اور اس کی آنکھیں سرمہ آلود تھیں اور اس کی کوکھ میں زخم کا نشان تھا، بعض لوگوں نے اس کے بال اکھیڑنے چاہے مگر وہ ایسے ہی مضبوط تھے جیسے زندہ شخص کے ہوتے ہیں۔ (شرح الصدور ۲۶۸)

قبر پر خوشبو اور روشنی

عبداللہ بن غالبؒ بڑے بزرگ گزرے ہیں ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی تھی، مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر پر جا کر جو مٹی اٹھا کر سونگھی تو وہ بالکل مشک کی طرح تھی۔ (کتاب العاقبۃ ۱۳۰)

ابو محمد عبداللہ البکریؒ فرماتے ہیں کہ میں بصرہ میں صحابی رسول حضرت زبیر بن العوامؓ کی قبر پر حاضر ہوا تو اچانک میرے بدن پر گلاب کے عرق کا چھڑکاؤ ہوا جس سے میرے کپڑے تر ہو گئے۔ (کتاب العاقبۃ ۱/۱۳۰)

یہ ان حضرات کی کرامت ہے جو اللہ کی قدرت سے مستبعد نہیں۔

اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب صالح بادشاہ نجاشی کا انتقال ہو گیا تو لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کی قبر پر روشنی نظر آتی ہے۔ (کتاب العاقبۃ ۱/۱۳۰)

مؤذن محتسب کو بشارت

عام طور پر لوگ مسجد کے مؤذن کو بے حیثیت خیال کرتے ہیں، حتیٰ کہ بہت سے بے توفیق لوگ تو اس کام ہی کو حقارت سے دیکھتے ہیں حالانکہ یہ کام اتنا بلند اور پر عظمت ہے کہ جو شخص محض رضا خداوندی کے لئے پابندی سے اذان کہتا ہے اللہ تعالیٰ میدان محشر میں اس کا سر اور گردن سب سے بلند فرما دے گا اور اس کا بدن دفن ہونے کے بعد کیڑوں کی غذا نہیں بنے گا۔ حضرت مجاہد اپنے والد کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقاً یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا یُدَوَّدُوْنَ فِیْ قُبُوْرِهِمْ۔

(مصنف عبدالرزاق ۱/۴۸۳)

مؤذن حضرات قیامت کے دن سب سے لمبی گردنوں والے ہوں گے، اور قبروں میں ان کے جسموں میں کیڑے نہیں پڑیں گے

اَلْمُؤَذِّنُ الْمُحْتَسِبُ کَالشَّهِیْدِ الْمُتَشَحِّطِ فِیْ دَمِهٖ وَاِذَا مَاتَ لَمْ یُدَوَّدْ فِیْ قَبْرِهٖ۔ (مجمع الزوائد ۲/۳، شرح الصدور ۴۱۳)

باعمل مؤذن اس شہید کے مانند ہے جو اپنے خون میں لتھڑا ہوا ہو، اور جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے۔

بعض ضعیف روایات میں اسی طرح کی بشارت قرآن کریم میں کثرت اشتغال رکھنے والوں اور گناہوں سے بالکلیہ احتراز کرنے والے کے متعلق بھی وارد ہیں۔ (شرح الصدور ۴۱۳)

تیسری فصل

قبر میں راحت وعذاب برحق ہے

احادیث مشہورہ سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے کہ قبر کی راحت و عذاب برحق ہے۔ اور یہ ایسا غیبی اور ماورائے عقل عقیدہ ہے جس پر یقین کرنے کے لئے عقل کا سہارا لینا بے سود ہے کیونکہ اس کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے ہی نہیں، یہ برزخی زندگی کا معاملہ ہے جس کی اصل حقیقت تک ہماری ناقص عقل رسائی حاصل نہیں کرسکتی، لہذا جس طرح ہم قرآن وسنت کے بتانے سے قیامت، آخرت، جنت اور جہنم پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح قبر کے حالات کے متعلق بھی ہمیں وحی مقدس کی معلومات پر کامل یقین رکھنا چاہئے۔ جب صحیح سندوں اور معتبر راویوں کے حوالہ سے ہم تک یقینی علم پہنچ گیا تو اسے مانے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، محض عقلی موشگافیوں اور اپنی ناقص عقل میں نہ آنے کی دہائی دے کر کسی ثابت شدہ نقلی عقیدہ کو جھٹلانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ علماء نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ قبر کے راحت وعذاب سے محض خاص قبر کی جگہ مراد نہیں بلکہ برزخی زندگی (موت سے قیامت قائم ہونے تک کا فاصلہ) مراد ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص سولی پر چڑھا کر چھوڑ دیا جائے، یا سمندر میں غرق ہوجائے، یا اسے پرندے اور درندے کھا جائیں، یا اسے جلا کر ہوا میں اڑا دیا جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ اسے عذاب یا راحت عطا کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ سارے حالات صرف روح پر ہی نہیں بلکہ بدن سمیت روح پر طاری ہوتے ہیں۔ تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے۔ (مستفاد شرح الصدور للسیوطیؒ ۲۴۷)

بعض بددین قسم کے لوگ قبر کے حالات پر طرح طرح کے اشکالات کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ اگر ہم قبر کھول کر دیکھیں تو ہمیں تو فرشتے نظر نہیں آتے۔ اور نہ مؤمن کی قبر وسیع معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کی لمبائی چوڑائی اتنی ہی ہوتی ہے جتنی دفن کے وقت تھی وغیرہ وغیرہ، لہٰذا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ ان پر عذاب اور راحت کا اثر ظاہر ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ سے ہرگز بعید نہیں ہے کہ وہ ہماری نظروں سے چھپا کر میت کے بدن کو اور روح کو راحت یا عذاب میں مبتلا کردے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو سونے والے شخص سونے کی حالت میں ان میں سے ایک تکلیف محسوس کرے، اور دوسرا مسرت آمیز خواب دیکھے تو جاگنے والے کو کچھ پتہ نہیں چل پاتا کہ یہ سونے والے کن حالات سے گزر رہے ہیں، اسی طرح میت پر جو حالات طاری ہوتے ہیں زندہ انسانوں کو عام طور پر اس کا کچھ پتہ نہیں چل پاتا۔ (التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ ۱۴۰)

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت پر مبنی ہے کیونکہ اگر اس طرح زندگی میں لوگوں کو قبر کا عذاب دکھا دیا جاتا تو لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے، اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم لوگ دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر کے حالات پر مطلع فرمادے۔ (مسلم شریف ۲/۳۸۶)

اسی طرح جن مردوں کے بدن بظاہر متفرق ہو چکے مثلاً جلا کر راکھ کر دیئے گئے، یا انہیں پرندوں اور درندوں نے کھالیا ان پر بھی عذاب و راحت جاری ہونے میں کوئی استبعاد نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو ان اجسام کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح اسے اس پر بھی پوری قدرت ہے کہ وہ ان جسموں کے تمام اجزاء یا بعض اجزاء کو زندگی دے کر ان کو عذاب یا راحت میں مبتلا کردے۔ (نووی علی مسلم ۲/۳۸۶)

الغرض اہل قبر کے حالات کا تعلق برزخ کی زندگی سے ہے، اسے دنیا کی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور اگر اس بارے میں قرآن وسنت کی واضح ہدایات ہمارے سامنے نہ ہوتیں تو ہمیں ان حالات کا کچھ بھی علم نہ ہو پاتا، اس لئے عافیت اور انصاف کا راستہ یہی ہے کہ صادق وامین پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات عالیہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے برزخی حالات پر ایمان لایا جائے اور اس کے متعلق کسی قسم کا شک یا شبہ ذہن میں نہ رکھا جائے۔

عذاب قبر سے پناہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت نے ان کے پاس آکر یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے۔ جب آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو میں نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

نَعَمْ: عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ

جی ہاں قبر کا عذاب برحق ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ جب بھی نماز پڑھتے تو اس کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (بخاری شریف ۱۸۳/۱)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔ (بخاری شریف ۱۸۴/۱)

اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، اور جہنم کے عذاب سے، اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ سواری پر تشریف لے جارہے تھے راستے میں آپ کا گزر مشرکین کی چند قبروں پر ہوا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰی فِیْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ اَسْمَعُ مِنْهُ۔ (مسلم شریف ۳۸۶/۲)

یہ لوگ عذاب قبر میں مبتلا ہیں، پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم لوگ دفن کرنا چھوڑ دو تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی اسی طرح عذاب قبر کی آواز سنا دے جسے میں سن رہا ہوں۔

پھر آپ حضرات صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو عذاب قبر، عذاب جہنم، شرور وفتن اور دجال کے فتنہ سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی۔

جانور بھی قبر کا عذاب سنتے ہیں

احادیث و آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبر کے حالات اور عذاب وغیرہ کی آوازیں اگرچہ انسان اور جنات سے پوشیدہ رہتی ہیں لیکن دیگر جانوران آوازوں کو سنتے ہیں، اور ان حالات پر مطلع ہوتے ہیں چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ جب منافق اور کافر سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور وہ صحیح جواب نہیں دے پاتا تو فرشتے اس کو لوہے کے ہتھوڑے سے اتنی زور سے مارتے ہیں کہ وہ بے اختیار چیخ اٹھتا ہے اور اس کی چیخ کی آواز انسان اور جنات کے علاوہ جو جاندار بھی اس کے قریب ہوتے ہیں سب سنتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ اَهْلَ الْقُبُوْرِ يُعَذَّبُوْنَ فِىْ قُبُوْرِهِمْ عَذَابًا تَسْمَعُهُ الْبَهَائِمُ۔ (معارف ۹۴۲/۲)

بیشک قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے جس کو جانور سنتے ہیں۔

ابو الحکم ابن برخان، اشبیلہ (اسپین) کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے وہاں کے قبرستان میں ایک مردہ کو دفن کیا پھر وہیں قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، ایک جانور قریب ہی گھاس چر رہا تھا، وہ قبر کے قریب آیا اور کان کھڑے کر کے کچھ سننے لگا اور پھر دور چلا گیا کچھ دیر بعد پھر قبر کے قریب آکر سننے لگا، کئی مرتبہ اس نے یہ حرکت کی، ابو الحکم کہتے ہیں کہ یہ واقعہ سن کر مجھے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد یاد آگیا کہ قبر کے عذاب کو جانور تک بھی سنتے ہیں۔ (کتاب الروح لابن القیم اردو/۱۱۰)

کن لوگوں سے قبر میں سوال و جواب نہیں ہوتا

صحیح احادیث سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ بعض صورتوں میں مرنے والا انسان قبر کے سوال و جواب اور فتنوں سے خود بخود محفوظ رہتا ہے، یہ سہولت اور رخصت تین طرح کے اسباب سے متعلق ہوتی ہے۔

۱۔ بعض اعمال صالحہ ۲۔ کسی آفت سماوی کے ساتھ موت

۳۔ بعض خاص اوقات میں موت کا واقع ہونا۔ ہر ایک کی تفصیل ذیل

میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) پہلا سبب

پہلے سبب یعنی اعمال صالحہ کے ضمن میں درج ذیل اعمال خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

(الف) شہادت فی سبیل اللہ: جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے پوری بہادری کے ساتھ اپنی جان کا نذرانہ بارگاہ ایزدی میں پیش کردے اس کو قبر کے فتنوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ایک روایت میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا، کہ کیا بات ہے کہ شہید کو چھوڑ کر بقیہ ایمان والوں کو قبر کے فتنہ میں مبتلا کیا جاتا ہے؟ سوال کا مقصد یہ تھا کہ شہید کو اس عموم سے مستثنیٰ رکھنے کی وجہ کیا ہے؟۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا:

كَفىٰ بِبَارِقَةِ السُّيُوفِ عَلىٰ رَأسِهِ فِتْنَةً۔ (نسائی شریف ۲۸۹/۱)

شہید کے سر پر تلوار کی چمک دمک ہی فتنہ کے لئے کافی ہے (یعنی اس قربانی کی بدولت اسے قبر کے فتنے سے حفاظت نصیب ہوگئی ہے)۔

(ب) اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا: اسلامی سرحدوں کی حفاظت جس کی وجہ سے دارالاسلام میں رہنے والوں کو امن وعافیت نصیب ہوتا ہے اللہ کی نظر میں نہایت عظیم الشان عمل ہے، لہٰذا جو شخص اسی حال میں حفاظت کرتے ہوئے وفات پاجائے اس کو قبر کے فتنوں سے اور سوال وجواب سے محفوظ کردیا جاتا ہے، اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَإِنْ مَاتَ جَرىٰ عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهُ وَأُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَأَمِنَ الْفُتَّانَ۔ (مسلم شریف ۱۴۲/۲)

ایک دن رات سرحد کی حفاظت کرنا پورے مہینے کے روزے اور رات بھر عبادت کرنے کے برابر ہے اور اگر اس حال میں اس کی موت آجائے، تو جو عمل وہ کررہا تھا اس کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کے لئے برابر رزق کا انتظام کیا جائے گا، اور اسے قبر کے

سوال کرنے والے فرشتوں سے اور وہاں کے فتنوں سے محفوظ رکھا جائے گا۔

(ج) سورۂ ملک اور سورۂ الم سجدہ کا پابندی سے پڑھنا: بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ جو شخص سونے سے پہلے سورۂ ملک اور الم سجدہ پابندی سے پڑھے، تو اسے بھی قبر کے سوال وجواب سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ (شرح الصدور/۲۰۷)

دوسرا سبب

اور سوال سے بچنے کا دوسرا سبب یعنی موت کی علت کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ جو شخص پیٹ کی کسی بیماری میں انتقال کر جائے تو وہ بھی قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا، مگر اس کے متعلق محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی کو غلط فہمی ہوگئی ہے حدیث اصل میں مرابط (سرحد پر حفاظت کرنے والا) کے بارے میں ہے جسے راوی نے مریض کے متعلق کر دیا۔ (شرح الصدور/۲۰۷)

اور حافظ ابن حجرؒ نے مرض طاعون میں وفات پانے والے کے متعلق بھی یہ بات لکھی ہے کہ اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھا جائے گا اور وہ مرابط فی سبیل اللہ کے درجے میں ہے، کہ جس طرح سرحد پر حفاظت کرنے والا صبر واستقامت کے ساتھ اپنی جگہ ڈٹا رہتا ہے اسی طرح طاعون میں مبتلا شخص بھی توکل علی اللہ کرتا ہے، اس مشابہت کی وجہ سے وہ بھی فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ (شرح الصدور ۲۰۸)

جمعہ کے دن اور رمضان کے مہینے میں وفات پانے والوں کو بشارت

تیسرے سبب کے طور پر احادیث شریفہ سے تین طرح کے اوقات ثابت ہیں۔

(۱) جو شخص جمعہ کے دن یا رات میں رحلت کر جائے اس کو بھی قبر کے فتنوں سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ۔ (ترمذی شریف ۱/۲۰۵)

جو مسلمان شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں انتقال کر جائے تو اللہ اس کو قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

(۲) بعض ضعیف روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں مرنے والوں سے قبر کا عذاب ہٹالیا جاتا ہے۔ (شرح الصدور عن البیھقی ۲۵۴) (واللہ تعالٰی اعلم)

(۳) اور علامہ قرطبیؒ نے ایک روایت اس مضمون کی نقل فرمائی ہے کہ جس شخص کی موت رمضان کے ختم پر یا عرفہ کے وقوف کے بعد یا اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد آئے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (التذکرہ ۱۷۳) واللہ تعالٰی اعلم۔

عذاب قبر سے نجات کیسے؟

خاص اوقات میں وفات تو انسان کے اختیار میں نہیں لیکن وہ اختیاری اعمال صالحہ جن کو احادیث میں عذاب قبر سے وقایہ قرار دیا گیا ہے ان کو اختیار کرنے کی کوشش ہر مسلمان کو کرنی لازم ہے، درحقیقت تمام ہی اعمال صالحہ اپنی اپنی جگہ عذاب قبر سے بچانے کا ذریعہ ہیں، بہت سی روایات اس پر دال ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کے اعمال صالحہ اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور جدھر سے بھی عذاب آنے کی کوشش کرتا ہے، تو وہ عذاب سے رکاوٹ بن جاتے ہیں، نیز خصوصی طور پر ہر رات سورۂ ملک کا پڑھنا عذاب قبر سے بچانے میں انتہائی مؤثر ترین عمل ہے اسی لئے اس سورت کا نام ہی "مانعہ" اور "منجیہ" پڑ گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ سورت اپنے پڑھنے والوں کیلئے عذاب سے بچانے کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح کی فضیلت سورۂ الم سجدہ کے بارے میں بھی وارد ہے، نیز سورۂ زلزال جمعہ کی رات میں مغرب کے بعد دو رکعت نماز میں اس طرح پڑھنا کہ ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ یہ سورت پڑھی جائے، اس عمل کو بھی عذاب قبر سے بچنے کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ (شرح الصدور/۲۵۲ تا ۲۵۴)

علاوہ ازیں عذاب قبر سے محفوظ رہنے کے لئے ان تمام اعمال سیئہ اور گناہ کے کاموں سے بچنا بھی لازم ہے، جن کو احادیث طیبہ میں عذاب قبر کے اسباب میں شمار کرایا گیا ہے۔

عذاب قبر کے عمومی اسباب

احادیث شریفہ میں نبی کریم ﷺ نے ان اسباب اور معاصی کی نشاندہی فرمادی ہے جن سے اکثر انسان عذاب قبر کا مستحق بن جاتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا جنہیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہورہا ہے، اور کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہورہا ہے (یعنی جسے تم بڑا سمجھتے ہو) ان میں سے ایک چغلی کرتا تھا اور دوسرا شخص پیشاب سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک تروتازہ شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ہر قبر پر گاڑ دیا، اور ارشاد فرمایا کہ امید ہے کہ ان کے خشک ہونے تک ان دونوں سے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی۔

(بخاری شریف ۱/۱۸۴، مسلم شریف ۱/۱۴۱)

اس حدیث میں جو عذاب قبر کے اسباب بیان کیے گئے ہیں ان کے متعلق سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، افسوس کی بات ہے کہ یہ دونوں ہی اسباب آج کثرت سے ہمارے معاشرے میں رائج ہیں، غیبت، چغلی حتیٰ کہ بہتان تراشی کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی طرح نئی تہذیب کے متوالے پیشاب کے قطرات سے طہارت کو فضول سمجھتے ہیں، کھڑے کھڑے پیشاب کردینا اور پاکی اور استنجا کے بغیر زندگی گزارنا معیوب ہی نہیں رہا، اس معاملے میں نئی تہذیب نے انسان کو بے عقل جانوروں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ (اللهم احفظنا منه)

آنحضرت ﷺ کا ایک عبرت ناک خواب

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھ کر ہماری

طرف متوجہ ہوتے اور پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ تو اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور آپ اس کی مناسب تعبیر ارشاد فرماتے، ایک دن آپ نے اسی طرح سوال فرمایا تو ہم نے عرض کیا کہ ہم میں سے کسی نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے، تو اس پر آپ نے اپنا طویل خواب حضرات صحابہ کو سنایا کہ آپ کو دو شخص ہاتھ پکڑ کر لے گئے اور امت کے گنہگاروں پر برزخی زندگی میں جو عذاب ہو رہے ہیں ان کا تفصیل سے مشاہدہ کرایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایک دوسرا شخص لوہے کا زنبور لئے کھڑا ہے اور وہ اس زنبور سے بیٹھے ہوئے شخص کے ایک کلے کو گدی تک چیر دیتا ہے، پھر دوسرے کلے کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے، اتنے میں پہلا کلا صحیح ہو جاتا ہے، برابر اس کے ساتھ یہی برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ بعد میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جس کا کلا چیرا جا رہا ہے وہ جھوٹا شخص ہے، جس پر اعتماد کرتے ہوئے لوگ اس کی بات دنیا جہاں میں پھیلا دیتے ہیں۔

(۲) ایک شخص کو آپ نے دیکھا کہ وہ گدی کے بل لیٹا ہوا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کے سر کے پاس بڑا سا پتھر لئے ہوئے کھڑا ہے جس سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچل دیتا ہے۔ پتھر لڑھک کر کچھ دور چلا جاتا ہے، تو اتنے میں کہ وہ اسے اٹھا کر لائے اس کا سر پھر ویسا ہی صحیح سالم ہو جاتا ہے پھر اس کو مارتا ہے اور یہی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اس کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ وہ عالم دین تھا جو نہ تو رات میں علمی مشغولیت میں رہتا تھا اور نہ دن میں اس پر عمل کرتا تھا۔

(۳) اسی خواب میں آپ نے ایک بڑا گڈھا دیکھا جو آگ کے تنور کے مانند تھا، جس کا اُوپری حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ بہت کشادہ تھا جس میں آگ دہک رہی تھی، اس میں ننگے مرد وعورت تھے جو جل بھن رہے تھے، جب آگ کی لپیٹیں بلند ہوتیں تو وہ اوپر آ کر نکلنے کے قریب ہو جاتے پھر نیچے تہہ میں چلے جاتے۔ ان کے متعلق

پوچھنے سے پتہ چلا کہ یہ حرام کار اور زنا کار لوگ ہیں قیامت تک ان کے ساتھ یہی معاملہ جاری رہے گا۔

(۴) اسی طرح آپ نے دیکھا کہ خون کی نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہے اور اس کے کنارے پر دوسرا شخص ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے موجود ہے، جب نہر والا شخص باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ شخص پتھر مار کر اسے اپنی جگہ لوٹا دیتا ہے۔ اس کے متعلق جب آپ نے دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ یہ سود خور شخص ہے، قیامت تک اسے خون کی نہر میں رہنا پڑے گا۔ اعاذنا اللہ منہا۔ (بخاری شریف ۱/۱۸۵ ملخصاً)

نبی کا خواب بھی چونکہ وحی کے درجے میں ہوتا ہے لہٰذا خواب میں جو حالتیں دکھائی گئی ہیں ان کے واقعی ہونے میں کسی شک یا شبہ کا امکان نہیں ہے، یہ برزخ کے حالات ہیں۔ جو مذکورہ جرائم میں مبتلا لوگوں کے ساتھ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان اسباب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ناجائز مقاصد سے زیب وزینت کرنے والوں کو عذاب

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کچھ مردوں کو دیکھا جن کی کھالیں قینچی سے کاٹی جارہی تھیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ وہ مردہ لوگ ہیں جو حرام (اجنبی عورتوں) کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے زیب وزینت کیا کرتے تھے۔ اور فرمایا! کہ میں نے ایک بدبودار کنواں دیکھا جس میں چیخ و پکار کی آواز آرہی تھی، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ اس میں وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کو رجھانے کے لئے زیب وزینت کرتی تھیں جو انکے لئے حلال نہیں ہیں۔ (شرح الصدور عن الخطیب وابن عساکر/۲۳۱)

غور کیجئے کیا آج یہ برائی معاشرہ میں عام نہیں ہے؟ نئی تہذیب کے متوالے مادر پدر آزاد نوجوان لڑکے اور لڑکیاں حرام کاری کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو تیار ہیں، عورتیں گھر میں رہتے ہوئے اپنے شوہر کے لئے زیب وزینت شاذونادر کرتی ہیں

اور تقریبات یا بازاروں کے سیر وتفریح کے لئے پورا میک اپ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ سب آخرت کے عذاب سے بے فکری کی باتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے تقاضوں کے قطعاً خلاف ہیں۔

نماز بے وقت پڑھنے والے کی سزا

اسی خواب سے متعلق بعض روایتوں میں یہ تفصیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کی کھوپڑی کو ایک بڑے پتھر سے اس زور سے مارا جاتا ہے کہ اس کا مغز نکل کر باہر آجاتا ہے اور پتھر دور جاگرتا ہے۔ جب آپ نے اس بدنصیب شخص کے بارے میں سوال کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ شخص ہے جو عشاء کی نماز سرے سے پڑھتا ہی نہیں تھا اور دیگر نمازیں بھی وقت سے بے وقت پڑھتا تھا لہذا قیامت تک اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا رہے گا۔ العیاذ باللہ (شرح الصدور/۲۳۲)

چغل خور کی سزا

پھر آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک بڑے قینچے سے اس کے کلے چیرے جارہے ہیں، اس کے متعلق معلوم کیا تو بتایا گیا یہ شخص لوگوں کی چغلیاں کھاتا تھا جس سے لوگوں میں فتنہ فساد برپا ہوجاتا تھا۔ (شرح الصدور/۲۳۲)

سود خور کی بدترین سزا

پھر آپ نے دیکھا ہے کہ خون کی ایک نہر ہے جو اس طرح گرمی سے کھول رہی ہے جیسے آگ پر رکھی ہوئی دیگچی کھولتی ہے۔ اس نہر میں کچھ ننگے لوگ ہیں، اور نہر کے کناروں پر فرشتے ہیں، جن کے ہاتھوں میں مٹی کے ڈھیلے ہیں، نہر کے لوگوں میں جب بھی کوئی باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر اس زور سے ڈھیلا کھینچ مارتے ہیں کہ وہ شخص پھر نہر کی تہ میں گر جاتا ہے۔ ان لوگوں کے متعلق آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ اُمت

کے سود خور ہیں، ان کو قیامت کے دن تک یہی عذاب دیا جاتا رہے گا۔ اعاذنا اللہ من ذلک (شرح الصدور/۲۳۲)

سفر معراج سے متعلق بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسان کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں، اور ان میں سانپ تھے، جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے کہا: جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے بدنصیب لوگ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ۲۴۶)

یہ ہے حرام کمائی کا بدترین وبال! اس لئے ہر مسلمان کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اپنی آمدنی خالص حلال رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

زناکاروں کا انجام

اور امت کے زناکاروں کو آپؐ نے اس حال میں دیکھا کہ وہ ننگے ہونے کی حالت میں آگ کے بڑے کمرے میں بند ہیں اور وہاں سے اتنی سخت بدبو اور تعفن اٹھ رہا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی ناک شدید بدبو کی وجہ سے بند کرنی پڑی۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ زناکار مرد وعورت ہیں اور یہ شدید ناقابل برداشت بدبو ان کی شرمگاہوں سے آرہی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (شرح الصدور/۲۳۳)

اور سفر معراج میں آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ایک خوان میں تازہ حلال گوشت رکھا ہے اور دوسری طرف دوسری طشت میں سڑا ہوا گوشت موجود ہے مگر لوگ حلال گوشت چھوڑ کر حرام سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں، ان لوگوں کے بارے میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال راستہ چھوڑ کر حرام طریقہ اختیار کرتے ہیں (مثلاً مرد کے پاس حلال اور طیب بیوی موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر ایک زانیہ بدکار فاحشہ کے ساتھ شب باشی کرتا ہے، یا عورت کے پاس حلال شوہر موجود ہے مگر وہ اس کے پاس نہ رہ کر غیروں کے ساتھ رات گزارتی ہے)

اور آپ نے کچھ عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے پستانوں کے ذریعے لٹکادی گئی ہیں

اور وہ چیخ و پکار کر کے اللہ سے فریاد کر رہی ہیں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ بھی زنا کار عورتیں ہیں۔ اللھم احفظنا منہ۔(دلائل النبوۃ للبیھقی ۳۹۲/۲،۳۹۳)

لواطت کرنے والوں کی بدترین سزا

اسی طرح آپؐ نے دیکھا کہ ایک سیاہ ٹیلہ ہے جس پر کچھ مخبوط الحواس لوگ موجود ہیں، ان کے پیچھے کے راستے سے دہکتی آگ ڈالی جارہی ہے جو ان کے جسموں سے ہو کر منہ، ناک، کان، اور آنکھوں کے راستے سے خارج ہو رہی ہے۔ اس ہولناک عذاب میں مبتلا لوگوں کے بارے میں پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ لواطت کرنے والے (یعنی مرد ہو کر مرد ہی سے جنسی خواہش پوری کرنے والے غلیظ) لوگ ہیں، اس کام کو کرنے والے اور کرانے والے دونوں عذاب میں گرفتار ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (شرح الصدور ۲۳۲)

بے عمل واعظوں کا انجام

معراج کے سفر میں آپ کا گزر ایسے لوگوں پر بھی ہوا جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جارہے تھے، کاٹنے کے بعد فوراً وہ اپنی اصلی حالت میں آجاتے تھے اور پھر انہیں کاٹا جارہا تھا، برابر یہی سلسلہ جاری تھا، آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ امت کے بے عمل، فتنہ میں مبتلا واعظ ہیں (جو دوسروں کو نصیحت تو کرتے تھے مگر خود اس پر عامل نہیں تھے) (دلائل النبوۃ ۳۹۸/۲، مشکوٰۃ شریف ۴۳۸)

قومی مال میں خیانت کرنے والوں کو عذاب قبر

حضرت رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ بقیع کے قبرستان سے گزرا تو آنحضرت ﷺ نے "اُف، اُف" فرمایا، مجھے خیال ہوا کہ شائد آپ مجھ سے یہ ناگواری کا کلمہ فرما رہے ہیں چنانچہ میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت! مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ حضرت۔ نے فرمایا: کہ کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا حضرت نے مجھے دیکھ کر

"اُف" فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں دیکھ کر میں نے یہ کلمہ نہیں کہا بلکہ اس قبر والے فلاں شخص کو میں نے فلاں قبیلہ کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے وہاں ایک کرتہ خیانت کر کے چھپالیا تھا، اب اسی جیسا آگ کا کرتہ اسے قبر میں پہنا دیا گیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (مسند احمد ۶/۳۹۲، شرح الصدور/۲۳۸)

یہ روایت قومی وملی کام کرنے والوں کے لئے سخت خطرہ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر مالی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی برتی جائے تو قبر میں ہولناک عذاب کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا خوف وخشیت عطا فرمائے۔ (آمین)

قبر کے عذاب کا عام لوگوں کو مشاہدہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا عام دستور یہی ہے کہ عذاب قبر کا مشاہدہ عام جناتوں اور انسانوں کو نہیں ہوتا، لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ عبرت کے لئے بعض احوال ظاہر کر دیتے ہیں، چنانچہ مواعظ وعبر کی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں قبر کے حالات کے مشاہدہ کا ذکر ہے، اور قدرت خداوندی سے یہ امر بعید بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بعض لوگوں پر حالات منکشف کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ ذیل میں ہم اس طرح کے چند واقعات نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے مطالعہ سے عبرت حاصل ہو سکے۔

دھوکے باز کو عذاب قبر

(۱) عبدالحمید ابن محمود مغولی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر تھا، کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم حج کے ارادے سے نکلے، جب ہم ذات الصفاح (ایک مقام کا نام) پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہو گیا، چنانچہ ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کی، پھر قبر کھودنے کا ارادہ کیا، جب ہم کھود چکے تو ہم نے دیکھا کہ ایک بڑے کالے ناگ نے پوری قبر کو گھیر رکھا ہے۔ اس کے بعد ہم نے دوسری جگہ قبر کھودی تو وہاں بھی سانپ موجود تھا، اب ہم میت کو ویسے ہی چھوڑ کر آپ کی خدمت میں

آئے ہیں کہ اب ہم کیا کریں؟ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ سانپ اس کا وہ بدعمل ہے جس کا وہ عادی تھا، جاؤ اسے اسی قبر میں دفن کردو، اللہ کی قسم اگر تم اس کے لئے پوری زمین کھود ڈالو گے پھر بھی وہ سانپ اس کی قبر میں پاؤ گے، بہرحال اسے اسی طرح دفن کردیا گیا، سفر سے واپسی پر لوگوں نے اس کی بیوی سے اس شخص کا عمل پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا یہ معمول تھا کہ وہ غلہ بیچتا تھا اور روزانہ بوری میں سے گھر کا خرچ نکال کر اس میں اسی مقدار کا بھس ملا دیتا تھا۔ (گویا کہ دھوکہ سے بھس کو اصل غلہ کی قیمت پر فروخت کرتا تھا)۔ (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ شرح الصدور/۲۳۹)

غسل جنابت نہ کرنے کی سزا

(۲) ابان ابن عبداللہ البجلی کہتے ہیں کہ ہمارے ایک پڑوسی کا انتقال ہوگیا، چنانچہ ہم اس کے غسل اور تجہیز و تکفین میں شریک رہے، مگر جب ہم اسے قبرستان لے کر پہنچے تو اس کے لئے جو قبر کھودی گئی تھی اس میں بلی جیسا ایک جانور نظر آیا، لوگوں نے اسے وہاں سے نکالنے کی بہت کوشش کی مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹا، مجبور ہو کر دوسری قبر کھودی گئی تو اس میں بھی وہی جانور موجود ملا، تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا، عاجز آ کر لوگوں نے اسی کے ساتھ اس شخص کو دفن کردیا۔ ابھی قبر برابر ہی کی گئی تھی کہ قبر سے ایک زبردست دھماکہ کی آواز سنی گئی، لوگوں نے اس کی بیوی کے پاس آ کر اس شخص کے حالات معلوم کئے تو پتہ چلا کہ وہ جنابت سے غسل نہیں کرتا تھا۔ (شرح الصدور/۲۴۴)

نماز چھوڑنے اور جاسوسی کی سزا

(۳) عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والے ایک شخص کی بہن کا انتقال ہوگیا، بھائی نے کفن دفن کا انتظام کیا پھر اسے یاد آیا کہ دفن کرتے وقت اس کی ایک تھیلی قبر میں رہ گئی ہے چنانچہ وہ اپنے ایک ساتھی کو لے کر قبرستان گیا اور قبر کھود کر اپنی تھیلی نکالی پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ تم ذرا ہٹ جاؤ میں بغلی قبر کی اینٹ ہٹا کر اپنی بہن کو دیکھنا

چاہتا ہوں، اس نے جیسے ہی اینٹ ہٹائی تو دیکھا کہ پوری قبر آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی ہے، اس نے جلدی سے قبر بند کی اور اپنی والدہ کے پاس آ کر بہن کا حال معلوم کیا، تو والدہ نے بتایا کہ وہ نماز دیر کر کے پڑھتی تھی، اور بلا وضو بھی پڑھا لیتی تھی، اور جب پڑوسی سو جاتے تو وہ کمروں کے دروازے پر کان لگا کر ان کے چھپے ہوئے راز حاصل کیا کرتی تھی۔ (شرح الصدور ۲۴۳)

ابوجہل کو عذاب قبر

(۴) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے قریب سے گزر رہا تھا، میں نے اچانک دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلا جس کی گردن میں ایک زنجیر ہے اور اس کے ایک سرے کو ایک کالے شخص نے تھام رکھا ہے، وہ نکلنے والا آدمی مجھ سے خطاب کر کے پانی مانگنے لگا، مگر کالے شخص نے فوراً کہا اسے پانی مت پلانا یہ کافر ہے، پھر اسے کھینچ کر زمین میں داخل کر دیا، میں نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آ کر پورا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا واقعی تم نے اسے دیکھا ہے! یہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا قیامت تک اس کو یہی عذاب ہوتا رہے گا۔ (التذکرہ ۱۵۴، شرح الصدور)

قبر میں جاری نفع بخش امور

قبر کے زمانہ میں نفع پہنچانے والے امور دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ خاص اعمال صالحہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ۔ (مسلم شریف ۲/۴۱)

جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین اعمال کا ثواب بعد میں بھی جاری رہتا ہے (۱) صدقہ جاریہ (۲) نفع بخش علم (۳) نیک اولاد جو اللہ

کے لئے دعائے خیر کرے۔

اس حدیث میں صدقہ جاریہ مثلاً مساجد و مدارس کی تعمیر، اور علم نافع جس میں علمی تصنیفات اور شاگردوں کے ذریعہ علمی فیضان کی تمام صورتیں داخل ہیں، اور صالح اولاد کو مسلسل ثواب کا سبب قرار دیا گیا ہے جو نہایت اہم بشارت ہے، ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ان اعمال کو اختیار کرے تا کہ قیامت تک اس کے لئے ثواب جاری رہنے کا انتظام ہو سکے، اسی طرح ایک اور روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْءٌ۔ (مسلم شریف ۳۲۷/۱)

جو شخص کوئی اچھا طریقہ اختیار کرے تو اس کو اس کا بدلہ ملے گا اور جو لوگ اس دینی طریقہ پر عمل کریں گے ان کے ثواب میں کسی کٹوتی کے بغیر اس موجد خیر کو بھی اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے امت کے ہر فرد کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ خیر کے دروازے کو کھولنے والا اور شر کے دروازے کو بند کرنے والا بن جائے۔

ایصالِ ثواب

دوسری چیز جو میت کو قبر میں نفع دیتی ہے وہ میت کو غیروں کی طرف سے پہنچنے والا ثواب ہے۔ جس طرح زندگی میں کسی تحفے تحائف سے آدمی کو مسرت اور بشاشت حاصل ہوتی ہے اور وہ ان سے دنیا میں نفع اندوز ہوتا ہے اسی طرح قبر میں جب میت کے پاس روحانی تحفے بصورت اجر و ثواب پہنچتے ہیں تو اسے مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ ان تحائف سے لطف اندوز ہوتا ہے، دعائے خیر، صدقہ خیرات اور حج کا ثواب میت کو پہنچنے پر امت کا اتفاق ہے۔ (نووی علی مسلم مقدمہ ۱۳/۱)

اور اس بارے میں صحیح احادیث بھی وارد ہیں، اس پر قیاس کرتے ہوئے علماء حنفیہ اور جمہور اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ دیگر عبادات نماز، روزہ اور قرآن کریم کی

تلاوت وغیرہ کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔(شرح فقہ اکبر للملا علی قاری ۲۲۵،۲۲۶)

علامہ شامیؒ نے البحر الرائق اور بدائع الصنائع سے نقل کیا ہے کہ:

مَنْ صَامَ اَوْصَلّٰی اَوْ تَصَدَّق وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِمْ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔(شامی ۱۴۲/۲)

جو شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے، یا صدقہ دے اور اس کا ثواب دوسرے مردہ یا زندہ شخص کو پہنچادے تو یہ جائز ہے، اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان اعمال کا ثواب مذکورہ لوگوں تک پہنچتا ہے۔

بہر حال میت کو ثواب پہنچانے کی فکر کرنی چاہیے، تاہم اس میں کسی عمل یا وقت کی تخصیص نہ ہو، بلکہ جب موقع ہو اور جیسی ضرورت ہو ثواب کی نیت کرلی جائے مثلاً روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو آپ نے آنحضرت ﷺ سے آکر عرض کیا کہ حضرت میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کے لئے کون سا صدقہ افضل رہے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا پانی (یعنی ان کی طرف سے عام مسلمانوں کے لئے پانی کا نظم کردیا جائے) چنانچہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک کنواں کھدوایا اور پھر اعلان کردیا کہ اس کا ثواب ان کی والدہ ام سعدؓ کے لئے ہے۔(مسند احمد ۷/۶، سنن اربعہ، شرح الصدور ۳۹۸)

اسی طرح جیسی ضرورت ہو ایصال ثواب کردیا جائے، آج کل جو جاہلوں نے ایصال ثواب اور نیاز کے خاص طریقوں کی تعیین کررکھی ہے ان کا شرعاً ثبوت نہیں ہے، مروجہ تیجے، دسویں، اور چالیسویں وغیرہ کی رسمیں یقیناً بدعت ہیں، ان کا ترک لازم ہے، ایصال ثواب بلا التزام اور بغیر کسی تعیین و تخصیص کے ہونا چاہیے۔

بعض مشائخ اور علماء نے قبر پر حاضری کے وقت بعض سورتیں مثلاً سورۂ یٰس، سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ تکاثر وغیرہ پڑھ کر پہنچانے کی تلقین فرمائی ہے۔لیکن ان سورتوں کی تعیین بھی لازم نہیں بلکہ کچھ بھی پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

باب ششم

قیامت کے احوال

- قیامت ضرور آئے گی
- دوبارہ زندگی اور میدان محشر میں اجتماع
- حوض کوثر
- شفاعت کبریٰ
- حساب کتاب کا آغاز
- میزان عمل
- رحمت خداوندی

پہلی فصل

قیامت ضرور آئے گی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو خاص وقت تک کے لئے آباد کیا ہے، ایک دن وہ ضرور آنے والا ہے جب دنیا کی ساری رونق سیکنڈوں میں کافور ہو جائے گی، اور سارا نظام کائنات لپیٹ دیا جائے گا، ذرات کا تو کیا کہنا ناقبل تسخیر بڑے بڑے پہاڑ، روئی کے گالوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے، سورج اور چاند اور ہزاروں سال سے روشنی دینے والے ستارے بے نور ہو جائیں گے، اس وقت کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن پر کپکپی چڑھ جاتی ہے، قرآن وحدیث میں قیامت کا تعارف اور اس پر یقین رکھنے پر بہت زور صرف کیا گیا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا استحضار اور تصور ہی انسان کو برائیوں سے محفوظ رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے، جبکہ قیامت سے غفلت شعاری انسان کو بے راہ روی کا شکار بنا دیتی ہے۔ بہت سے اہل مذاہب اسی لئے گمراہ ہوئے کہ ان کے یہاں قیامت کا تصور ہی نہیں وہ دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے رہے اور جب اگلی زندگی کا انہوں نے تصور قائم نہ کیا تو اس کے لئے تیاری کے بھی کوئی بھی معنی باقی نہ رہے۔ اسی لیے اسلام کے بنیادی اور اہم ترین عقائد میں سے قیامت اور آخرت پر ایمان لانا بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور احادیث طیبہ اس سلسلے کی تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔

قیامت کب آئے گی؟

قیامت کا یقینی وقت تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ (لقمان)

بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم۔

اور حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جب آنحضرت ﷺ

سے سوال کیا" کہ قیامت کب آئے گی؟" تو آپ نے فرمایا "اس بارے میں میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے" (یعنی جس طرح پوچھنے والے کو اس کی خبر نہیں اسی طرح مجھے بھی اس کا حقیقی وقت معلوم نہیں) (مسلم شریف ۲۹/۱) تو ظاہر ہے کہ جب حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم نہیں تو دنیا میں اور کس کو یہ علم ہوسکتا ہے؟۔

قیامت کی دس قریبی علامتیں

البتہ احادیث شریفہ میں قیامت سے پہلے کی بہت سی علامتیں بتلائی گئی ہیں، ان میں دو طرح کی علامتیں ہیں ایک تو مطلق علامتیں مثلاً معاشرہ میں پھیل جانے والے منکرات، بے حیائیاں، فحاشیاں، بددیانتی، اور نااہلوں کا حکومتوں پر قبضہ وغیرہ، اور دوسرے قریبی علامتیں، جن کے وجود کے بعد بس دنیا کی زندگی اب اور تب کی رہ جائے گی، اور ان سب کے تحقق کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں، کہ ہم لوگ ایک مرتبہ آپس میں گفتگو کررہے تھے۔ اسی دوران نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور سوال فرمایا کہ کیا گفتگو چل رہی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم قیامت کے متعلق تذکرہ میں مشغول تھے۔ تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات نہ دیکھ لو وہ علامتیں یہ ہیں:

(۱) دخان

(یہ ایک خاص قسم کا دھواں ہوگا جو مشرق و مغرب میں ۴۰ دن تک برابر پھیلا رہے گا، جس کے اثر سے کافروں پر مدہوشی طاری ہو جائے گی اور اہل ایمان کو صرف نزلہ زکام جیسی تکلیف ہوگی)۔ (مرقاۃ ۱۸۷/۵)

(۲) دجال

(ایک آنکھ سے کانا، کریہ صورت دجال ظاہر ہوگا جس کی پیشانی پر، ک، ف، ر،

لکھا ہو گا جسے ہر شخص پڑھ لے گا چاہے پڑھا ہوا ہو یا نہ ہو، یہ عجیب و غریب شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کرے گا اور مکہ، مدینہ کے علاوہ پوری دنیا میں گھوم جائے گا۔ سارے شیاطین، یہودی اور اسلام دشمن طاقتیں اس کے ساتھ ہوں گی، وہ ۴۰ دن دنیا میں رہے گا، جن میں پہلا دن ایک سال کے برابر دوسرا ایک ماہ کے برابر تیسرا ایک ہفتہ کے برابر اور بقیہ ایام عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور ان کو دیکھ کر وہ ایسا پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ تاآنکہ "باب لد" پر جا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے قتل کر ڈالیں گے)۔ (ابن ماجہ، کتاب الفتن حدیث: ۴۰۷۷)

(۳) دابۃ الارض

یہ ایک محیر العقول جانور ہو گا (جس کی اصل صورت و کیفیت اللہ کو ہی معلوم ہے) جو صفا پہاڑی سے نکل کر پوری دنیا میں گھوم جائے گا، اس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، وہ انگوٹھی سے ہر مؤمن کے چہرے پر ایمان کی مہر لگا دے گا اور عصا سے کافر پر کفر کا نشان لگا دے گا، اس کے بعد کافر الگ اور مؤمن بالکل الگ ہو جائیں گے، کسی کا ایمان و کفر چھپا ہوا نہ رہے گا۔

(روح المعانی ۲۰/۲۲، ۲۴، المفہم ۷/۲۴۳)

(۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

(قیامت کے دن بالکل قریبی زمانے میں ایک دن سورج مشرق سے نکلنے کے بجائے مغرب سے طلوع ہو گا اور پھر لوٹ کر مغرب ہی میں غروب ہو جائے گا۔ اس علامت کے ظہور کے بعد توبہ کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا۔ کیونکہ ایمان بالغیب نہیں رہے گا)۔ (مسلم شریف مع المفہم للقرطبی ۷/۲۴۲ بفتح الباری ۱۴/۳۳۲)

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق، متواتر نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ

آپ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں، اور وہاں زندہ موجود ہیں اور مقررہ وقت پر دنیا میں نزول فرمائیں گے۔ اور شریعت محمدیہ کے مطابق امت کی رہنمائی فرمائیں گے۔ اور آپ کے ہاتھوں کانا دجال جہنم رسید ہوگا)۔ (مسلم شریف ۲/۴۰۱)

(۶) یاجوج ماجوج کا خروج

یہ بھی اللہ کی عجیب وغریب مخلوق ہے، دجال کے قتل ہو جانے کے بعد اور پوری دنیا میں اسلام کا پھر یرا لہرانے کے بعد حضرت عیسیٰ ہی کی حیات میں کروڑوں کی تعداد میں یاجوج ماجوج پوری دنیا کے چپہ چپہ پر اتر آئیں گے، یہ اتنی بڑی تعداد میں ہوں گے کہ تمام میٹھے پانی کے چشمے پی پی کر بالکل صاف کردیں گے، اور تمام دنیا کے جانوروں کو کھا جائیں گے اور جب انہیں کوئی نظر نہیں آئے گا تو اپنے تیر آسمان کی جانب چلا کر یوں کہیں گے کہ ہم نے سب دنیا والوں کو ختم کر دیا اب آسمان والوں کا نمبر ہے اللہ تعالیٰ ان تیروں کو خون کے رنگ میں رنگ کر واپس لوٹا دے گا جس سے وہ اس غلط فہمی میں پڑ جائیں گے کہ ہم نے آسمان والوں کو بھی ختم کر ڈالا ہے پھر حضرت عیسیٰ ان کے حق میں بددعا کریں گے جس کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ایک خطرناک بیماری میں مبتلا کر کے مار ڈالے گا اور پوری زمین ان کی نعشوں سے پٹ جائے گی اور سخت بدبو اٹھ پڑے گی پھر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے پرندوں کو بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے پھر اللہ تعالیٰ تیز ترین بارش سے روئے زمین کو دھو ڈالے گا اور زمین اپنے تمام خزانوں کو اگل دے گی حتیٰ کہ ایک ایک انار ایک بڑی جماعت کے لئے اور ایک اونٹنی کا دودھ تمام گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے گا لیکن یہ رونق چند سالہ ہوگی پھر ایک ایسی عمدہ ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان کی روح قبض کر لی جائے گی اور روئے زمین پر سوائے کفار کے کوئی باقی نہ رہے گا۔

(کتاب الفتن/۳۵۶_۳۶۸، تذکرہ/۷۸۰ تا ۷۸۱، مسلم شریف ۲/۴۰۲، ۲/۹۸۷)

(۷، ۸، ۹) زمین میں دھنسنے کے تین واقعات

جن میں سے ایک واقعہ مشرق دوسرا مغرب اور تیسرا جزیرۃ العرب میں پیش

آئے گا۔

(۱۰) یمن میں آگ

اور سب سے اخیر میں یمن کی جانب سے ایک آگ اٹھے گی جو لوگوں کو سمیٹ کر محشر کی جانب لے جائے گی (بعض روایتوں میں اس آگ کے حجاز سے نکلنے کا ذکر ہے تو ممکن ہے کہ دونوں جگہ سے آگ نکل کر لوگوں کو سمیٹ دے اور یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جب روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہ رہے گا۔ (مسلم شریف مع اکمال المعلم لقاضی عیاض ۴۴۲/۸)

علامات کی ترتیب

حدیث بالا میں جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ بالترتیب نہیں ہیں بعض دیگر احادیث میں بالترتیب علامات بیان ہوئی ہیں مگر ان میں بھی اختلاف ہے، اس لئے اس موضوع کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر محققین علماء نے یہ رائے قائم فرمائی کہ یہ علامات دو طرح کی ہیں:

اول تمہیدی علامات ہیں جن کی ابتداء زمین میں دھنسنے کے واقعات سے ہوگی اس کے بعد دجال کا ظہور حضرت عیسیٰؑ کا نزول، دخان اور یاجوج ماجوج کی آمد کے واقعات پیش آئیں گے۔

دوسرے وہ علامتیں ہیں جن کا تعلق نظام کائنات کی تبدیلی سے ہے اس سلسلے کی ابتداء سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے ہوگی اس علامت کو دیکھ کر چونکہ ہر آدمی کو اللہ کی قدرت پر یقین آجائے گا اس لئے اب توبہ اور ایمان کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اسی دن شام کو "دابۃ الارض" نکلے گا جو کافر اور مؤمن کے درمیان حتمی طور پر امتیاز کر دے گا، پھر کچھ عرصے کے بعد ایک خاص ہوا چلے گی جسے محسوس کر کے ہر مؤمن وفات پا جائے گا اور روئے زمین پر کوئی مؤمن باقی نہ رہے گا، اس کے بعد سب سے آخری علامت کے طور پر ایک آگ کا ظہور ہوگا جو تمام باقی ماندہ انسانوں کو سمیٹ کر سرزمین شام میں جمع کر دے

گی۔ یہیں میدان حشر بپا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلم شریف کی روایتوں میں ہے:

وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ۔

اوران دس علامتوں میں سے آخری علامت ایک آگ ہوگی جو یمن سے نمودار ہوگی اور لوگوں کو ان کے محشر (ملک شام) کی طرف کھدیڑ دے گی۔

مذکورہ بالا ترتیب سے کافی حد تک روایات کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔

(مستفاد فتح الباری ۱۴/ ۲۴۹، المفہم شرح مختصر مسلم للقرطبی ۷/ ۲۳۹، ۲۴۳)

قیامت سے پہلے لوگوں کا شام میں اجتماع

قیامت کے بالکل قریب پرفتن زمانہ میں لوگوں کو جبری طور پر سرزمین شام میں سمیٹ دیا جائے گا اور مختلف انداز میں لوگ سمٹ کر یہاں جمع ہو جائیں گے۔ بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى ثَلَاثِ طَرَائِقَ رَاغِبِیْنَ وَرَاهِبِیْنَ وَاثْنَانِ عَلٰى بَعِیْرٍ وَثَلَاثَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَاَرْبَعَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَعَشَرَةٌ عَلٰى بَعِیْرٍ وَیَحْشُرُ بَقِیَّتَهُمُ النَّارُ تَقِیْلُ مَعَهُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتَبِیْتُ مَعَهُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَهُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا۔ (بخاری شریف ۲/ ۹۶۰، حدیث: ۲۰۲۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو تین طریقوں پر جمع کیا جائے گا، کچھ لوگ تو (عافیت) رغبت کرنے والے اور (بدامنی) سے ڈرنے والے ہوں گے، اور کچھ دو ایک اونٹ اور تین ایک اونٹ پر، اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر ہوں گے، اور بقیہ لوگوں کو آگ سمیٹ کر لے چلے گی، اگر وہ لوگ دوپہر میں کہیں آرام کریں گے تو آگ بھی وہیں ٹھہری رہے گی، اور رات جو جہاں سوئیں گے تو آگ ان کے ساتھ ہوگی، اور صبح شام ہر وقت آگ ان کے ساتھ ساتھ رہے گی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں علامہ خطابیؒ اور علامہ طیبیؒ کے حوالے سے مذکورہ

حدیث کو قیامت سے پہلے کے واقعہ پر محمول فرمایا ہے اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ جب حقیقی یا فتنہ کی آگ بھڑکے گی تو ایک جماعت (جسے راغبین وراہبین کہا گیا ہے) تو آرام سے سواریوں پر سوار ہو کر سابقہ خطرات سے ڈرتے ہوئے اور آگے کی عافیت کی امید رکھ کر ملک شام پہنچے گی۔ اور دوسرے (جن کی طرف ایک سواری پر کئی کئی کے سوار ہونے کے عنوان سے اشارہ کیا گیا ہے) وہ لوگ ہوں گے جو پہلے سستی کرنے کی وجہ سے بروقت الگ الگ سواری نہ پاسکیں گے اور ایک اونٹنی پر کئی کئی لوگ نمبروار یا ایک ساتھ بیٹھ کر محشر کی زمین کی طرف روانہ ہوں گے۔ اس وقت سواریوں کی ایسی قلت ہو جائے گی کہ آدمی ایک اونٹنی خریدنے کے لئے اپنا شاندار باغ تک دینے کو تیار ہو جائے گا (جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں ہے) اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس سواری ہی نہ ہوگی تو انہیں آگ ہنکا کر پیدل یا گھسیٹ کر محشر کے مقام پر جمع کردے گی۔

اس کے برخلاف جن روایات میں مذکورہ حشر کی صورت کے ساتھ قیامت کے دن کا قصہ آیا ہے تو وہ اس وقت پر محمول کرنا اولیٰ ہوگا جب حساب وغیرہ کے بعد جنت یا جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے تو اس وقت اہل ایمان سوار ہوں گے اور کفار کو چہروں کے بل گھسیٹ کر نہایت ذلت سے جہنم میں ڈال دیا جائے۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ملخصا ۱۴/۳۶۲۔۳۶۵)

قیامت کن لوگوں پر قائم ہوگی؟

قیامت کے قیام کے وقت روئے زمین پر کوئی اللہ، اللہ کہنے والا باقی نہ رہے گا۔ پوری دنیا میں کفر وشرک کا دور دورہ ہوگا حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کی طرح عرب میں بھی بت پرستی عام ہو جائے گی، اور لوگ جانوروں کی طرح بے حیائیوں اور بدکاریوں میں برسر عام مبتلا ہو جائیں گے۔ علامہ مروزیؒ نے اپنی کتاب الفتن میں اس کی تفصیل اس طرح نقل فرمائی ہے:

فَيَكُوْنُ الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ اِلَى الشَّامِ لَا يَعْرِفُوْنَ حَقًّا وَلَا فَرِيْضَةً وَلَا يَعْلَمُوْنَ بِكِتَابِ

اللّٰہ تعالٰی وَلَا سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ یُرفَعُ عَنھُمُ العَفَافُ وَالوَقَارُ وَیَظھَرُ فِیھِمُ الفُحشُ وَلَا یَعرِفُ الرَّجُلُ امرَأَتَہٗ وَلَا المَرأَۃُ زَوجَھَا یَتَھَارَجُونَ ھُم وَالجِنُّ مِائَۃَ سَنَۃٍ تَھَارُجَ الحَمِیرِ وَالکِلَابِ یَقَعُ عَلَی المَرأَۃِ مِنَ الجِنِّ وَالاِنسِ وَتَتَھَارَجُ الرِّجَالُ بَعضُھُم بَعضاً وَیَعبُدُونَ الاَوثَانَ وَیَنسَونَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَلَا یَعرِفُونَہٗ حَتّٰی اَنَّ القَائِلَ لَیَقُولُ لِصَاحِبِہٖ مَافِی السَّمَاءِ مِن اِلٰہٍ شِرَارُ الاَوَّلِینَ۔ (کتاب الفتن/۳۸۰)

پس جو لوگ شام کی طرف سمیٹے جائیں گے وہ کسی حق اور فرض کو نہ پہچانیں گے، اور کتاب وسنت پر عامل نہ ہونگے، حیا اور وقار ومروت سے محروم ہونگے، ان میں عریانیت پھیل جائے گی، شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو نہ پہچانے گی، انسان وجنات سو سال تک گدھوں اور کتوں کی طرح برسرِ عام زنا کاری کریں گے، آدمی جنات وانسان عورتوں سے مجامعت کریں گے اور مرد مرد سے اپنی خواہش پوری کریں گے، اور بتوں کی پوجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول جائیں گے، حتیٰ کہ ایک دوسرے سے کہے گا کہ آسمان میں کوئی خدا نہیں ہے، یہ لوگ اولین وآخرین میں سب سے بدترین لوگ ہونگے۔

اس کے بعد اچانک قیامت آجائے گی اور پھر کسی بھی کام کے لیے ایک سیکنڈ کی بھی مہلت نہ ملے گی، ارشادِ خداوندی ہے:

وَیَقُولُونَ مَتٰی ھٰذَا الوَعدُ اِن کُنتُم صٰدِقِینَ۔ قُل لَّکُم مِّیعَادُ یَومٍ لَّا تَستَاْخِرُونَ عَنہُ سَاعَۃً وَّلَا تَستَقدِمُونَ۔ (السبا ۲۹-۳۰)

اور کہتے ہیں کہ کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو، آپ فرمادیجئے کہ تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کروگے اس سے ایک گھڑی نہ جلدی۔

اور بخاری شریف کی روایت میں ہے:

وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَۃُ وَقَد نَشَرَ الرَّجُلَانِ بَینَھُمَا ثَوبَھُمَا فَلَا یَتَبَایَعَانِہٖ وَلَا یَطوِیَانِہٖ، وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَۃُ وَقَدِ انصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقحَتِہٖ فَلَا یَطعَمُہٗ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَۃُ وَھُوَ یَلِیطُ حَوضَہٗ فَلَا یَسقِی فِیہِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَۃُ وَقَد رَفَعَ

أَحَدُكُمْ أُكُلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا۔ (بخاری شریف ۹۶۳/۲، حدیث: ۲۵۰۶)

اور ضرور قیامت قائم ہوگی، جبکہ دو شخص آپس میں اپنے کپڑے پھیلانے کو تیار ہونگے مگر نہ اسے بیچ پائیں گے اور نہ لپیٹ پائیں گے، اور قیامت آجائے گی جبکہ ایک آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ نکالکر لائے گا مگر اسے پی نہ پائے گا، اور قیامت قائم ہو جائے گی جبکہ ایک شخص اپنے حوض کی لپائی کر رہا ہوگا مگر اس میں جانوروں کو پانی نہ پلا پائے گا۔ اور ضرور قیامت آجائے گی کہ ایک شخص لقمہ منہ میں لینا چاہتا ہوگا مگر منہ تک نہ لیجا سکے گا (کہ قیامت آجائے گی)۔

جب صور پھونکا جائے گا!

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مقرب فرشتے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو قیامت کا صور (ایک سینگ جس میں پھونک مارنے سے آواز نکلے گی) پھونکنے پر مامور فرما رکھا ہے اور یہ فرشتہ صور پھونکنے کے لیے بس اشارۂ خداوندی کا منتظر ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَيْفَ أَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّورِ قَدِ الْتَقَمَ الْقَرْنَ وَاسْتَمَعَ الْأُذُنَ مَتَى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ۔ (رواہ الترمذی ۶۹/۲ بفتح الباری ۴۴۸/۱۴)

میں کیسے مطمئن رہ سکتا ہوں جبکہ صور کا ذمہ دار (فرشتہ) صور منہ میں ڈال کر کان اللہ کی طرف لگائے ہے کہ کب صور پھونکے جانے کا حکم جاری ہو جائے۔

چنانچہ جب مقررہ وقت آئے گا اور حضرت اسرافیل علیہ السلام رب العالمین کے حکم سے پہلا صور پھونکیں گے۔ تو اس کی دہشت ناک آواز سنتے ہی ہر شخص بے ہوش ہو جائے گا۔ حاملہ عورتیں مارے ڈر کے اپنے حمل گرا دیں گی، مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، آسمان پھٹ پڑیں گے، پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے، چاند سورج بے نور ہو جائیں گے۔ الغرض سارا نظام عالم تہہ و بالا ہو جائے گا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ، وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا

دَكَّةً وَّاحِدَةً، فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ۔

(الحاقۃ ۱۳-۱۶)

پھر جب پھونکا جاوے صور میں ایک بار پھونکنا، اور اُٹھائی جاوے زمین اور پہاڑ پھر کوٹ دیئے جائیں ایک بار پھر، اس دن ہو پڑے وہ ہو پڑنے والی، اور پھٹ جائے آسمان، پھر وہ اس دن بکھر رہا ہے۔

اس دن اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں رکھے گا اور فرمائے گا:

أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ؟ (بخاری شریف ۲/۹۶۵، حدیث: ۶۵۱۹)

میں ہی بادشاہ ہوں، کہاں گئے دنیا کے بادشاہ!

اس کے بعد ۴۰ سال تک پورا عالم ویران رہے گا۔ (فتح الباری ۱۴/۴۵۰)

دوسری فصل

دوبارہ زندگی اور میدان محشر میں اجتماع

پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا، جس کی وجہ سے تمام مردے زندہ ہو اٹھیں گے، اور بے اختیار میدان محشر کی طرف چل پڑیں گے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ. قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ. إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ۔ (سورہ یٰسین آیت ۵۱-۵۳)

اور پھونکی جاوے صور پھر تبھی وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف پھیل پڑیں گے، کہیں گے اے خرابی ہماری! کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے، بس ایک چنگھاڑ ہوگی، پھر اسی دم وہ سارے ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں گے۔

اور اس دن سب سے پہلے ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئیں گے، آپ فرماتے ہیں۔

فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُوْنُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَإِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِيْ أَكَانَ مُوْسٰى فِيْمَنْ صَعِقَ وَأَفَاقَ قَبْلِيْ أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ (بخاری شریف ۲/ ۹۷۲ برقم: ۶۵۱۷)

لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہونگے پھر میں سب سے پہلے ہوش میں آؤنگا، تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا ایک کونہ پکڑے کھڑے ہیں، پس مجھے نہیں معلوم کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا وہ ان لوگوں میں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔

امام قرطبیؒ اپنے شیخ ابوالعباس سے نقل فرماتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ زندہ ہوں گے وہ مرجائیں گے۔ اور حضرات انبیاء علیہم السلام جو اگرچہ پہلے سے وفات پاچکے ہیں مگر ان کو ایک خاص برزخی زندگی حاصل ہے تو وہ اس صور پھونکے جانے پر بے ہوش ہوجائیں گے، پھر جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم غشی سے افاقہ فرمائیں گے، اور جب آپ دربار خداوندی میں پہنچیں گے تو دیکھیں گے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے سے ہی عرش ایزدی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ تو آپ کو اس بارے میں تردد ہوگیا کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس موقع پر بے ہوشی سے محفوظ رکھا گیا (کیونکہ وہ طور پر تجلی کے وقت دنیا میں بے ہوش ہو چکے تھے) یا یہ کہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بے ہوشی سے افاقہ کی فضیلت عطا کی گئی ہے۔ بہر حال یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک جزئی فضیلت ہے اس سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی۔ (التذکرہ للقرطبی ۱۹۱/۱-۱۹۲، روح المعانی ۲۴/۲۹)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت اپنے روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں گے تو ستر ہزار فرشتے بھی اعزاز کے طور پر آپ کے ساتھ ہونگے۔ اور آپ کے دائیں بائیں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہونگے۔ (التذکرہ/۲۱۴)

بعد ازاں جنت البقیع (مدینہ منورہ) اور جنت المعلیٰ (مکہ معظمہ) کے مدفون حضرات آنحضرت صلی اللہ کے جلوس میں شامل ہوکر میدانِ محشر کی طرف چلیں گے۔

اللہ کی عظمت وجلال کا زبردست مظاہرہ

انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا بدن اگرچہ گل سڑ جائے اور فنا ہو جائے لیکن اس کی ریڑھ کی ہڈی کے نیچے ایک دانہ بہر حال کہیں نہ کہیں اللہ کے علم میں محفوظ رہتا ہے اور اسی دانہ پر اللہ تعالیٰ دوبارہ جسم عطا فرما کر مخلوقات کو زندگی عطا فرمائے گا۔ ہر شخص کو ۶۰ ہاتھ کا بدن عطا کیا جائے گا۔ اس دن سب بے ختنہ اور بے لباس ہونگے۔ اور سب بارگاہ رب

العزت کی طرف بے اختیار دوڑ پڑیں گے۔

دنیا کے تمام متکبرین کا غرور ٹوٹ جائے گا۔ امیر وغریب، غلام اور آقا، حاکم اور رعایا یا سب احکم الحاکمین کے سامنے عاجزی کے ساتھ حاضر ہونگے، دہشت اور ہیبت کے مارے کسی کو دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی، نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اور جو جتنا بڑا خدا کا مجرم ہوگا اتنی ہی زیادہ ذلت ونکبت اور دہشت ناک گھبراہٹ اس پر طاری ہوگی، اس ہولناک دن کا ایک منظر قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ، يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ الْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ، إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ، وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ إِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ، مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔ (الغافر آیت: ۱۶-۱۸)

تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے، چھپی نہ رہے گی اللہ پر ان کی کوئی چیز، کس کا راج ہے اس دن؟ اللہ کا ہے، اکیلا ہے دباؤ والا، آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا بالکل ظلم نہیں آج۔ بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب اور خبر سنا دیجئے اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہونگے، کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ جس کی بات مانی جائے۔

اللہ اکبر! اس دن کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے اور بدن پر کپکپی چڑھ جاتی ہے، وہاں دنیا کا منصب، مال و دولت اور خاندان کچھ کام نہ آئے گا، کامران صرف اور صرف وہی ہوگا جس نے اس دن کے آنے سے پہلے ہی احکم الحاکمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا ہوگا، اے رب کریم! ہم سب کو اس دن کی سختیوں سے امان عطا فرما۔ آمین، ثم آمین۔

میدانِ محشر کی زمین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ، سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ، لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

(ابراهیم ۴۸-۵۱)

جس دن بدلی جائے اس زمین سے اور زمین، اور بدلے جائیں آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ اکیلے زبردست کے۔ اور دیکھے تو گنہ گاروں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں کُرتے انکے ہیں گندھک کے، اور ڈھانکے لیتی ہے انکو آگ، تاکہ بدلہ دے اللہ ہر ایک جی کو، اس کی کمائی کا، بیشک اللہ جلد کرنے والا ہے حساب۔

اس زمین کی تبدیلی کے متعلق حضراتِ علماء کی ۳ تشریحات ہیں:

(۱) بہت سے حضرات نے فرمایا کہ یہ تبدیلی حقیقی اور ذاتی ہوگی، اور موجودہ زمین کی جگہ ایسی زمین بچھائی جائے گی جس پر کسی معصیت کا صدور نہ ہوا ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک موقوف روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے اس اعتبار سے یہ تبدیلی دونوں صور پھونکنے کے درمیانی عرصہ میں پیش آئے گی یعنی پہلی مرتبہ صور پھونکے جانے پر تو تمام زمین و آسمان بکھر جائیں گے، اس کے بعد حشر قائم ہونے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ نئے آسمان اور نئی زمین پیدا فرمادے گا، اور اسی نئی زمین پر حشر بپا ہوگا۔ (فتح الباری ۱۴/۴۵۷)

(۲) بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تبدیلی حقیقی نہیں ہوگی بلکہ اس کی صفات بدل دی جائیں گی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں ہے کہ قیامت کے دن زمین کو چمڑے کی طرح کھینچ دیا جائے گا، اور اسی پر خلائق کو جمع کیا جائے گا، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ زمین کے تمام پہاڑوں، اور عمارتوں کو برابر کرکے بالکل چٹیل میدان میں تبدیل کردیا جائے گا۔ (فتح الباری ۱۴/۴۵۸)

(۳) اور تیسری رائے یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی تبدیلی پہلے مرحلہ میں صور پھونکے جانے پر تو محض صفات کے اعتبار سے ہوگی، اور پھر انہیں لپیٹ کر ان کی جگہ دوسری زمین اور آسمان قائم کردیئے جائیں گے۔ (التذکرہ، فتح الباری ۱۴/۴۵۶)

موجودہ زمین کو روٹی بنا دیا جائے گا

بخاری شریف میں حضرت ابو سعیدؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَكُونُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ خُبْزَةً وَاحِدَةً يَتَكَفَّؤُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهِ كَمَا يَكْفَأُ أَحَدُكُمْ خُبْزَتَهُ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ، فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ أَلَا أُخْبِرُكَ بِنُزُلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ: بَلَى۔ قَالَ: تَكُونُ الْأَرْضُ خُبْزَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ بِإِدَامِهِمْ؟ قَالَ: إِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَنُونٌ قَالُوا: وَمَا هٰذَا؟ قَالَ: ثَوْرٌ وَنُونٌ يَأْكُلُ مِنْ زَائِدِ كَبِدِهِمَا سَبْعُونَ أَلْفًا۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۵ برقم: ۶۵۲۰)

قیامت کے دن زمین ایک روٹی بن جائیگی، جسے اللہ تبارک وتعالیٰ (برابر کرنے کے لیے) اپنے دست مبارک سے اس طرح الٹے پلٹے گا جیسے تم میں سے کوئی آدمی سفر میں (جاتے وقت) اپنی روٹی کو الٹتا ہے، (یہی روٹی) اہلِ جنت کے لیے پہلے ناشتہ کی جگہ پیش کی جائے گی، پھر ایک یہودی شخص نے آکر کہا، اے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رحمٰن ورحیم آپ پر برکت نازل فرمائے کیا میں آپکو قیامت کے دن اہلِ جنت کی ضیافت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ کیوں نہیں؟ تو اس نے کہا کہ زمین روٹی بن جائے گی جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھ کر مسکرائے تا آنکہ سامنے کے دانت ظاہر ہوگئے، پھر اس یہودی نے کہا کہ میں آپ کو اہلِ جنت کے سالن کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ان کا سالن بیل اور مچھلی ہوگا (جو اتنے بڑے ہونگے) کہ ان کے کلیجہ کے زائد حصہ سے ستر ہزار افراد نوش کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدانِ محشر میں اہلِ ایمان جنتی بھوکے نہیں رہیں گے بلکہ اس زمین کو ان کے لیے روٹی بنا دیا جائے گا اور یہ گویا کہ اللہ کی طرف سے اعزازی ناشتہ ہوگا، اور اللہ کی قدرت کاملہ سے یہ ہرگز بعید نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَيُسْتَفَادُ مِنْهُ أَنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يُعَاقَبُوْنَ بِالْجُوْعِ مِنْ طُوْلِ زَمَانِ الْمَوْقِفِ بَلْ يُقَلِّبُ اللّٰهُ لَهُمْ بِقُدْرَتِهٖ طَبْعَ الْأَرْضِ حَتّٰى يَأْكُلُوْنَهَا مِنْ تَحْتِ أَقْدَامِهِمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ بِغَيْرِ عِلَاجٍ وَلَا كُلْفَةٍ وَيَكُوْنُ مَعْنٰى قَوْلِهٖ نُزُلًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ أَيِ الَّذِيْنَ يَصِيْرُوْنَ يَسِيْرُوْنَ إِلَى الْجَنَّةِ أَعَمُّ مِنْ كَوْنِ ذٰلِكَ يَقَعُ بَعْدَ الدُّخُوْلِ إِلَيْهَا أَوْ قَبْلَهٗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ (فتح الباری ۱۴/۴۵۵)

اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ قیامت کے دن میدان محشر کے لمبے عرصہ میں اہلِ ایمان کو بھوکا نہیں رکھا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان کے لیے زمین کی حقیقت وماہیت بدل دے گا چنانچہ مؤمنین اپنے اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کسی تکلیف اور مشقت کے جو اللہ تعالیٰ چاہے گا کھائیں گے، اور زمین کے اہلِ جنت کے لیے ناشتہ ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ ان لوگوں کو دیا جائے گا جو عنقریب جنت میں پہنچنے والے ہیں، گویا کہ یہ لفظ عمومی معنی میں ہے، جنت میں داخلہ سے پہلے کیلئے اور بعد کے لیے بھی۔ واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ محشر میں لوگوں کے قدم تین جگہ الگ الگ وقت میں ہوں گے، اولاً سب محشر کی زمین پر ہونگے، پھر سب پل صراط پر جائیں گے جن میں سے کچھ جہنم میں گر جائیں گے اور بقیہ بچ کر جنت کی زمین پر پہنچ جائیں گے، جب سب لوگ محشر کی زمین سے ہٹ جائیں گے اور یہ زمین خالی ہو جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس زمین کو روٹی بنا کر جنت میں داخل ہونے والوں کو پہلی مہمانی کے طور پر پیش فرمائے گا، واللہ اعلم (فیض الباری ۴/۴۳۲) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ دنیا کی زمین تو روڑے اور پتھروں پر مشتمل ہے اسے اہلِ جنت کیسے کھا سکتے ہیں؟ تو اس کا حل فرماتے ہوئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے فرمایا کہ اس دن زمین کو چھان کر کثیف چیزیں علیحدہ کر لی جائیں گی اور لطیف اشیاء کو روٹی کی شکل دیجائیگی۔ یہی مقتضائے عقل ہے کیونکہ زمین میں ہر طرح کی استعدادیں موجود ہیں، اور ان میں امتیاز کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں۔

(معارف الاکابر ۲۶۶ بحوالہ: حسن العزیز ۱/۱۴۶)

میدانِ محشر کی عزت وذلت

میدان محشر میں تمام اولین و آخرین کروڑ ہا کروڑ اور ارب ہا ارب جنات وانسان سب بیک وقت جمع ہوں گے، اور ہر شخص ایک دوسرے کو دیکھتا ہوگا اور ہر کاروائی کا مشاہدہ کرتا ہوگا، اس دن جسے عزت ملے گی اس سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں، اور جو بدنصیب اس دن ذلیل ہوجائے گا اس سے بڑھ کر کائنات میں کوئی ذلت نہیں، ذرا غور فرمایئے دنیا میں اگر کسی کو کامیابی مل جائے تو آخر کتنے لوگوں کو اس کی خبر ہو پاتی ہے اس خبر ہونے کی آخری حد یہ ہے کہ دنیا میں موجود بس زندہ لوگوں کو پتہ چل جائے لیکن جو لوگ قبر میں جا چکے یا جو بعد میں پیدا ہوں گے انہیں اس کامیابی کی کچھ خبر نہ مل پائیگی۔ اس معنی کر یہ عزت بھی بہت محدود ہے، اس کے برخلاف جب میدانِ محشر میں کسی خوش نصیب بندے کی کامیابی کا اعلان ہوگا اور برسرِ عام اس کا اعزاز واکرام کیا جائیگا تو تمام اولین وآخرین اس سے باخبر ہوں گے اور عزت کا دائرہ اتنا وسیع ہوگا جس کا لفظوں میں احاطہ نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا وہاں کی عزت ہی حقیقتاً عزت کہے جانے کے لائق ہے۔ یہی حال وہاں کی ذلت کا ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی ذلت بھی محدود ہے لیکن خدانخواستہ میدان محشر کی ذلت سے واسطہ پڑ جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہوسکتی، اسی لیے قرآنِ کریم میں جابجا میدانِ محشر میں کافروں کی ذلت ناک حالت کے مناظر بیان فرمائے ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ، وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ۔ (سورۃ ابراھیم: آیت ۴۲، ۴۳)

اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف، ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے اس دن کے لیے کہ پتھرا جائیں گی آنکھیں، دوڑتے ہونگے اوپر اٹھائے اپنے سر، پھر کر نہیں آئیں گی ان کی طرف ان کی آنکھیں، اور دل ان کے اُڑ گئے ہونگے۔

(۲) وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا۔ (سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۹۷)

اور اٹھائیں گے ہم ان کو قیامت کے دن، چلیں گے منہ کے بل، اندھے اور گونگے اور بہرے۔

(۳) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ (سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۲۴ تا ۱۲۶)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی، اور لائیں گے اس کو ہم قیامت کے دن اندھا، وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھالایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو تھا دیکھنے والا، فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں، پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تجھ کو بھلا دیں گے۔

(۴) وَلَوْ تَرٰىٓ اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ (الٓم سجدہ/ ۲۱، ۲، آیت ۱۲)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر اپنے رب کے سامنے سر ڈالے ہوئے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو بھیج دے کہ ہم کریں بھلے کام، ہم کو یقین آگیا۔

(۵) يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ (سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۰۲ تا ۱۰۴)

جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی اور ہم اس روز مجرم لوگوں کو اس حالت سے جمع کریں گے کہ انکی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہوں گے کہ تم لوگ صرف دس روز رہے ہوگے جس کی نسبت وہ بات کریں گے، اس کو ہم خوب

جانتے ہیں جبکہ ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں! تم تو ایک ہی روز رہے ہو۔

یہ تو چند مناظر بیان کیے گئے ہیں ورنہ اس دن بے ایمانوں اور بے عملوں کو جس بدترین ذلت کا سامنا ہوگا اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے بالمقابل اہلِ ایمان جس عزت و تکریم سے نوازے جائیں گے وہ بھی ناقابلِ بیان ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہاں کی رسوائی سے بچائے اور حقیقی عزت سے نوازے۔ آمین۔

میدانِ محشر میں سب سے پہلے لباس پوشی

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ: إِنَّكُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيْدُهُ الْآيَةَ۔ وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيْمُ الْخَلِيْلُ۔ (الخ) (بخاری شریف ۲/۹۶۶، رقم: ۶۵۲۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ تم سب کو ننگے پیر ننگے بدن ختنہ کے بغیر جمع کیا جائیگا، (ارشاد خداوندی ہے) ''جیسے ہم نے پہلی مرتبہ بنایا اسی طرح ہم دوبارہ پیدا کردیں گے''، اور مخلوقات میں جسے قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دو قبطی کپڑوں کا لباس پہنایا جائے گا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب دھاری دار جوڑا زیب تن کرایا جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ اعزاز سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیے جانے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) علامہ قرطبیؒ نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ جب آپ کو نمرود نے آگ میں ڈالنے کا حکم

دیا تو آپ کو اللہ کے راستے میں بے لباس کیا گیا اس کی جزاء کے طور پر سب سے پہلے آپ کی لباس پوشی کرائی جائی گی۔

(۲) علامہ حلیمیؒ نے فرمایا کہ: چونکہ روئے زمین پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ اللہ سے خوف کرے والا کوئی نہ تھا اس لیے آپ کو لباس پہنانے میں جلدی کی جائے گی تاکہ آپ کا دل مطمئن ہو جائے۔

(۳) اور بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن لوگوں پر فضیلت ظاہر کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا۔

اور اس اعزازی معاملہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مطلق فضیلت حاصل ہو، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جوڑا پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیمؑ کے جوڑے سے زیادہ شاندار ہوگا، تو اگرچہ اولویت نہ ہو لیکن اس کی عمدگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کا پتہ دیتی ہے۔ (فتح الباری ۱۴/ ۴۶۸)

محشر میں پسینہ ہی پسینہ

میدانِ محشر کی ہولناک حالتوں میں سے ایک حالت یہ بھی ہوگی کہ اس دن ہر بد عمل شخص اپنی بدعملی کے بقدر پسینے میں شرابور ہوگا اور اس قدر پسینہ نکلے گا کہ محشر کی زمین میں ستر ہاتھ تک نیچے چلا جائے گا، بخاری شریف کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ۔ (بخاری شریف ۲/ ۹۶۷، حدیث/ ۶۵۳۲)

قیامت کے دن لوگ پسینہ میں شرابور ہوں گے، یہاں تک کہ ان کا پسینہ زمین سے ستر ہاتھ تک نیچے اتر جائے گا، اور ان کو پسینہ لگام کی طرح چپٹ جائے گا، یہاں تک کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

اور مسلم شریف میں حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

يُدْنِي الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ قَالَ سُلَيْمُ بْنُ عَامِرٍ وَاللّٰهِ مَا أَدْرِي مَا يَعْنِي بِالْمِيْلِ مَسَافَةَ الْأَرْضِ أَوِ الْمِيْلِ الَّتِي تُكْحَلُ بِهِ الْعَيْنُ قَالَ فَتَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ إِلٰى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا وَأَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ إِلٰى فِيْهِ۔

(مسلم شریف ۲/۳۸۴، الترغیب والترهیب ۴/۲۰۹)

قیامت کے دن سورج مخلوقات سے بالکل قریب آجائے گا یہاں تک کہ لوگوں سے اس کا فاصلہ ایک میل کے بقدر رہ جائے گا۔ سلیم بن عامر فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپؐ نے میل سے زمین کی مسافت مراد لی ہے یا وہ میل (سرمہ کی سلائی) مراد ہے جس سے آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا ہے، آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کچھ لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ کچھ لوگ ایسے ہونگے جن کا پسینہ ٹخنوں میں ڈوبا ہوا ہوگا، کچھ کا گھٹنوں تک ہوگا، کچھ کا پیٹھ تک ہوگا، اور کوئی پورا ہی پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے منہ کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی پسینہ منہ تک پہنچ رہا ہوگا)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک ہی میدان میں جبکہ بھیڑ اتنی ہوگی کہ ہر شخص کو صرف اپنا قدم ہی ٹکانا میسر آئے گا لوگ اپنی اپنی بداعمالیوں کے بقدر پسینوں میں ڈوبے ہوں گے یہ ایسی ہولناک صورت ہے کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے مگر اس پر ایمان لانا ضروری اور لازم ہے۔ (فتح الباری ۱۴/۴۸۱)

اس ہولناک دن میں کچھ اللہ کے مخصوص بندے ایسے بھی ہوں گے جن کو سورج کی گرمی ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی اور وہ اس دن بھی امن وامان اور عافیت میں

ہوں گے۔ایک روایت میں ہے:وَلَا يَضُرُّ حَرُّهَا يَوْمَئِذٍ مُؤْمِنًا وَلَا مُؤْمِنَةً۔ یعنی اس دن سورج کی گرمی سے مومن مرد وعورت کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اس سے مراد کامل مومنین ہیں جیسے حضرات انبیاء صدیقین اور شہداء کہ ان کو میدانِ محشر میں کسی تکلیف کا سامنا نہ ہوگا۔

(فتح الباری۱۴/۴۸۱-۴۸۰،التذکرہ۲۷۶-۲۷۵)

محشر کے دن کی طوالت

محشر کا دن عام دنیا کے دنوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے دنوں کے اعتبار سے اس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی جیسا کہ قرآنِ کریم میں سورۂ معارج میں ارشاد فرمایا گیا ہے نیز متعدد احادیث میں بھی یہ مقدار وارد ہے۔(تفسیر ابن کثیر کامل:۱۳۷۸)

اس طوالت کی وجہ سے کافروں اور بدعملوں کا حال خراب سے خراب تر ہو جائیگا اور وہ دن کاٹے نہیں کٹے گا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس طویل ترین دن کو اہل ایمان کے لئے ایک فرض نماز گزرنے کے بقدر ہلکا فرمادے گا مسند احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

يُخَفَّفُ الْوُقُوفُ عَنِ الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُونَ كَصَلٰوةٍ مَكْتُوبَةٍ۔

محشر میں وقوف کا زمانہ مومن پر اتنا مختصر کر دیا جائے گا جیسا کہ ایک فرض نماز کا وقت ہوتا ہے۔

اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت کا دن مومن کے لئے دنیا کے ایک دن کی چھوٹی سے چھوٹی ایک ساعت کے برابر ہو جائے گا۔(فتح الباری۱۴/۵۴۷)

یعنی صلحاء مومنین اس دن اتنی عافیت سے ہوں گے کہ انہیں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلے گا اللہ تعالیٰ ہم سب کو میدان محشر میں ایسی ہی عافیت عطا فرمائے۔(آمین)

تیسری فصل

حوضِ کوثر

میدان محشر میں جبکہ پیاس کی شدت حد سے تجاوز کررہی ہوگی تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو الگ الگ حوض عطا کیا جائے گا تا کہ وہ اپنے مومن امتیوں کو پانی پلائیں اور ان کی پیاس بجھائیں، اس دن سب سے بڑا حوض اور پینے والوں کا سب سے بڑا مجمع ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ کے حوض کوثر پر ہوگا، اور آپ وہاں بنفس نفیس تشریف فرما ہوکر اپنی اُمت کو سیراب فرمائیں گے ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّي اَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً۔ (ترمذی شریف ۲/۷۰)

ہر نبی کا الگ حوض ہوگا، اور وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے پاس کتنے زیادہ پینے والے آتے ہیں، اور مجھے اُمید ہے کہ میں ہی ان میں سب سے زیادہ سیراب کرنے والا ہوں گا۔ (میرے ہی پاس سب سے زیادہ پینے والے لوگ آئیں گے)

آنحضرت ﷺ کا حوض انتہائی عظیم الشان ہوگا، اس کی وسعت اور خوبی بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حَوْضِي مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ وَمَاؤُهُ اَبْيَضُ مِنَ الْوَرِقِ وَرِيْحُهُ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَا يَظْمَأُ بَعْدَهُ اَبَدًا۔

(مسلم شریف ۲/۲۴۹ برقم: ۲۲۹۲ بخاری شریف: ۶۵۷۹)

میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ چلنے کے برابر ہے اندازاً (سات سو کلومیٹر) اور اس کے چاروں اطراف برابر ہیں، اور اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ عمدہ ہے، اور اس کے آگے آب خورے آسمان کے ستاروں کی طرح (ان گنت) ہیں لہٰذا جو اس کو پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

اور ایک روایت میں حضرات صحابہؓ کے اس کے پانی کے ذائقہ کے متعلق استفسار پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَشَدُّ بَیَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، وَاَحْلٰی مِنَ الْعَسَلِ یُغَتُّ فِیْهِ مِیْزَابَانِ یَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَالْاٰخَرُ مِنْ وَرِقٍ۔ (مسلم شریف ۲/ ۲۵۱)

وہ دودھ سے بھی بہت زیادہ سفید، اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اس میں جنت سے دو پرنالے آکر گر رہے ہیں ایک سونے کا پرنالہ ہے اور دوسرا چاندی کا۔

پہچان کیسے ہوگی؟

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حوضِ کوثر کی صفات بیان فرمارہے تھے، درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ میں اس دن حوض پر کھڑے ہوکر غیر امتیوں کو اس طرح ہٹا رہا ہوں گا جیسے کوئی شخص اپنے ذاتی جانوروں کے پانی پلانے کی جگہ سے غیروں کے جانوروں کو ہنکاتا ہے، یہ سن کر حضرات صحابہؓ نے بڑی حیرت سے سوال کیا کہ: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس دن (اتنے بڑے عظیم مجمع اور بھیڑ میں) ہمیں پہچان لیں گے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوش خبری سنائی:

نَعَمْ: لَکُمْ سِیْمَا لَیْسَتْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَیَّ غُرًّا مُّحَجَّلِیْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ۔ (مسلم شریف حدیث: ۲۴۷)

جی ہاں! تمہاری ایسی نشانی ہوگی جو کسی اور امت کے لیے (اس طرح کی) نہ ہوگی، تم میرے حوض پر وضو کے اثر سے چمکتے اعضاء کے ساتھ آؤ گے۔

معلوم ہوا کہ کثرت سے اور اہتمام سے وضو کرنا میدانِ محشر میں امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے امتیاز کا سبب ہوگا، اور اس کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔

سب سے پہلے حوضِ کوثر سے سیراب ہونے والے

ویسے تو ہر امتی انشاء اللہ حوضِ کوثر سے سیراب ہوگا لیکن کچھ خوش نصیب اور سعادت مند حضرات ایسے ہوں گے جن کو سب سے پہلے سیراب ہونے کا اعزاز ملے گا، ان کی صفات بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا عَلَيْهِ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُوْسًا، الدُّنْسُ ثِيَابًا، الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ الدَّارُ۔ (ترمذی شریف ۲/ ۷۱)

سب سے پہلے حوضِ کوثر پر آنے والے مہاجر فقراء حضرات ہوں گے، جو (دنیا میں) پراگندہ بال والے، اور میلے کچیلے کپڑے والے ہوں گے، جو ناز و نعم میں رہنے والی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے اور گھر کے دروازے ان کے لیے کھولے نہیں جاتے (ان کی دنیوی بے سروسامانی کی وجہ سے)۔

یعنی ان کی بے کسی دیکھ کر کوئی ناز و نعم میں پلنے والی عورت ان سے نکاح کرنے پر تیار نہ ہوگی، اور اگر وہ کسی کے دروازے پر جائیں گے تو ان کے لیے لوگ دروازے کھولنا بھی پسند نہ کریں گے، دنیا میں تو ان کا یہ مسکنت کا حال ہوگا اور آخرت میں ان کا وہ اعزاز و اکرام ہوگا کہ سب سے پہلے حوضِ کوثر پر بلائے جائیں گے، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ، یہ عاجزی اور مسکنت قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔

بے عمل اور بدعتی حوضِ کوثر سے دھتکار دیئے جائیں گے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ستر ہزار فرشتے اس کام پر مقرر ہوں گے کہ کوئی کافر یا غیر مستحق انبیاء علیہم السلام کے حوضِ کوثر سے سیراب نہ ہونے پائے، (التذکرہ ۳۴۸) چنانچہ حوضِ کوثر پر بھی بڑی تعداد میں فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اسی درمیان یہ صورت پیش آئے گی کہ بعض لوگ جو ظاہری نشانیوں سے مسلمان معلوم ہوتے ہوں گے حوضِ کوثر کی طرف بڑھ رہے ہوں گے، مگر فرشتے انہیں دور ہی سے

روک لیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر فرشتوں سے فرمائیں گے کہ یہ تو میرے آدمی ہیں (انہیں کیوں روکتے ہو) تو فرشتے جواب دیں گے کہ حضرت! آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا (برے عمل) کیے ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں دھتکار دیں گے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ وَرَدَ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا وَيَرِدَنَّ عَلَى اقوامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَاتَدْرِي مَاعَمِلُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي۔

(مسلم شریف ۲/۲۴۹)

میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا، جو وہاں حاضر ہوگا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا، اور میرے سامنے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میں جانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کردی جائے گی تو میں کہوں گا کہ وہ تو میرے لوگ ہیں، تو جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کیا کارستانیاں کی ہیں، تو میں کہوں گا بربادی ہے بربادی ہے اس شخص کے لیے جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کا ارتکاب کیا۔

علامہ قرطبیؒ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے معتبر علماء کی یہ رائے ہے کہ جو شخص بھی نعوذ باللہ دین میں کوئی نئی بدعت ایجاد کرے گا جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو تو وہ قیامت کے روز حوضِ کوثر سے دھتکار دیئے جانے والوں میں شامل ہوگا، اور ان میں سب سے شدت کے ساتھ ہٹائے جانے والوں میں وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا کیا ہوگا، اور ان کے راستہ سے الگ راہ اختیار کی ہوگی جیسے خوارج، رافضی اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقے جنہوں نے دین کے اندر تبدیلی کی کوشش کی، اور اسی طرح وہ ظالم حکمران بھی حوضِ کوثر سے دھتکارے جائیں گے جنہوں نے اہلِ حق کے ساتھ ظلم وناانصافی اور قتل وغارت گری کا معاملہ کیا ہوگا، اور وہ اپنی

رعایا پر ظلم وستم میں حد سے تجاوز کر گئے ہوں گے، نیز وہ برسرِ عام معاصی ومنکرات کے عادی لوگ بھی حوضِ سے دور رکھے جائیں گے جو احکامِ خداوندی کا استخفاف کرتے ہوں گے، یہی حال دیگر اہلِ بدعت اور اربابِ زیغ وضلال کا ہوگا، پھر اگر وہ دین میں صرف عملی طور پر تبدیلی کے مرتکب ہوں گے، اور عقیدہ ان کا زیادہ خراب نہ ہوگا تو انہیں بعد میں مغفرت کے بعد حوضِ کوثر سے سیرابی کا موقع مل سکے گا، اور اس اعتبار سے اگرچہ ان کی پہچان اعضاء وضو کی روشنی سے ہو جائے گی مگر پھر بھی وہ اپنی بدعملی کی وجہ سے ابتداء میں دھتکارے جانے کے مستحق ہونگے، لیکن اگر عقیدہ ہی میں ناقابلِ تلافی فساد ہوگا، جیسے کہ دورِ نبوی کے پائے جانے والے منافقین جو دل میں کفر چھپا کر محض زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے تھے، تو انہیں کبھی بھی حوضِ کوثر سے سیرابی کا موقع فراہم نہ ہوگا، پہلے ان کی ظاہری صورت دیکھ کر بلائیں گے مگر حقیقت کے سامنے آنے اور پردہ فاش ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سُحقًا سُحقًا کہہ کر انہیں وہاں سے دھتکار دینگے۔ العیاذ باللہ. (التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ/ ۳۵۲)

ایک اشکال کا جواب

یہاں ایک اشکال یہ کیا جاسکتا ہے کہ حدیث میں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ ایمان امتی حوضِ کوثر سے پانی پیئے گا، اور جو ایک مرتبہ پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حوض پلِ صراط سے پہلے ہوگا، یعنی حوض سے پانی پینے کے بعد بھی اہلِ کبائر کے جہنم میں جانے کا فیصلہ ہوگا، اور پلِ صراط سے گزرتے ہوئے انہیں جہنم میں کھینچ لیا جائے گا تو یہ بات بظاہر سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حوضِ کوثر سے پانی پی لیا اور اس کی وجہ سے پیاس ہمیشہ کے لیے بجھ گئی تو پھر اب کسی بدکردار اور ظالم یا بدعتی کو جہنم میں کیسے بھیجا جائے گا، اور کیا جہنم کی خطرناک آگ میں جا کر بھی وہ پیاس سے محفوظ رہے گا؟

اس کا جواب دیتے ہوئے شراحِ حدیث نے فرمایا ہے کہ جن اہلِ کبائر کا جہنم میں جانا مقدر ہوگا اور وہ حوضِ کوثر کا پانی نوش کر چکے ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ ان کو جہنم میں پیاس کے علاوہ دیگر طریقوں سے عذاب دے گا، حوضِ کوثر کا پانی نوش کرنے کی وجہ سے وہ

آئندہ پیاس کے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (التذکرۃ، ۳۵۳)

بہر حال ہمیں اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم کسی ایسی بدعملی اور بدعقیدگی میں ہرگز مبتلا نہ ہوں جو ہمیں حوض کوثر سے محروم کر کے میدان محشر میں بدترین رسوائی اور ذلت سے دوچار کر دے: بالخصوص ہر مسلمان کو بدعت اور ضلالت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے اور کتاب و سنت اور حضرات صحابہؓ کے اقوال و افعال اور اجماع امت پر مضبوطی سے عامل رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو گمراہی اور بدعات سے محفوظ رکھے اور میدان محشر میں اعزاز کے ساتھ حوض کوثر سے سیرابی کا اپنے فضل و کرم سے موقع عطا فرمائے۔ آمین۔

چوتھی فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ

میدان محشر کی طویل ہولناکیوں کی وجہ سے لوگ پریشان ہوں گے اور تمنا کریں گے کہ جلد حساب کتاب کے مرحلہ سے نمٹ کر لوگ اپنے اپنے مقام پر پہنچیں اور انتظار کی زحمت ختم ہو، چنانچہ وہ رب العالمین کے دربار میں سفارش کرانے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کا وسیلہ تلاش کریں گے، سب سے پہلے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کی درخواست کریں گے مگر وہ معذرت کریں گے، پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ بھی معذرت پیش فرمائیں گے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کریں گے وہ سب حضرات سفارش کی ہمت نہ کر پائیں گے، اخیر میں سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین سرور کائنات، فخر دوعالم، شفیع اعظم، صاحب مقام محمود، سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے، اور عرض کریں گے:

يَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَغَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيْهِ أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا، الخ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۱)

اے محمد (ﷺ) آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کا اعلان فرمایا (یعنی آپ کو کسی پوچھ کچھ کا خطرہ نہیں ہے) آپ اپنے پروردگار کے روبرو ہماری سفارش فرمایئے کیا نہیں دیکھتے ہم کس حال میں ہیں، اور ہمارا حال کہاں تک پہنچ گیا ہے۔

ان لوگوں کی درخواست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں گے، اور عرش خداوندی کے نیچے جا کر پروردگار عالم کے دربار میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اللہ رب

العالمین اسی وقت آپ کے دل پر اپنی حمد وثنا کے ایسے شاندار الفاظ اور تعبیرات کا القاء فرمائیں گے، جو اس سے پہلے کسی کے خواب وخیال اور تصور میں بھی نہ آئے ہوں گے، ایک عرصۂ دراز تک (جس کا علم اللہ ہی کو ہے) آپ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالٰی کی حمد وثنا فرماتے رہیں گے، پھر رحمتِ خداوندی کو جوش آئے گا، اور آواز دی جائے گی:

يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَاسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۱)

اے محمد! سر اٹھایئے، مانگئے آپ کو عطا کیا جائے گا، سفارش فرمایئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

چنانچہ آپ سر اٹھائیں گے، اور سب سے پہلے اپنی امت کا حساب کتاب جلدی شروع کیے جانے کی درخواست کریں گے۔ (فتح الباری ۱۴/۵۲۵)

حساب کتاب شروع کرانے کی سفارش یہی آنحضرت ﷺ کا بلند ترین مقام محمود ہے، جس کا تذکرہ قرآن کریم کی آیت: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا. (بنی اسرائیل) میں کیا گیا ہے۔ (فتح الباری ۱۴/۵۲۰)

شفاعت کی اقسام

مشہور شارح حدیث قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) میدانِ محشر کی ہولناک نجات اور حساب کتاب شروع کرانے کی شفاعت، یہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ (جیسا کہ اوپر ذکر گزرا)

(۲) بہت سے اہلِ ایمان کو بلا حساب کتاب جنت میں داخل کرانے کی شفاعت، یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۳) بہت سے ایسے اہلِ ایمان کے لیے شفاعت جن کو جہنم کی سزا سنائی جا چکی ہوگی مگر ابھی وہ جہنم میں نہ گئے ہوں گے۔ (یہ شفاعت نبی اکرم علیہ السلام بھی فرمائیں گے، اور بعض دیگر نیک اعمال والے اپنے متعلقین کے لیے کریں گے جیسے حفاظ قرآن اور شہید وغیرہ)۔

(۴) ان مومنوں کے لیے شفاعت جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے جہنم میں جاچکے ہوں گے، ان میں سے بتدریج ہر ایک کو انبیاء علیہم السلام، ملائکہ اور دیگر مومنوں کی سفارش سے جہنم سے خلاصی دی جائے گی۔

(۵) جنتیوں کے لیے درجات میں اضافہ کی شفاعت۔

اور حافظ ابن حجرؒ نے ان اقسام پر درج ذیل ۴ قسموں کا اضافہ فرمایا ہے۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی شفاعت فرمانا۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں سب سے پہلے اپنی امت کو داخل کرانے کی شفاعت فرمانا۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کے متعلق جنت میں داخلہ کی سفارش فرمانا جنکی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوں، جنہیں اصحاب اعراف کہا جاتا ہے۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے متعلق سفارش فرمانا جس نے صرف کلمہ پڑھا لیکن کوئی عملِ صالح اس کے اعمال نامہ میں نہ ہو۔ (فتح الباری ۱۴/۵۴۳)

اس طرح شفاعت کی کل اقسام ۹ ہوگئیں، عام طور پر احادیث شفاعت میں راویوں نے درمیانی واقعات کی کڑیاں چھوڑ دی ہیں اور حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ ہی میں گنہ گار امتیوں کے جہنم سے نکالنے کا عمل شروع ہو جائے گا، حالانکہ ایسی بات نہیں، بلکہ پہلے شفاعتِ کبریٰ ہوگی، جس کے بعد حساب کتاب، وزن اعمال وغیرہ کے مراحل پیش آئیں گے، تا آنکہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے، اور پھر بالآخر گنہ گاروں کو نکالنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے جسے قبول کیا جائے گا، اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ امتی بھی جہنم میں باقی نہ رہے گا۔

(فتح الباری ملخصاً ۱۴/ ۵۳۵، ۵۳۶)

پانچویں فصل

حساب کتاب کا آغاز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ کے بعد رب ذوالجلال کی طرف سے حساب کتاب کی کاروائی کا آغاز ہوگا۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا اقدام یہ ہوگا، کہ تمام لوگوں کے اعمال نامے خود ان کے ہاتھوں میں پہنچا دیئے جائیں گے، نیک لوگوں کے اعمال نامے ان کو دائیں ہاتھوں میں عطا ہوں گے اسی لیے ان کو اصحاب الیمین کہا جاتا ہے اور برے لوگوں کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں تھما دیئے جائیں گے اسی لیے ان کو اصحاب الشمال کہا جاتا ہے۔ ایک مرفوع روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں!

اَلْكُتُبُ كُلُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْمَوْقِفِ بَعَثَ اللّٰهُ رِيْحًا فَتُطِيْرُهَا بِالْأَيْمَانِ وَالشَّمَائِلِ أَوَّلُ خَطٍّ فِيْهَا "اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔" (التذکرہ ۱۹۶)

اعمال نامے سب عرش کے نیچے محفوظ ہیں، جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ ایک خاص ہوا چلائے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر (حسب اعمال) انہیں لوگوں کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی ان اعمال ناموں میں اوپر یہ جملہ لکھا ہوا ہوگا "تو ہی پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے والا۔"

اس مرحلہ میں تو نیک لوگوں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا جبکہ کفار اور بدعمل (اصحاب الشمال) لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے قرآن کریم نے اس وقت کا منظر اس طرح بیان فرمایا ہے:

فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَيَقُوْلُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ، إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ، فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ، فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ، قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ، كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

هَنِيٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ۔ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ۔ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ۔ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ۔ هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ۔ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۔ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ۔ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ۔ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ۔ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ۔ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ۔ (الحاقہ ۱۹-۳۷)

سو جس کو ملا اس کا لکھا، داہنے ہاتھ میں وہ کہتا ہے لو جیو پڑھیو میرا لکھا، میں نے خیال رکھا اس بات کا کہ مجھ کو ملے گا میرا حساب، سو وہ ہیں من مانی زندگی میں، اونچے باغ میں، جس کے میوے جھکے پڑے ہیں، کھاؤ پیو جی بھر کر، بدلہ اس کا جو آگے بھیج چکے ہو تم پہلے دنوں میں۔ اور جس کو ملا اس کا لکھا، بائیں ہاتھ میں وہ کہتا ہے کیا اچھا ہوتا جو مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا، اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا ہے۔ حساب میرا، کسی طرح وہی موت ختم کر جاتی، کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال، برباد ہوئی مجھ سے میری حکومت، اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو، پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے اس کو جکڑ دو، وہ تھا کہ یقین نہ لاتا تھا اللہ پر، جو سب سے بڑا ہے اور تاکید نہ کرتا تھا فقیر کے کھانے پر، سو کوئی نہیں آج اس کا یہاں دوست دار اور نہ کچھ ملے گا کھانا مگر زخموں کا دھوون، کوئی نہ کھائے اس کو مگر وہی گنہ گار۔

اور سورۂ کہف میں حساب کتاب کے وقت کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے:

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا۔ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔ (الکہف آیت ۴۸-۴۹)

اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر، آپہنچے تم ہی ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار، نہیں تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لیے کوئی وعدہ، اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ، پھر تو دیکھے گنہ گاروں کو ڈرتے ہیں، اس سے جو اس

میں لکھا ہے۔ اور کہتے ہیں ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ؟ نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات، جو اس میں نہیں آگئی ہو، اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے، اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر۔

شروع شروع میں کفار و منافقین اور بدعمل، اعمال نامے دیکھ کر کچھ حجت اور بحث کی کوشش کریں گے لیکن خود ان کے اعضاء و جوارح ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے جس کے بعد کسی کٹ حجتی کا موقع ہی نہ رہے گا، نیز یہ بھی تمنا کریں گے کہ انہیں ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دیا جائے مگر اس سے بھی انکار کر دیا جائے گا۔ اس دن سرکشوں کی رسوائی ناقابلِ بیان ہوگی، سر جھکے ہوئے ہونگے، چہرے سیاہ ہونگے، آنکھیں نیلی ہو جائیں گی اور دہشت اور گھبراہٹ کے مارے چیخ و پکار مچا رہے ہوں گے۔ اللهم احفظنا منه.

سب سے پہلے کس چیز کا حساب ہوگا؟

دنیوی معاملات اور حقوق میں سب سے پہلے ناحق قتل کا حساب ہوگا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ۔ (ابن کثیر ۳۴۹)

سب سے پہلے قیامت کے روز خون ناحق کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو کھینچ کر عرشِ خداوندی کے سامنے لائے گا، اور عرض کرے گا کہ پروردگار عالم! اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھے کس وجہ سے قتل کیا ہے؟ اور ایک روایت میں ہے کہ ''اگر تمام زمین اور آسمان والے سب مل کر کسی ایک مسلمان کو قتل کریں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں ڈال دے گا'' اور ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرنے میں تعاون کرے اگرچہ ایک لفظ بول کر بھی، تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ (ابن کثیر ۳۴۹)

اس لیے قتل ناحق سے احتراز لازم ہے، اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب

کرے جس سے وہ جانی سزا کا مستحق ہو جائے پھر بھی کسی عام آدمی کو اس پر سزا جاری کرنے کا حق نہیں ہے، بلکہ سزا جاری کرنے کی ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہوتی ہے جہاں واقعی اسلامی نظام قائم ہوگا وہیں ثبوت شرعی کے بعد سزا جاری ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں، اگر اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو پھر کسی شخص کی جان بھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔

نماز کا حساب

اور عبادات میں سب سے پہلے پوچھ گچھ نماز کے متعلق ہوگی، ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلٰوةُ فَإِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ سَائِرُ عَمَلِهٖ وَإِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِهٖ (الترغیب والترھیب ۱/ ۱۵۰)

قیامت کے دن سب سے پہلے آدمی کی نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نماز درست نکلی تو بقیہ اعمال بھی درست نکلیں گے اور نماز میں خرابی نکلی تو بقیہ اعمال اور خراب ہوں گے۔

درج بالا حدیث سے نماز کی اہمیت کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ بھی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ طیبہ میں نماز کی فضیلت اور عظمت انتہائی تاکیدی انداز میں بیان ہوئی ہے، نماز کو دین کا ستون کہا گیا، اور اس کے بلا عذر چھوڑنے والے کو کافروں اور منافقوں کے مشابہ قرار دیا گیا، اس لیے امتِ مسلمہ کے ہر فرد پر لازم ہے کہ وہ نمازی بنے۔ اور اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کو بھی نماز کا عادی بنائے، تاکہ میدانِ محشر کی رسوائیوں سے حفاظت ہو سکے۔

مظالم اور حق تلفیوں کا بدلہ

میدانِ محشر میں کوئی ظالم بچ کر نہ جا سکے گا بلکہ اسے ظلم کا بدلہ دینا ہی پڑے گا، اور وہاں روپیہ پیسہ سے ادائیگی نہ ہوگی بلکہ ظلم اور حق تلفی کے بدلہ میں نیکیاں دی جائیں گی، اور جب نیکیاں باقی ہی نہ رہیں گی تو مظلوم کی برائیاں ظالم پر لاد دی جائیں گی، یہ منظر بڑا

عبرت ناک اور حسرت ناک ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْشَيْءٌ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ۔ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری ۱/۳۳ حدیث ۲۳۸۵ ،العذکرہ ۳۰۸)

جس شخص نے اپنے بھائی کی مالی یا ذاتی کوئی ناانصافی کی ہو تو اس دن کے آنے سے پہلے آج ہی معاف کرالے جب دینار و درہم نہ ہوں گے (کہ ان سے حق چکایا جائے بلکہ) اگر اس کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو وہ مظلوم اپنے حق کے بقدر نیکیاں لے لے گا، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا کہ تم مفلس اور قلاش کسے سمجھتے ہو؟ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم میں مفلس تو اسے کہا جاتا ہے جس بے چارے کے پاس درہم اور سامان کچھ بھی نہ ہو۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضٰى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (مسلم شریف ۲/۳۲۰ ،العذکرہ ۳۰۸)

میری امت میں مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ، اور زکوٰۃ (وغیرہ) لے کر آئے گا (مگر) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی کسی کا مال اڑایا ہوگا، اور کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، تو اس کی نیکیاں اِس کو اور اُس کو بانٹی جائیں گی، پھر جب اس کی نیکیوں کا ذخیرہ والوں کے حق ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا تو ان کی برائیاں لے

کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔اللھم احفظنا منه۔

ابن ماجہ میں ایک عبرت ناک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ سرزمین حبشہ میں تم نے سب سے حیرت انگیز بات کیا دیکھی؟ تو بعض نوجوان کھڑے ہوئے اور انہوں نے قصہ سنایا کہ ہم ایک مرتبہ حبشہ میں سڑک کے کنارے بیٹھے تھے، کہ ہمارے سامنے سے ایک بڑھیا گزری جس نے سر پر ایک مٹکا اٹھار کھا تھا، محلہ کے چند شریر لڑکے اس کے پیچھے لگ گئے اور اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ بے چاری گر پڑی اور اس کا مٹکا پھوٹ گیا، تو اس نے شریر لڑکے کو خطاب کر کے کہا کہ "اے بدتمیز! یاد رکھ جب اللہ رب العالمین کرسی نصب فرما کر اولین و اخرین کو جمع فرمائے گا اور آدمی کے ہاتھ پیر اپنے کالے کرتوتوں کو خود ہی بیان کر دیں گے، اسی دن تو دیکھ لینا کہ میرا اور تیرا معاملہ اللہ رب العالمین کے سامنے کیسا ہوگا؟"

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صَدَقَتْ، صَدَقَتْ، کَیْفَ یُقَدِّسُ اللّٰہُ اُمَّةً لَا یُؤْخَذُ لِضَعِیْفِھِمْ مِنْ شَدِیْدِھِمْ۔ (ابن ماجہ ۲۹۹ مطبع رشیدیہ، العذکرہ ۳۱۰)

اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا، وہ امت کیسے باعزت ہو سکتی ہے جو اپنے کمزوروں کے لیے طاقتوروں سے مواخذہ نہ کرے۔

قیامت کے دن انسانوں کے علاوہ ظالم جانوروں تک سے بھی حساب لیا جائے گا، ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَھْلِھَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔ (مسلم ۲/۳۲۰، العذکرہ ۳۰۸)

قیامت کے دن تمام حق داروں تک ان کے حق ضرور پہنچائے جائیں گے، حتیٰ کہ بے سینگ بکری کے لیے سینگ والی بکری سے قصاص لیا جائے گا۔

اس لیے آخرت پر یقین رکھنے والے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دنیا ہی میں لوگوں کے حقوق کے تمام حساب کتاب صاف کرلے، اور یہاں سے اس حال میں رخصت ہو کہ اس پر کسی کا کوئی حق نہ ہو ورنہ یہ حقوق آخرت میں بڑی رسوائی کا سبب بن جائیں گے۔

ناحق زمین غصب کرنے والوں کا انجام

بالخصوص جائیداد غصب کرنے والے کے متعلق احادیث صحیحہ میں سخت ترین وعیدیں وارد ہوئی ہیں، مشہور مستجاب الدعوات صحابی حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا طَوَّقَهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ۔ (مسلم شریف ۲/۳۲)

جو شخص ایک بالشت زمین بھی ناجائز طور پر دبالے تو یہ حصہ ساتوں زمین سے نکال کر اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

اس حدیث کی تشریح میں حضرات محدثین نے درج ذیل اقوال ارشاد فرمائے ہیں۔

(۱) ساتوں زمین سے مٹی نکال کر اسے اٹھانے کا حکم دیا جائے گا، جسے وہ اُٹھا نہ سکے گا۔

(۲) یہ ساری مٹی نکال کر اس کے گلے میں واقعی طوق بنا کر ڈال دی جائے گی اور اسی اعتبار سے اس کی گردن کو موٹا بھی کردیا جائے گا۔

(۳) اسے غصب شدہ زمین کے نیچے ساتوں زمین تک کھودنے کا حکم دیا جائے گا اور کھودتے کھودتے زمین کی حیثیت اس کے گلے میں طوق کے مانند ہوجائے گی۔

(۴) اس غصب کے گناہ کا وبال اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔ (نووی علی مسلم ۲/۳۳، تکملہ فتح الملہم ۱/۶۷۴)

بہر حال یہ سب معنی متصور ہیں، ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں ذرا ذرا سی جگہوں، نالیوں اور راستوں پر مقدمہ بازیوں کی

کثرت ہے، جتنے روپیہ کی جگہ نہیں ہوتی اس سے کئی گنا رقم فریقین کی مقدمہ بازیوں اور رشوتوں میں خرچ ہو کر تباہ ہو جاتی ہے مگر مقدمہ کا ایسا جنون ہوتا ہے کہ کسی طرح کوئی فریق مصالحت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ آج یہ مقدمہ بازی بڑی اچھی لگتی ہے۔ کل قیامت کے دن جب یہی ناحق قبضہ بدترین رسوائی اور ذلت کا سبب بنے گا تب آنکھیں کھلیں گی، اس لیے عقلمندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی طاقت اور دولت فضول ضائع کرنے کے بجائے قناعت کا راستہ اختیار کریں اور آخرت کی ذلت سے حفاظت کا انتظام کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ آمین۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا برا حال

جو لوگ صاحبِ نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں ان کا حال بھی میدانِ محشر میں بڑا عبرت ناک ہوگا، ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهُمَا حَقَّهُمَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا بَرَدَتْ أُعِيدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ۔ الخ. (مسلم شریف ۱/۳۱۸، التذکرہ ۳۴۰)

جو بھی سونے چاندی کا مالک ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرے گا تو قیامت کے روز اس کے مال کے پتر بنا کر جہنم کی آگ میں تپائے جائیں گے، جن سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو داغا جائے گا، جب وہ پتر ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ (گرم) کیا جائے گا، یہ معاملہ اس دن ہوگا جس کی مقدار ۵۰ ہزار سال کے برابر ہے، اور اس کو یہ عذاب برابر ہوتا رہے گا تا آنکہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا، پھر یہ دیکھ لے گا کہ اس کا ٹھکانا جنت ہے یا جہنم۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضرات صحابہؓ نے اونٹوں اور گایوں اور بکریوں کے مالک مالداروں کے انجام کے بارے میں دریافت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان جانوروں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ چھانٹ چھانٹ کر میدانِ محشر میں بڑے بڑے اور نوک دار سینگوں والے جانوروں کے ذریعہ اس نادہندہ مالک کو پیروں سے روندوائے گا اور سینگوں سے زخمی کرائے گا، اور یہ سلسلہ حساب کتاب مکمل ہونے تک برابر جاری رہے گا، اعاذنا اللہ منہ۔ (مسلم شریف ۱/۳۱۸)

نیز ایک حدیث میں ہے کہ بے زکوٰۃ والا مال میدانِ محشر میں خطرناک زہریلے اَژدہے کی شکل میں آکر اپنے مالک کا پیچھا کرے گا۔ تا آنکہ اس کے ہاتھ پکڑ کر چبا جائے گا۔ (مسلم ۱/۳۲۰) اللہم احفظنا منہ۔

مالداروں کے لیے بالخصوص یہ احادیث عبرت ناک ہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام لازم ہے، ورنہ اس کی نحوست دنیا میں ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں بھی اس کی سزا بھگتنی پڑے گی، یہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اگر اس میں سے مقررہ فرض حصہ مستحقین کے حوالہ کر دیا جائے تو بقیہ پورا مال محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر اس حصہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے تو پھر انجام بخیر نہیں، لہٰذا چند روزہ دنیوی نفع کی خاطر آخرت کی دائمی رسوائی کو مول لینا دانشمندی نہیں ہے۔

قومی مال میں خیانت کرنے والوں کا انجام

اسی طرح جو شخص ''غلول'' یعنی قومی وملی مشترک مال میں خیانت کا مرتکب ہوگا اس کو بھی بڑی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، قرآن کریم میں ہے:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران آیت: ۱۶۱)

اور جو خیانت کرے گا وہ خیانت کردہ چیز لے کر قیامت میں حاضر ہوگا۔

اور حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص نے جس چیز میں خیانت کی ہوگی وہ اسی کو اپنی گردن پر لاد کر میدانِ محشر میں آئے گا، اگر مثلاً اونٹ لیا ہوگا تو وہ گردن پر چڑھ کر آواز

نکال رہا ہوگا، اور گھوڑا چرایا ہوگا تو وہ سر پر ہنہنا رہا ہوگا، الی آخرہ۔ (مسلم شریف ۲/۱۲۲) اس لیے ملی اور قومی درجہ کے فنڈ (مثلاً مساجد اور مدارس کے مالیہ) کو بلا استحقاق اپنے استعمال میں لانا سخت خطرہ کی چیز ہے جو لوگ ایسی ذمہ داریوں پر فائز ہیں ان کو بالخصوص مالی معاملات میں انتہائی احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے ورنہ آخرت کی جواب دہی سے وہ بچ نہیں سکیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی جواب دہی سے محفوظ رکھے، آمین۔

تکبر کرنے والوں کی ذلت ناک حالت

جو لوگ دنیا میں متکبر بن کر رہے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی ذلت اور بے وقعتی کا عالم یہ ہوگا کہ انہیں زمین پر رینگنے والی چیونٹیوں کی صورت میں میدانِ محشر میں لایا جائے گا کہ انہیں لوگ اپنے پیروں سے روندیں گے، ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

یَبْعَثُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اُنَاسًا فِی صُوْرَةِ الذَّرِّ یَطَؤُھُمُ النَّاسُ بِاَقْدَامِھِمْ فَیُقَالُ: مَا ھٰؤُلَاءِ فِی صُوَرِ الذَّرِّ فَیُقَالُ ھٰؤُلَاءِ الْمُتَکَبِّرُوْنَ فِی الدُّنْیَا۔ (رواہ ابن بزار الترغیب والترہیب ۴/۲۰۸)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو ذلیل چیونٹیوں کی شکل میں اُٹھائے گا، جن کو لوگ اپنے پیروں سے روند رہے ہوں گے، پس کہا جائے گا کہ یہ لوگ چیونٹیوں کی شکل میں کیوں ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ یہ دنیا میں غرور اور تکبر کرنے والے تھے۔

یعنی جو لوگ دنیا میں دوسروں کو حقیر سمجھ کر ان کے ساتھ ذلت انگیز برتاؤ کرتے تھے ایسے متکبرین کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی اوقات بتادے گا، اور سارے عالم کے پیروں تلے روند کر انہیں ذلیل فرمائے گا، اس لیے اپنے آپ کو عظیم ذلت سے بچانے کا راستہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی فکر کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو تواضع کی دولت سے نوازے اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

غداری اور بدعہدی کرنے والے کی رسوائی

غداری کرنا اور عہد توڑنا بھی اسلام میں بدترین گناہ ہے، ایسے غدار اور بدعہد

لوگوں کو میدانِ محشر میں سخت رسوائی کا سامنا ہوگا، بدعہد کی برسرِ عام رسوائی اور فضیحت کے لیے اس کے پیچھے ایک علامتی جھنڈا اس کی چھوٹی بڑی غداری کے بقدر لگا دیا جائے گا، جسے دیکھتے ہی لوگ پہچان لیں گے کہ یہ غدار ہے، ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ۔ (مسلم شریف ۲/۸۳، الغدکرۃ ۱۷۳۵)

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ہر غدار کے لیے (علامت کے طور پر) الگ جھنڈا لگا دیا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں شخص کی غداری (کی علامت) ہے۔

اس لیے غداری اور عہد شکنی سے بچنا بھی لازم ہے، یہ ایسا جرم ہے کہ آخرت میں تو اس کی سزا ہے ہی، دنیا میں غداروں کو ہمیشہ ذلت اور حقارت ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور صدیاں گزرنے کے باوجود بھی ان پر لعن طعن کا سلسلہ جاری رہتا ہے، غداری اور بدعہدی کسی کے ساتھ جائز نہیں حتیٰ کہ اگر غیر مسلم سے بھی کوئی معاہدہ کرلیا گیا ہے تو اس کی پاسداری بھی لازم ہوتی ہے۔

چھٹی فصل

میزانِ عمل

قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عظیم الشان عدل وانصاف کے مظاہرہ کے لیے مخلوقات کے اعمال تولنے کے لیے ''ترازو'' قائم فرمائے گا، ارشادِ خداوندی ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ (الانبیاء ۴۷)

اور وہاں قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے، سو کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو وہاں حاضر کردیں گے، اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۔

(الاعراف آیت: ۹)

اور اس روز وزن بھی واقع ہوگا، پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے، اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا سو وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کرلیا، بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

اس عظیم ترازو کے ایک پلہ میں دنیا جہاں کی وسعتیں سما جائیں گی اور سید الملائکہ حضرت جبرئیلؑ تولنے کے ذمے دار مقرر ہوں گے۔ (فتح الباری ۱۶/۶۵۹ قرطبی عن حذیفہ ۶/۲۰۱)

یہ بڑا نازک وقت ہوگا، جس کی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا وہ عظیم سرخروئی سے سرفراز ہوگا، اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا رہ جائے یعنی اس کی برائیاں غالب ہوں گی تو اس کی ذلت ونکبت نا قابلِ بیان ہوگی۔ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

يُوتٰى بِابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوقَفُ بَيْنَ كِفَّتَيِ الْمِيزَانِ وَيُوَكَّلُ بِهِ مَلَكٌ فَإِنْ ثَقُلَ مِيزَانُهُ يُنَادِي الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يُسْمِعُ الْخَلَائِقَ: سَعِدَ فُلَانٌ لَا يَشْقَى بَعْدَهَا أَبَدًا، وَإِنْ خَفَّ مِيزَانُهُ نَادَى الْمَلَكُ بِصَوْتٍ يُسْمِعُ الْخَلَائِقَ شَقِيَ فُلَانٌ شَقَاوَةً لَا يَسْعَدُ بَعْدَهَا أَبَدًا۔ (قرطبی ۲۰۱/۶، کنز العمال ۱۶۶/۱۴)

آدمی کو قیامت کے دن لا کر میزانِ عمل کے دونوں پلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، اور اس جگہ ایک فرشتہ مقرر ہوگا، پس اگر اس کا (نیکیوں کا) ترازو بھاری رہا تو وہ فرشتہ یہ اعلان کرے گا جسے ساری خلق خدا سن لے گی کہ ''فلاں سعادت یاب ہوگیا، اب وہ کبھی بدقسمت نہ ہوگا'' اور اگر (خدانہ کرے) ان کا (نیکیوں کا) ترازو ہلکا رہ گیا تو فرشتہ عام اعلان کریگا کہ ''فلاں شخص ایسی محرومی میں گرفتار ہوگیا، کہ اب کبھی بھی سعادت سے بہرہ ور نہ ہوسکے گا۔''

ترازو میں اعمال کیسے تولے جائیں گے؟

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اعمال تو کرتا ہے مگر وہ کرنے کے بعد بظاہر ختم ہوجاتے ہیں اور زبان سے نکلی ہوئی بات فضا میں تحلیل ہوجاتی ہے، پھر آخر ان کو تولا کیسے جائے گا؟ اس امکانی سوال کا جواب دیتے ہوئے، مشہور مفسر اور محدث جلیل حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں:

(۱) پہلا قول: یہ ہے کہ خود اعمال ہی کو تولا جائے گا، مگر انہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ حسب مناسبت جسمانی صورتوں میں تبدیل فرمادے گا، پھر انہی جسموں کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا، امام بغویؒ نے فرمایا کہ کچھ اسی طرح کی بات حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ نیز صحیح روایت میں وارد ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پرندوں کے ''بڑے جھنڈ'' کی شکل میں آئیں گی نیز ایک روایت میں ہے کہ قرآنِ کریم اپنے پڑھنے والے کے پاس ایک نہایت خوب رو جوان کی شکل

میں آتا ہے، جب پڑھنے والا پوچھتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں تیرا وہ قرآن ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن میں گرمی برداشت کرائی، اسی طرح حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے سوال سے متعلق حدیث میں وارد ہے کہ مومن کے پاس ایک خوبصورت نوجوان عطر بیزی کے ساتھ آئے گا وہ مومن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو کہے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں، جبکہ کافر اور منافق کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا (مذکورہ تین روایات قول اول کی تائید کرتی ہیں)۔

(۲) دوسرا قول: یہ ہے کہ اعمال نامے اور رجسٹر تولے جائیں گے، اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کے سامنے برائیوں کے ننانوے رجسٹر رکھے جائیں گے اور ہر رجسٹر تاحدِ نظر وسیع ہوگا، پھر ایک چھوٹی سی پرچی لائی جائے گی جس میں ''لا الٰہ الا اللہ'' لکھا ہوگا، وہ بندہ عرض کرے گا کہ اتنے عظیم رجسٹروں کے مقابلہ میں یہ پرچی بھلا کیسے نفع دے گی؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیرے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اس پرچی کو دوسرے پلہ میں رکھے جانے کا حکم ہوگا، اس کے رکھتے ہی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) تیسرا قول: یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ ''قیامت کے دن ایک بڑا بھاری موٹا تازہ آدمی لایا جائے گا مگر اللہ کے ترازو میں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔ (الکہف آیت: ۱۰۵)

تو قیامت کے روز ہم ان کے نیک اعمال کا ذرا بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

نیز ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قدر افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: ''کیا تمہیں ان کی دبلی

پنڈلیاں دیکھ کر تعجب ہوتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو پنڈلیاں میزانِ عمل میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری اور باوزن ہیں۔'' حافظ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان تینوں اقوال میں جمع کی شکل یہ ہے کہ ہر قول اپنی جگہ صحیح ہے، اور قیامت کے روز صورتِ حال الگ الگ ہوگی، کبھی اعمال بذاتِ خود تولے جائیں گے، کبھی صحیفے تولے جائیں گے اور کبھی کسی صاحب عمل کو ہی کو بذاتِ خود تولا جائے گا، حافظ ابنِ حجرؒ نے ان میں سے قولِ اول کو ترجیح دی ہے۔

(فتح الباری ۶/۶۵۹، تفسیر ابن کثیر مکمل ۵۱۵)

علاوہ ازیں اس دور میں ایسے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن سے اعراض کو بھی ناپ لیا جاتا ہے مثلاً تھرمامیٹر کے ذریعہ بخار کی مقدار جاننا یا بلڈ پریشر چیک کرنا وغیرہ، تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اعمال کے وزن کی بھی کوئی صورت نکالے یہ اس کی قدرت اور طاقت سے ہرگز مستبعد نہیں ہے۔

ترازو میں کن لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے؟

محققین علماء کے نزدیک قیامت کے دن لوگ اعمال کے اعتبار سے تین قسموں پر مشتمل ہوں گے، اول وہ لوگ جن کے نامہ اعمال میں سرے سے کسی برائی اور گناہ کا وجود ہی نہ ہوگا۔ ان کے پاس بس نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی۔ اس طرح کے افرادِ امتِ محمدیہ میں بڑی تعداد میں ہوں گے۔ ان کو حساب کتاب اور وزن اعمال کے بغیر سیدھے جنت میں جانے کا فیصلہ ہوگا۔ (ان ذکر آگے آئے گا انشاء اللہ)

دوسرے وہ کفار جن کے پاس کفر کے ساتھ کوئی اچھائی کسی طرح نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کو بلا وزن اعمال جہنم رسید کرنے کا حکم ہوگا۔

تیسرے وہ بے عمل مسلمان اور کفار ہوں گے جنہوں نے خلط ملط اعمال کیے ہوں گے یعنی انہوں نے کچھ نیکیاں بھی کی ہوں گی مگر وہ نیکیاں کفر کے مقابلہ میں بے حیثیت ہوں گی۔ البتہ کسی قدر عذاب کے درجات کم کرنے میں معاون بنیں گی۔ ایسے

لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے اور نیکیوں کا پلہ ہلکا اور بھاری ہونے کے اعتبار سے جنت یا جہنم کے درجات کا فیصلہ ہوگا۔ اور کچھ لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں دونوں بالکل برابر ہوں گی انہیں اعراف میں رکھ کر انتظار کرایا جائے گا بالآخر ایک عرصہ کے بعد ان کی سفارش قبول کر کے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ (مستفاد فتح الباری ۱۶/۶۵۸،۶۵۹)

نیکیوں کے وزن میں اضافہ کیسے؟

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکیوں کی قدر و قیمت اور وزن میں اضافہ خلوص قلب اور اخلاص کی کیفیت سے ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ حضور قلبی اور محض رضاء الٰہی کے جذبے سے عمل کیا جائے گا اسی اعتبار سے اس عمل کا وزن بڑھتا چلا جائے گا اور اس جذبہ میں جتنی کمی ہوگی ویسے ہی آخرت میں وزن کے اندر بھی کمی ہو جائے گی، اگر خلوص سے عمل کیا جائے تو وزن میں ترقی کا عالم یہ ہے کہ جناب رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۸) اور کلمہ الحمد للہ (قیامت کے روز اتنے بڑے جسم میں آئے گا کہ اکیلے) ہی میزان عمل کو بھر دے گا، نیز ابھی حدیث گزر چکی ہے کہ کلمۂ لاالٰہ الا اللہ کی پرچی رکھتے ہی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا۔ یہ وہ ذکرِ خداوندی ہے جو اس نے کبھی زندگی میں کامل اخلاص سے مخلوق سے بے غرض ہو کر کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے اخلاص کی بدولت اس کو نہایت وزنی بنا دے گا۔ (التذکرہ ۳۶۸)

نیز ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک مؤمن کے اعمال تولے جاتے وقت جب اس کی نیکیوں میں کچھ کسر رہ جائے گی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرچی نیکیوں کے پلہ میں ڈالیں گے جس میں اس کا زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا ذکر ہوگا، اس کے رکھتے ہی نیکیوں کا پلہ جھک جائے گا۔ (التذکرہ ۳۶۱)

الغرض نیکیوں میں وزن اخلاص سے آتا ہے، اگر اخلاص ہو تو دیکھنے میں چھوٹے سے چھوٹا عمل آخرت میں بڑا بھاری ہو جائے گا اور اگر اخلاص نہ ہو تو دیکھنے میں بہت بڑے نظر آنے والے اعمال آخرت میں قطعاً بے وزن اور بے حیثیت ہو جائیں گے۔

حضراتِ صحابہؓ کے اعمال سب سے زیادہ وزنی ہونے کا سبب؟

حضرات صحابہؓ کے ساری امت سے افضل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرفیض صحبت کی وجہ سے ان کو ایسا کامل جذبۂ اخلاص نصیب ہوا تھا جس کی نظیر بعد میں نہیں پائی جاتی، اسی اخلاص نے ان کے اعمال کو حد درجہ وزنی بنادیا کہ بعد میں آنے والا کوئی امتی اپنے بڑے سے بڑے عمل کے ذریعے بھی ان کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِي فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ

(مسلم شریف ۳۱۰/۲ بخاری شریف ۵۱۸/۱ ترمذی شریف ۲۲۵/۲)

میرے صحابہ کو بُرا بھلا مت کہو، میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، اس لئے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی صدقہ کردے پھر بھی میرے صحابہ کے ایک مد بلکہ آدھے مد غلہ (صدقہ کرنے) کے ثواب کو بھی نہ پہنچ پائے گا۔

اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اعمال صالحہ میں زیادہ سے زیادہ وزن پیدا ہو اور ہمارے درجات میں اضافہ ہو تو ہمیں ہر مرحلہ پر اخلاص کو پیش نظر رکھنا ہوگا، اور محض رضائے خداوندی کو مقصود بنا کر عبادات انجام دینی ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فکر عطا فرمائے۔ اور ریاء وغیرہ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

بعض وزنی اعمال کا ذکر

اوپر ذکر کیا گیا کہ ہر عمل میں وزن اخلاص سے آئے گا خواہ کوئی بھی عمل ہو، تاہم

احادیث طیبہ میں بعض اعمال واذکار کو خاص طور پر وزنی بتایا گیا ہے۔

مثلاً ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلَ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ۔ (ترمذی شریف ۲۰/۲)

میزان عمل میں رکھی جانے والی کوئی چیز حسن اخلاق سے بھاری نہیں ہے حسن اخلاق سے متصف شخص اپنی اس صفت کی بدولت (نفل) روزے اور نماز پڑھنے والے کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے۔

واقعی حسن اخلاق ایسی صفت ہے جو انسان کو دنیا میں بھی عزت دیتی ہے اور آخرت میں بھی اسے عظیم الشان عزت سے سرفراز کرے گی، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے ارشاد فرمایا ہے: کہ "خوش اخلاقی سے متصف شخص کے متعلق میرا فیصلہ اٹل ہے کہ میں اسے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دوں گا اور اپنے حظیرۃ القدس سے سیراب کروں گا اور اپنے قرب سے نوازوں گا۔" (المتجر الرابح فی ثواب العمل الصالح عن الطبرانی ۳۷۰)

اسی طرح تسبیح وتحمید کے کلمات اللہ کے نزدیک انتہائی باوزن ہیں بخاری شریف کی آخری حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ (بخاری شریف ۱۱۲۹/۲)

دو بول، رحمان کو بہت پسند ہیں، زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں میزان عمل میں بھاری ہیں (وہ کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔

نیز ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کے پلڑے کو وزنی بنانے میں یہ بات بھی کام آئے گی کہ کسی شخص پر کسی نے کوئی بہتان لگایا ہوگا اور وہ اس سے بری ہوگا تو اس بہتان کی وجہ سے اسے جو قلبی تکلیف پہنچے گی یہی تکلیف اس کو قابل رحم بنادے گی، ایک

روایت میں ہے:

يُجَاءُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتُوضَعُ حَسَنَاتُهُ فِي كِفَّةٍ وَسَيِّئَاتُهُ فِي كِفَّةٍ فَتَرْجَحُ السَّيِّئَاتُ فَتَجِيئُ بِطَاقَةٌ فَتَقَعُ فِي كِفَّةِ الْحَسَنَاتِ فَتَرْجَحُ بِهَا، فَيَقُولُ: رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ؟ فَمَا مِنْ عَمَلٍ عَمِلْتُهُ فِي لَيْلِي أَوْ نَهَارِي اِلَّا وَقَدْ اِسْتَقْبَلْتُ بِهِ قَالَ: هٰذَا مَاقِيْلَ فِيكَ وَأَنْتَ مِنْهُ بَرِيءٌ فَيَنْجُو مِنْ ذٰلِكَ۔

ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائے گا، پھر اس کی نیکیاں ایک پلہ میں اور برائیاں دوسرے پلہ میں رکھ دی جائیں گی، پس برائیوں کا پلہ جھک جائے گا، پھر ایک پرچی آئے گی جو نیکیوں کے پلہ میں رکھی جائے گی جس کی وجہ سے وہ پلہ جھک جائے گا۔ تو وہ آدمی (حیرت سے) پوچھے گا، کہ یہ پرچی کیسی ہے؟ اس لئے کہ میں نے زندگی میں رات دن میں جو اعمال کئے تھے وہ سب میرے سامنے آچکے، تو کہا جائے گا کہ یہ پرچی اس (بہتان) کے بارے میں ہے جو تجھ پر لگایا تھا جبکہ تو اس سے بری تھا، چنانچہ اس کے ذریعہ وہ نجات پا جائے گا۔

غور فرمایئے جب ایک مبرا شخص پر بہتان باندھنا ایسی چیز ہے جس سے وہ مبرا آدمی اللہ کی نظر میں قابل رحم بن جاتا ہے تو اس سے اندازہ لگایئے کہ خود بہتان لگانے والے کے لئے یہ برائی کتنی وزنی ہوگی؟ جو اسے اللہ کی رحمت سے دور کر دے گی، اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

(نوادر الاصول للحکیم الترمذی ۱/۱۲۰، کنز العمال ۱۴/۱۶۵)

اَلْبُهْتَانُ عَلَى الْبَرِيِّ أَثْقَلُ مِنَ السَّمٰوَاتِ۔ (نوادر الاصول ۱/۱۲۰)

ایک بری شخص پر بہتان باندھنا سب آسمانوں سے زیادہ وزنی (برائی) ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو بہتان طرازیوں سے پوری طرح محفوظ رکھے، (آمین)

ساتویں فصل:

رحمت خداوندی کا زبردست مظاہرہ

یہ اگرچہ حق ہے کہ اللہ تعالیٰ میدان محشر میں انصاف کی ترازو قائم فرمائے گا تاکہ ہر ایک کے سامنے اس کا عمل اور اس کی حیثیت آجائے، تاہم اس دن ارحم الراحمین اپنے بندوں کے ساتھ انتہائی رحم وکرم، عفو ودرگزر اور رحمت کا معاملہ بھی فرمائے گا، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ فَمِنْهَا رَحْمَةٌ بِهَا يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ بَيْنَهُمْ وَتِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (مسلم شریف ۲/۳۵۶)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سو جزو ہیں جن میں سے صرف ایک جزو رحمت کا اثر ہے کہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے پر مہربانی کرتی ہے اور اس رحمت کے ۹۹ اجزاء قیامت کے دن (مغفرت کے لئے) مخصوص ہیں۔

چنانچہ میدان محشر میں ارحم الراحمین کی طرف سے جس رحمت کا مظاہرہ ہوگا وہ ناقابل تصور ہے، اس کی ایک جھلک اس روایت میں بیان فرمائی گئی، آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

رَجُلٌ يُؤْتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ اِعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا، وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا هٰهُنَا۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۶)

قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا اور (فرشتوں کو) حکم ہوگا کہ ابھی صرف اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائیں اور بڑے روک کر رکھے جائیں، چنانچہ اس کے چھوٹے

گناہوں کی پیشی ہوگی، اوراس سے پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں دن یہ کیا؟ تم نے فلاں فلاں دن یہ کیا؟ تو وہ اثبات میں جواب دے گا، انکار نہ کرسکے گا، اور (دل دل میں) بڑے گناہوں کی پیشی سے ڈر رہا ہوگا، تو اس سے کہا جائے گا کہ (جا) تجھے ہر برائی کے بدلے میں نیکی عطا کی جاتی ہے تو وہ فوراً (یا تو ڈرا جا رہا تھا یا) یہ بولے گا کہ اے میرے رب کچھ اور اعمال بھی تو میں نے کئے تھے وہ یہاں مجھے دکھائی نہیں دیئے، (مقصود یہ ہوگا کہ وہ بھی سامنے آئیں تاکہ ان کے بدلے میں بھی نیکیاں ملیں)

راوی کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ یہ حدیث ارشاد فرمارہے تھے تو چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی حتی کہ آپ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہوگئے تھے بہرحال اس دن بہانہ بہانہ سے اہل ایمان کی مغفرت اور رفع درجات کے فیصلے ہوں گے، ارحم الراحمین کی جانب سے بھرپور رحمت کا ظہور ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت تامہ کا مستحق بنائے۔ آمین۔

عرش کے سایہ میں

میدان محشر میں نہ کوئی عمارت ہوگی، نہ درخت ہوگا، نہ کسی کا ٹینٹ ہوگا، نہ کسی طرح کا سائبان ہوگا بلکہ سب ایک چٹیل میدان میں اس طرح جمع ہوں گے کہ ہر شخص ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہوگا اور ایک دوسرے کی آواز سن رہا ہوگا اس دن اگر سایہ ہوگا تو صرف عرش خداوندی کا سایہ ہوگا اور جو خوش نصیب، عرش کے سایہ میں پہنچ جائے گا اس کو پھر کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی، گویا کہ یہ عرش کا سایہ اللہ کی طرف سے اپنے مخصوص اور مقرب بندوں کے لئے خصوصی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوگا۔

متعدد احادیث میں ان خوش نصیب افراد کی فہرست بیان ہوئی ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اپنے عرش کے نیچے اعزاز کے ساتھ بٹھانے کا اعلان فرمایا ہے، مسلم شریف میں روایت ہے کہ:

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ مِنْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ (۱) اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ

(۲) وَشَابٌ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللّٰهِ (۳) وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ (٤) وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ (٥) وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّي اَخَافُ اللّٰه (٦) وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِيْنُه مَاتُنْفِقُ شِمَالُهٗ (٧) وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔ (مسلم شریف ۱/۳۳۱)

سات آدمیوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ اس دن اپنے (عرش) کے سایہ میں رکھے گا جب اس کے سایہ کے علاوہ کسی کا سایہ نہ ہوگا، (۱) عادل بادشاہ (۲) وہ جوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھے (۳) وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے (۴) وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے صرف اللہ واسطے کا تعلق رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر الگ ہوں (۵) اور وہ آدمی جسے کوئی باوجاہت خوبصورت عورت (بدکاری کی) دعوت دے تو وہ جواب میں کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) اور وہ شخص جو اتنے خفیہ طریقہ پر صدقہ خیرات کرے کہ اس کے دائیں ہاتھ کو بھی یہ پتہ نہ چلے کہ بائیں نے کیا خرچ کیا (۷) اور وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

مگر یہ تخصیص سات ہی طرح کے حضرات کے ساتھ نہیں بلکہ دیگر بعض احادیث میں اور اعمال پر بھی اسی اعزاز کا اعلان کیا گیا ہے، مسلم شریف میں ہے: مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ۔ (مسلم شریف ۲/۴۱۶، فتح الباری ۳/۱۸۳) جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا جب کہ اس کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا علاوہ ازیں حافظ ابن حجرؒ نے ان صفات کی فہرست میں ایک مستقل رسالہ "مَعْرِفَةُ الْخِصَالِ الْمُوْصِلَةِ اِلَى الظِّلَالِ" کے نام سے لکھا ہے جس میں درج بالا صفات کے ساتھ، درج ذیل اعمال کو بھی شامل فرمایا ہے:

(۱) مجاہد فی سبیل اللہ کی مدد کرنا (۲) قرض دار کے قرضہ کی ادائیگی کرنا (۳) مکاتب (غلام کی آزادی) میں مدد کرنا (۴) لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا

(۵) بار بار غم سے سابقہ پڑنا (۶) امانت ودیانت کے ساتھ تجارت کرنا (۷) مسجد کی طرف چل کر جانا (۸) ناگواری طبع کے باوجود کامل وضو کرنا (۹) بچا ہوا کھانا محتاجوں کو کھلانے کا معمول بنالینا (۱۰) اپنا حق فتنہ کے ڈر سے چھوڑ دینا (۱۱) کسی ضرورت مند کی کفالت کرنا۔

(فتح الباری ۲/۱۸۳)

اس موضوع پر علامہ سخاویؒ اور علامہ سیوطیؒ نے بھی باقاعدہ رسائل لکھے ہیں اور ایسی صفات کی تعداد ۹۰ تک پہنچادی ہے لیکن وہ روایتیں اکثر ضعیف ہیں۔

(فیض القدیر ۴/۱۱۴ تا ۱۱۷)

بہر حال دنیا ہی میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ایسے اعمال اختیار کریں کہ ہمیں میدانِ محشر میں اعزاز واکرام کیساتھ عرشِ خداوندی کا متبرک سایہ باعافیت نصیب ہوجائے ہمارے آقا جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہم پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے ہمیں ان اسباب کی خبر عطا فرمادی ہے، ان تمام تفصیلات کے آنے کے باوجود اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو اس سے بڑا محروم اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔

ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا

حضرت سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ان کے چہرے سے حزن وملال کے آثار نمایاں تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا، کیا بات ہے تم کچھ غمگین نظر آرہے ہو؟ تو ان صحابی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک بات سوچ کر مجھے غم ہورہا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا بات ہے تو عرض کیا کہ بات یہ ہے کہ آج تو ہم الحمد للہ صبح شام آپ کی زیارت اور مجلس میں حاضری سے مستفید ہوتے ہیں لیکن کل آخرت میں آپ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اونچے درجے پر ہوں گے، (ہماری وہاں تک کہاں رسائی ہوگی؟) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا اس پر حضرت جبرئیلؑ یہ آیت لے کر تشریف لائے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (سورۃ النساء)

اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ نبی اور صدیق اور شہداء اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ صحابی کو بلایا اور اس آیت کی خوشخبری سے آگاہ فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر کامل/ ۳۴۱)

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نماز پڑھا کر حجرۂ مبارکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، ایک دیہاتی شخص آیا اور سوال کرنے لگا "یارسول اللّٰہ متی الساعۃ؟" (اے اللہ کے رسول قیامت کب آئے گی؟) حضور اقدس نے فرمایا: "ویحك ما اعددت لھا" (ارے تو نے قیامت کی تیاری کیا کر رکھی ہے؟) تو اس نے عرض کیا کہ اے حضرت! میرے پاس زیادہ روزے نماز کا ذخیرہ تو ہے نہیں، بس اتنا ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اس کا جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ سچی محبت رکھتا ہے) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد ہمیں اس عظیم مسرت آمیز اعلان سے زیادہ کسی چیز سے خوشی نہیں ہوئی۔ (ابن کثیر/۳۴۲)

اسی طرح بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ "جو تاجر صدق و امانت کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو اس کا حشر قیامت کے دن حضراتِ انبیاء، حضراتِ صدیقین، شہداء اور صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا۔"

اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر بدعملوں سے محبت ہے تو حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا، اس لیے ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم کسے محبوب بنا رہے ہیں؟ اور صرف ایسے ہی شخص سے محبت کرنی چاہیے جس کی محبت ہمارے لیے آخرت میں نفع بخش ہوسکے۔

حافظ قرآن کا اعزاز

میدانِ محشر میں قرآن کریم حفظ کرنے والے کو انتہائی عزت سے نوازا جائے گا، خود قرآنِ کریم اس کی سفارش کرے گا، اور اس کو کرامت کا تاج اور عزت کا جوڑا پہنایا جائے گا۔ ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَجِيءُ الْقُرآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ رَبِّ حُلَّهُ فَيَلْبَسُهُ تَاجَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ زِدْهُ فَيَلْبَسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ ارْضَ عَنْهُ فَيَرْضٰى عَنْهُ فَيُقَالُ لَهُ اِقْرَأْ وَارْقَا وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً۔ (ترمذی شریف ۲/۱۱۹)

قیامت کے روز قرآنِ کریم (اللہ تعالیٰ کے دربار میں) آکر عرض کرے گا، کہ اے میرے رب! اس (صاحب قرآن) کو جوڑا پہنائیے۔ چنانچہ اسے کرامت کا تاج پہنایا جائے گا، پھر قرآن کریم سفارش کرے گا کہ اس کے اعزاز میں اور اضافہ فرمایئے چنانچہ اس کو عزت کا جوڑا پہنا دیا جائے گا، پھر قرآن کریم کہے گا کہ اے رب! اس سے راضی ہو جایئے چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رضا سے نواز دے گا، پھر اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (جنت میں) چڑھتا جا، اور ہر آیت کے عوض ایک نیکی میں اضافہ کیا جاتا رہے گا۔

یہ اس شخص کا اعزاز ہے جس کی آج عام دنیاداروں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں، بلکہ اگر کوئی اس لائن میں لگتا بھی ہے تو اسے قریبی رشتہ داروں سے اور دوست واحباب سے طعنے سننے کو ملتے ہیں۔ میدانِ محشر میں جب اس شخص کو "عالمی اعزاز" سے نوازا جائے گا تب ان دنیاداروں کو اپنی محرومی کا احساس ہوگا، اور گزری ہوئی زندگی پر حسرت وافسوس ہوگا، مگر اس وقت کوئی حسرت کام نہ آسکے گی۔

حافظ قرآن کے والدین کا اعزاز

قرآنِ کریم کے اعزاز کے ذریعہ سے نہ صرف یہ کہ حافظ کو عزت ملے گی بلکہ محشر

کے بین الاقوامی اجتماع میں حافظ قرآن کے والدین کو بھی شاندار اعزاز سے نوازا جائے گا،
اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ (مشکوٰۃ شریف/۱۸۶)

جو شخص قرآن کریم پڑھ کر اس پر عمل کرے تو اس کے والدین کو قیامت کے دن ایسا (شاندار) تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اس سورج کی روشنی سے کہیں عمدہ ہوگی جو دنیا کے گھروں میں نکلا ہوا ہو۔ اگر تمہارے گھروں میں ہو (یعنی) جب اتنی دور سے سورج پوری دنیا کو منور کرتا ہے تو قریب کرنے پر اس کی روشنی کا کیا حال ہوگا؟ پس (جب والدین کا یہ حال ہے) تو تمہارا قرآن کریم پر خود عمل کرنے والے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ (یعنی اسی سے اندازہ کرلو)

آج کے مادیت پرست ماحول میں اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے لختِ جگر کو حفظ قرآن کریم کی تعلیم دلاتا ہے تو اسے طرح طرح کے ناگوار تبصروں سے سابقہ پڑتا ہے، ان سب باتوں کو برداشت کرنے اور اپنی اولاد کی بہترین دینی تربیت دینے کے صلہ میں والدین کو تمام اولین و آخرین کے سامنے وہ عزت ملے گی جس کا تصور دنیا میں کیا ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس حدیث میں ایسے والدین کے لیے انتہائی عظیم خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس عظیم خوشخبری کا مستحق بنائے۔ آمین۔

محشر میں نور کے منبر

میدانِ محشر میں ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ جابجا نور کے روشن اور منور منبر قائم کردیئے جائیں گے، جن پر وہ لوگ تشریف فرما ہوں گے جو آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ واسطے کا تعلق رکھتے ہوں گے، جن کی حالت انبیاء اور شہداء کے لیے بھی قابلِ رشک ہوگی۔ ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَغْبِطُھُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّھَدَاءُ۔

(مشکوۃ شریف/۴۲۶)

میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں تعلق ومحبت رکھنے والوں کے لیے قیامت میں نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاءؑ اور شہداء بھی رشک کریں گے (یعنی ان کی تعریف کریں گے)

چار (۴) عمومی سوال

میدان محشر میں سب سے ۴ باتوں کی تحقیق کی جائے گی، جس شخص نے ان چار سوالات کا جواب اپنی عملی زندگی میں صحیح دیا ہوگا وہ کامیاب ہوگا اور جس نے کوتاہی اور غفلت میں زندگی گزاری ہوگی وہ نقصان اور خسارہ میں رہے گا، وہ سوالات کیا ہیں ان کے بارے میں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لَنْ تَزُوْلَ قَدَمَا عَبْدٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یُسْئَلَ عَنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ، عَنْ عُمْرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَا وَفِیْمَا اَنْفَقَہُ وَعَنْ عِلْمِہٖ مَاذَا عَمِلَ فِیْہِ۔ (الترغیب و الترھیب ۴/۲۱۴)

کسی شخص کے قدم قیامت کے دن اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک کہ چار باتوں کی اس سے پوچھ گچھ نہ ہو جائے (۱) عمر کہاں لگائی؟ (۲) جوانی کہاں گنوائی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ (۴) اور علم پر کہاں تک عمل کیا؟

اس لیے عقل مندی کا تقاضا ہے کہ ہم دنیا ہی میں ان سوالوں کا بہتر جواب دینے کی تیاری کریں تاکہ ہم آخرت کے امتحان میں سرخ رو ہوسکیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے، آمین۔

باب ہفتم

آخری ٹھکانہ کی طرف

☆ جہنم! میدان محشر میں

☆ نور کی تقسیم

☆ جنت کی طرف روانگی

☆ جنت کی نعمتیں

☆ جہنم کی ہولناکیاں

☆ مؤمنین کی جہنم سے نجات

پہلی فصل

میدانِ محشر میں "جہنم" کو لائے جانے کا منظر

قیامت کے دن نہایت عظیم وسعت اور عذاب والی "جہنم" کو کھینچ کر لایا جائے گا، اس کی کیفیت کتنی دہشت ناک ہوگی اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُؤْتَى بِالنَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا سَبْعُوْنَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا۔ (مسلم شریف ۳۸۱/۲، الترغیب والترھیب ۲۴۹/۴)

قیامت کے روز جہنم کو اس حال میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔

اللہ اکبر! اس منظر کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب اور جہنم سے پوری طرح محفوظ رکھے، آمین۔

مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے ساتھ جہنم میں

حساب کتاب وغیرہ کی کاروائی مکمل ہوجانے کے بعد ہر فرد اور جماعت کو اس کے اصل ٹھکانے تک پہنچانے کا عمل شروع ہوگا، سب سے پہلے مشرکین سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اپنے معبودانِ باطلہ کے پیچھے لگ لیں، اور پھر انہیں ان کے بتوں، پتھروں اور صلیبوں سمیت جہنم میں دھکیل دیا جائے گا، ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ، أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ، لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا، وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (الانبیاء ۹۸، ۹۹)

اور تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوائے، ایندھن ہے دوزخ کا، تم کو اس پر پہنچنا ہے، اگر ہوتے یہ بت معبود تو نہ پہنچتے اس پر، اور سارے اس میں سدا پڑے رہیں

گے۔

اور ایک طویل حدیث وارد ہے:

یُنَادِیْ مُنَادٍ لِیَذْهَبْ كُلُّ قَوْمٍ اِلٰی مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ فَیَذْهَبُ اَصْحَابُ الصَّلِیْبِ مَعَ صَلِیْبِهِمْ وَاَصْحَابُ الْاَوْثَانِ مَعَ اَوْثَانِهِمْ وَاَصْحَابُ كُلِّ اِلٰهَةٍ مَعَ اٰلِهَتِهِمْ حَتّٰی یَبْقٰی مَنْ كَانَ یَعْبُدُاللّٰهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَغُبَّرَاتٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ۔

(بخاری شریف ۱۱۰۷/۲ رقم: ۷۴۳۹)

منادی اعلان کرے گا ہر جماعت اپنے اپنے معبودوں کے پیچھے لگ لے، چنانچہ صلیب کو پوجنے والے اپنی صلیب کے ساتھ، اور بتوں کی پوجا کرنے والے اپنے اپنے بتوں کیساتھ، اور ہر معبود (باطل) کے پجاری اپنے معبودوں کیساتھ ہوجائیں گے، تا آنکہ صرف وہ لوگ باقی بچیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مدعی ہیں، خواہ نیک ہوں یا بد، اور کچھ اہل کتاب باقی رہ جائیں گے۔

یہود ونصاریٰ کا انجام

اس کے بعد یہود ونصاریٰ سے بلا کر پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تمہارا معبود کون ہے؟ اس وقت یہودی حضرت عزیر علیہ السلام اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرمائے گا اور انہیں بھی جہنم کی طرف روانہ کردیا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل اس طرح بیان فرمائی ہے:

ثُمَّ یُؤْتٰی بِجَهَنَّمَ تُعْرَضُ كَاَنَّهَا سَرَابٌ فَیُقَالُ لِلْیَهُوْدِ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ قَالُوْا: كُنَّا نَعْبُدُ عُزَیْرَا ابْنَ اللّٰهِ فَیُقَا كَذَبْتُمْ لَمْ یَكُنْ لِلّٰهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ فَمَا تُرِیْدُوْنَ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ تَسْقِیَنَا فَیُقَالُ اِشْرَبُوْا فَیَتَسَاقَطُوْنَ فِیْ جَهَنَّمَ ثُمَّ یُقَالُ لِلنَّصَارٰی مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِیْحَ ابْنَ اللّٰهِ فَیُقَالُ: كَذَبْتُمْ لَمْ یَكُنْ لِلّٰهِ صَاحِبَةٌ وَلَا وَلَدٌ، فَمَا تُرِیْدُوْنَ فَیَقُوْلُوْنَ: نُرِیْدُ اَنْ تَسْقِیَنَا فَیُقَالُ اِشْرَبُوْا فَیَتَسَاقَطُوْنَ۔

(بخاری شریف ۱۱۰۷/۲ رقم: ۷۴۳۹، مسلم شریف ۱۰۲/۱)

پھر جہنم لائی جائے گی جو دور سے سراب (چمکتا ہوا ریت جو دور سے پانی معلوم ہوتا ہے) محسوس ہوگی، پھر یہودیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم اللہ کے بیٹے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے تھے تو کہا جائے گا کہ تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد، اب تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں پانی پلائیں، تو کہا جائے گا (سراب کی طرف اشارہ کرکے) کہ جاؤ پی لو، پس وہ (وہاں جاکر) جہنم میں گر پڑیں گے۔ اس کے بعد نصاریٰ سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کو پوجتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کے بیٹے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو، تو جواب ملے گا کہ تم جھوٹ بکتے ہو، اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ بیٹا، اب بتاؤ تمہاری کیا چاہت ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں پانی پلائیں تو انہیں بھی (جہنم کے سراب کی طرف اشارہ کرکے) کہا جائے گا کہ جاؤ پی لو، چنانچہ وہ بھی وہاں جاکر سب کے سب جہنم میں گر پڑیں گے۔

معلوم ہوا کہ تمام مشرکین اور شرک کرنے والے تمام یہود و نصاریٰ سب کے سب جہنم کا ایندھن بنا دیئے جائیں گے، اعاذنا اللہ منہ۔

اہلِ ایمان اور منافقین میں امتیاز اور ساق کی تجلی

مشرکین اور اہل کتاب کے جہنم رسید ہو جانے کے بعد میدان محشر میں صرف سچے مؤمن اور منافق باقی رہ جائیں گے، تو ان سے پوچھا جائے گا کہ سب لوگ تو جا چکے ہیں تم لوگ یہاں کیوں رکے ہوئے ہو؟ یہ حضرات جواب دیں گے کہ ہم نے تو دنیا میں بھی اور لوگوں سے الگ راہ اپنائی تھی جبکہ ہم (کسی درجہ میں) ان کے تعاون کے محتاج بھی تھے، لہٰذا اب بھلا ہم ان کے ساتھ کیسے ہو سکتے ہیں ہم نے تو یہ اعلان سنا ہے کہ ہر شخص اپنے معبود کے پیچھے رہے اس لیے ہم اپنے پروردگار کا انتظار کر رہے ہیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو تجلیوں کا ظہور ہوگا، پہلی تجلی کی شان ایسی ہوگی جو مومن کے ذہن و دماغ میں راسخ اللہ تعالیٰ کی صورت سے مطابقت نہ رکھے گی اور اس تجلی کا نہ پہچاننا ہی مقصود و حق ہوگا اس لیے

اہلِ ایمان اسے پہچاننے سے انکار کردیں گے، اس کے بعد "تجلّیٔ ساق" ہوگی اس کے ظاہر ہوتے ہی ہر سچا مومن بے اختیار بارگاہ حق میں سجدہ ریز ہوجائے گا، جبکہ منافقوں کی کمر تختہ ہوجائے گی اور وہ سجدہ کرنے کے بجائے گدی کے بل گر پڑیں گے، مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ اِلَّا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ تَعَالٰی مِنْ بَرٍّ وَلَا فَاجِرٍ اَتَاھُمْ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی فِیْ اَدْنٰی صُوْرَۃٍ مِنَ الَّتِیْ رَأَوْہُ فِیْھَا قَالَ فَمَا تَنْتَظِرُوْنَ؟ تَتْبَعُ کُلُّ اُمَّۃٍ مَا کَانَتْ تَعْبُدُ قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِي الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا کُنَّا اِلَیْھِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْھُمْ فَیَقُوْلُ: اَنَا رَبُّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ لَا نُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلَاثًا حَتّٰی اَنَّ بَعْضَھُمْ لَیَکَادُ اَنْ یَنْقَلِبَ فَیَقُوْلُ: ھَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ اٰیَۃٌ فَتَعْرِفُوْنَہٗ بِھَا؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَم۔ فَیُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ لِلّٰہِ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِہٖ اِلَّا اَذِنَ اللّٰہُ لَہٗ بِالسُّجُوْدِ وَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ اِتِّقَاءً وَرِیَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ ظَھْرَہٗ طَبَقَۃً وَاحِدَۃً کُلَّمَا اَرَادَ اَنْ یَسْجُدَ خَرَّ عَلٰی قَفَاہُ ثُمَّ یَرْفَعُوْنَ رُءُوْسَھُمْ وَقَدْ تَحَوَّلَ فِیْ صُوْرَتِہِ الَّتِیْ رَأَوْہُ فِیْھَا اَوَّلَ مَرَّۃٍ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا الخ۔

(مسلم شریف ۱/۱۰۲ ا رقم: ۱۸۳)

یہاں تک کہ جب صرف نیک و بد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہی میدان محشر میں باقی رہ جائیں گے (جن میں منافق بھی ہوں گے) تو اللہ رب العالمین ان کے سامنے ایک معمولی تجلی کی صورت میں تشریف فرما ہوگا اور پوچھے گا کہ تم لوگ کس کے منتظر ہو؟ ہر قوم تو اپنے معبود کے ساتھ جا چکی، تو یہ لوگ عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے دنیا میں لوگوں سے جدائی اختیار کی جبکہ ہم آج سے زیادہ ان کے محتاج تھے اور ہم ان کے ساتھ نہیں رہے (تو اب ہم ان کے ساتھ کیسے ہوسکتے ہیں) تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں مومنین (جو تجلی ساق کے دھیان میں ہوں گے اس معمولی تجلی کو حسب تقدیر خداوندی حقیقی نہ سمجھ رہے ہوں گے) یہ کہیں گے کہ ہم اللہ سے پناہ چاہتے

ہیں! ہم قطعاً اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے (یہی جملہ دو تین مرتبہ دہرائیں گے) حتیٰ کہ ان میں سے بعض (منافق) دھوکے میں پڑنے کے قریب ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان کوئی نشانی مقرر ہے جس سے تم اسے پہچان لوگے؟ تو مومنین عرض کریں گے کہ جی نشانی ضرور ہے اس کے بعد ساق (نور عظیم) کی تجلی ہوگی جسے دیکھتے ہی تمام مخلص سجدہ کرنے والے اللہ کی اجازت سے سجدہ ریز ہو جائیں گے...... اور جو لوگ محض دکھاوے اور مشکلات سے بچنے کے لیے سجدہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سب کی کمر کو ایک تختہ بنا دے گا! جب بھی ان میں سے کوئی سجدہ کا ارادہ کرے گا تو گدی کے بل گر پڑے گا، پھر اہل ایمان سجدے سے سر اُٹھائیں گے، تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسی تجلی میں رونق افروز ہے جو تجلی ساق سے پہلے تھی، اب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہارا رب ہوں تو وہ سب بول اُٹھیں گے کہ جی ہاں! آپ ہمارے ربّ ہیں (یعنی سب اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر پہچان لیں گے)

اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ تجلیٔ ساق کے بعد جب مومنین سجدہ سے سر اٹھائیں گے تو اس وقت انہیں اللہ رب العزت اپنی رویت مبارکہ سے مشرف فرمائے گا، اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے اسی طرح بغیر تکلیف کے رؤیت کی سعادت حاصل کرے گا جیسے لوگ ہر جگہ سے برابر سورج اور چاند کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور جو منافق سجدہ سے محروم ہوں گے وہ اپنے کفر و نفاق کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی زیارت سے بھی محروم ہوں گے، قرآن کریم میں ارشاد ہے كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ (التطفیف ۱۵) (کوئی نہیں وہ اپنے رب سے اس دن روک دیئے جائیں گے) (فتح الباری ۱۶/۵۵۰ فتح الملہم وغیرہ) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رؤیت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

دوسری فصل

میدانِ محشر کی اندھیریوں میں نور کی تقسیم

اہلِ ایمان اور منافقین میں امتیاز اور آخری امتحان کے بعد پورے میدان میں سخت اندھیرا طاری کر دیا جائے گا، پھر اہلِ ایمان کو ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے نور عطا کیا جائے گا، اسی نور اور روشنی کے ذریعہ وہ اگلے اہم ترین مرحلہ یعنی "پل صراط" کو طے کریں گے اور بالآخر جنت میں پہنچیں گے، منافقین کو یا تو بالکل نور سے محروم رکھا جائے گا، یا معمولی نور دے کر عین ضرورت کے وقت ان سے نور چھین لیا جائے گا اور وہ حسرت سے اندھیرے میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے، قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُورُهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ، بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا، ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ، قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا، فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ لَهُ بَابٌ، بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ، يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ، قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ۔ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا، مَأْوٰىكُمُ النَّارُ، هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۔ (الحدید ۱۲-۱۵)

جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو کہ دوڑتی ہوئی چلتی ہے ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے داہنے، خوش خبری ہے تم کو آج کے دن باغ ہیں نیچے بہتی ہیں جنکے نہریں، سدا رہو ان میں، یہ جو ہے یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

جس دن کہیں گے دغاباز مرد اور عورتیں ایمان والوں کو راہ دیکھو ہماری ہم بھی روشنی لیں تمہارے نور سے، کوئی کہے گا لوٹ جاؤ پیچھے، پھر ڈھونڈ لو روشنی، پھر کھڑی کر دی

جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار، جس میں ہوگا دروازہ، اس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب۔ یہ ان کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ؟ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن تم۔ نے بچلا دیا اپنے آپ کو اور راہ دیکھتے رہے، اور دھوکہ میں پڑے اور بہک گئے اپنے خیالوں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے اس دغاباز نے، سو آج تم سے قبول نہ ہوگا فدیہ دینا، اور نہ منکروں سے، تم سب کا گھر دوزخ ہے، اور وہی ہے رفیق تمہاری، اور بری جگہ جا پہنچے۔

نور میں زیادتی کے اسباب

احادیثِ طیبہ میں ان مبارک اعمال کی ترغیب دی گئی ہے جو میدان محشر میں نور کی زیادتی کا سبب بنیں گے، ان میں سے بعض اعمال کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اندھیری رات میں جماعت کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانے والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل نور کی خوشخبری سنائی ہے۔ (ابوداود و ترمذی)

(۲) مطلقاً پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کو موجب نور قرار دیا گیا، اور نماز چھوڑنے کو نور سے محرومی کا سبب بتایا گیا۔ (مسند احمد)

(۳) سورۂ کہف پڑھنے والے کا اتنا نور ہوگا جو اس کی جگہ سے مکہ مکرمہ تک محیط ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنے کا معمول رکھے گا اس کو قدم سے آسمان تک نورِ عظیم عطا ہوگا۔ (طبرانی)

(۴) قرآنِ کریم پڑھنا قیامت میں باعثِ نور ہوگا۔ (مسند احمد)

(۵) درود شریف پڑھنے سے نور عطا ہوگا۔ (دیلمی)

(۶) حج وعمرہ سے فراغت پر جو بال حلق کرائے جاتے ہیں اس کے ہر بال کے بدلے میں نور عطا ہوگا۔ (طبرانی)

(۷) منیٰ میں جمرات کی رمی کرنا باعثِ نور ہوگا۔ (بزار)

(۸) جس شخص کے بال حالت اسلام میں سفید ہو جائیں (مسلمان بوڑھا ہو جائے) تو

یہ سفید بال اس کے لیے نور ہوں گے۔ (طبرانی)

(۹) جہاد فی سبیل اللہ میں استعمال کیا جانے والا ہر تیر باعثِ نور ہوگا۔ (بزار)

(۱۰) بازار میں اللہ کو یاد رکھنے والے کو بھی ہر بال کے بدلے نور عطا کیا جائے گا۔ (بیہقی)

(۱۱) جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے پل صراط پر نور کے دو عظیم شعبے مقرر فرمائے گا جس سے ایک جہاں روشن ہوجائے گا جس کی مقدار اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔ (طبرانی) (ملخص از معارف القرآن ۸/ ۳۰۸-۳۰۹)

اس کے برخلاف اعمال سیۂ جتنے زیادہ ہوں گے روشنی اسی اعتبار سے کم ہوتی جائے گی۔ بالخصوص اللہ کے بندوں کی حق تلفیاں اور ایذا رسانیاں قیامت میں سخت اندھیریوں کا باعث ہوں گی، اس لیے ایسے اعمال بد سے اپنے کو بچانا لازم ہے، اور اعمال صالحہ اختیار کر کے دنیا ہی میں قیامت کے نور کی زیادتی کے اسباب فراہم کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ پوری امت کو نور تام کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

پُل صراط

اس کے بعد جہنم پر ایک پُل قائم کیا جائے گا جس کا نام ''صراط'' ہوگا یہ پل بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہوگا (مسلم شریف ۱/۱۰۳) اس پل پر سے گزر کر اہلِ ایمان جنت کی طرف جائیں گے، جو جتنا زیادہ پختہ ایمان اور بہترین عملِ صالح والا ہوگا وہ اتنی ہی تیزی اور عافیت سے پل صراط سے گزر جائے گا، اور جو لوگ کم عمل ہوں گے وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے دیر میں گزر سکیں گے، اور جو بدعمل ہوں گے ان کو پل صراط کے کنارے لگی ہوئی سنڈاسیاں پکڑ کر سزا دینے کے لیے جہنم میں ڈال دیں گی۔ اللھم احفظنا منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰى جَهَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَةُ وَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا الْجِسْرُ قَالَ دَحْضٌ مَزِلَّةٌ فِيْهَا خَطَاطِيْفُ وَكَلَالِيْبُ وَحَسَكٌ تَكُوْنُ بِنَجْدٍ فِيْهَا شُوَيْكَةٌ يُقَالُ لَهَا السَّعْدَانُ فَيَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ كَطَرْفِ

الْعَيْنِ وَكَالْبَرْقِ وَكَالرِّيحِ وَكَالطَّيْرِ وَكَأَجَاوِيدِ الْخَيْلِ وَالرِّكَابِ، فَنَاجٍ مُسَلَّمٌ وَمَخْدُوشٌ مُرْسَلٌ، وَمَكْدُوسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، الخ۔(مسلم شریف ۱/۱۰۲)

پھر جہنم پر پل بنایا جائے گا، اور سفارش کی اجازت ہو جائے گی، اور لوگوں کی زبانوں پر جملہ ہوگا، اے اللہ محفوظ رکھ! اے اللہ محفوظ رکھ! عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ پل کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سخت پھسلنے کی جگہ ہے جس میں آنکڑے اور سنڈاسیاں اور ''نجد کے علاقہ میں پائے جانے والے'' سعدان نامی کانٹے کی طرح کانٹے ہیں، پھر مومن پل پر سے پلک جھپکنے، اور بجلی کوندنے، اور ہوا چلنے، اور پرندے اڑنے، اور عمدہ قسم کے گھوڑوں اور سواریوں کی رفتار سے گزریں گے، پھر کوئی صحیح سالم نجات پا جائے گا اور کوئی سنڈاسیوں سے چھل چھلا کر چھوٹ جائے گا، اور کوئی اٹک کر جہنم میں جا گرنے والا ہوگا۔

پل صراط سے کوئی کافر یا منافق نہیں گزرے گا، صرف اہل ایمان ہی گزریں گے جن میں سے سزا کے مستحق بدعمل جہنم میں جا گریں گے اور ایک مدت کے بعد ان کی معافی ہو جائے گی۔

شفاعت کا دوسرا مرحلہ

پل صراط پر گزرنے سے قبل جو حضرات شفاعت اور سفارش کے اہل ہوں گے ان کو سفارش کی اجازت دی جائے گی جیسا کہ حدیث بالا کے جملہ وتحل الشفاعة سے معلوم ہوتا ہے یہ سفارش کا دوسرا مرحلہ ہے، جس میں کچھ مخصوص قسم کے حضرات کو بطور اعزاز واکرام یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنے ان متعلقین کے حق میں سفارش کریں جو مومن تو ہیں لیکن اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے مستحق جہنم ہو چکے ہیں، ان باعزت سفارش کرنے والوں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور درج ذیل لوگ شامل ہوں گے۔

(مستفاد نووی علی مسلم ۱/۱۰۹، اکمال المعلم)

(۱) باعمل حافظ قرآن کو اپنے اہل خاندان کے دس افراد کو عذاب سے بچانے کی

سفارش کرنے کی اجازت ملے گی، چنانچہ ان کے حق میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (مشکوۃ ۱/۱۸۷)

(۲) دنیا میں اگر کسی بدعمل شخص نے کسی نیک عمل والے شخص پر کوئی احسان کیا ہوگا تو وہ بدعمل، نیک عمل والے شخص کو دیکھ کر اس کو احسان یاد دلائے گا اور سفارش کا متمنی ہوگا، چنانچہ اس کی سفارش سے بدعمل شخص عذاب سے بچ جائے گا۔ (التذکرہ)

(۳) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء اور شہداء کو بھی اس مرحلہ پر سفارش کی اجازت دی جائے گی۔ (مشکوۃ شریف ۲/۴۹۵)

پُل صراط پر ''امانت'' اور ''رحم'' کی جانچ

پُل صراط کے دائیں بائیں ''امانتداری'' اور ''رشتہ داری'' مجسم شکل میں موجود ہوں گے، اور پل صراط سے گزرنے والوں کا جائزہ لے رہے ہوں گے، اور یہ دونوں صفات عالیہ اپنی رعایت رکھنے والوں کے حق میں گواہی دیں گے اور کوتاہی کرنے والوں کے خلاف حُجت قائم کریں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْناً وَشِمَالًا۔ (بخاری شریف، مسلم شریف ۱/۱۰۲)

اور امانت اور رشتہ قرابت کو چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ وہ پل صراط کے دائیں بائیں کنارے پر کھڑے ہو جائیں گے۔

اس کی شرح فرماتے ہوئے حضرت حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وَالْمَعْنٰى اَنَّ الْاَمَانَةَ وَالرَّحِمَ لِعِظَمِ شَانِهِمَا وَفَخَامَةِ مَايَلْزَمُ الْعِبَادَ مِنْ رِعَايَةِ حَقِّهِمَا يُوْقَفَانِ هُنَاكَ لِلْاَمِيْنِ وَالْخَائِنِ وَالْوَاصِلِ وَالْقَاطِعِ فَيُحَاجَّانِ عَنِ الْحَقِّ وَيَشْهَدَانِ عَلَى الْمُبْطِلِ۔ (فتح الباری ۱۴/۵۵۳)

اور مطلب یہ ہے کہ امانت داری اور رشتہ داری کی عظمت شان اور بندوں پر لازم ان کے حقوق کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بنا پر ان دونوں کو پُل صراط پر امین

اور خائن، اور رشتہ داری کا خیال رکھنے والے قطع کرنے والے کے لیے کھڑا کیا جائے گا، پس یہ دونوں حق ادا کرنے والے کی طرف سے دفاع کریں گے، اور باطل شخص کے خلاف گواہی دیں گے۔

اس لیے اگر ہمیں اپنی عزت کا خیال ہے اور پل صراط پر بعافیت گزرنے کی فکر ہے تو ہمیں امانت و دیانت اور رشتہ داری کا لحاظ رکھنا لازم ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر سخت رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللھم احفظنا منه۔

پُل صراط پر سے گزرتے ہوئے اہلِ ایمان کی شان

پُل صراط پر گزرتے وقت صالح مؤمنین کی شان عجیب اور قابل رشک ہوگی، سب سے پہلے جو جماعت گزرے گی اس میں ستر ہزار افراد شامل ہوں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک دمک رہے ہوں گے، ان کے بعد تیز روشنی والے ستاروں کے مانند چمک دار چہرے والے حضرات گزریں گے، پھر اسی ترتیب سے درجہ بدرجہ اہلِ ایمان گزرتے رہیں گے، ارشادِ نبویؐ ہے:

ثُمَّ يَنْجُو الْمُؤْمِنُوْنَ فَتَنْجُو أَوَّلُ زُمْرَةٍ وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ سَبْعُوْنَ أَلْفًا لَا يُحَاسَبُوْنَ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَأَضْوَإِ نَجْمٍ فِي السَّمَاءِ ثُمَّ كَذٰلِكَ۔

(مسلم شریف ۱/۱۰۷)

پھر اہلِ ایمان نجات پائیں گے، پس ان میں سے پہلی کھیپ اس شان سے گزرے گی کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کے مانند چمک دار ہوں گے، یہ ستر ہزار کی تعداد میں ہوں گے جن کا حساب کتاب کچھ نہ ہوگا، پھر ان کے بعد اس طرح چمک دار چہرے والے ہوں گے جیسے آسمان میں چمکنے والا سب سے روشن ستارہ ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح درجہ بدرجہ۔

ہماری یہ خواہش ہونی چاہیے کہ ہم ایسے اعمال لے کر دنیا سے جائیں کہ پل صراط سے گزرتے وقت ہم سراپا روشنی میں ہوں، اور ہمارے بدن کے ہر ہر جز سے نور افشانی ہو رہی ہو۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

تیسری فصل

جنت کی طرف روانگی اور معاملات کی صفائی

پُل صراط سے بحفاظت پار ہونے کے بعد جنتیوں کے جتھے جنت کی طرف چلیں گے، تو جنت کے دروازے تک پہنچنے سے قبل ان سب کو ایک خاص نہر کے پُل پر روک لیا جائے گا، اور ان کے درمیان اگر حق تلفی وغیرہ یا کینہ کپٹ کی کوئی بات ہوگی تو جنت میں داخلہ سے قبل وہیں معافی تلافی کر کے انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا، قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَنَزَعْنَا مَافِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ۔ (الاعراف)

اور کچھ ان کے دلوں میں غبار تھا ہم اس کو دور کر دیں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مزید تفصیل اس طرح بیان فرمائی:

يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضِهِيْ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا أُذِنَ لَهُمْ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَاَحَدُهُمْ اَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ فِي الدُّنْيَا۔ (بخاری شریف ۲/۹۶۷ رقم: ۶۵۳۵)

اہلِ ایمان جہنم سے نجات پا جانے کے بعد جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیے جائیں گے، پھر ان سے آپس میں دنیا میں جو حق تلفیاں ہوئی ہوں گی ان کی معافی تلافی کی جائے گی تا آنکہ جب انہیں پاک صاف کر دیا جائے گا تو انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت ملے گی، اور قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے جنتیوں میں سے ہر شخص اپنے جنت کے گھر کے بارے میں دنیا کے گھر سے زیادہ پہچان اور معرفت رکھتا ہے۔

جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے آنحضرت ﷺ کی سفارش

جب اہل جنت، جنت کے قریب پہنچیں گے تو جنت کا دروازہ بند پائیں گے، جنت میں جانے کا اشتیاق بہت زیادہ ہوگا اس لئے جلد از جلد جنت میں داخلہ کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام سے سفارش کی درخواست کریں گے، بالآخر سید الاولین والآخرین سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ بارگاہ رب العالمین میں سجدہ ریز ہو جائیں گے، اور اپنی امت کے جنت میں داخلہ کی سفارش پیش فرمائیں گے، ارشاد نبوی ہے:

فَآتِی تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِداً لِرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیَّ وَیُلْهِمُنِیْ مِنْ مَحَامِدِہٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ قَالَ: یَامُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ، فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ یَامُحَمَّدُ اَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَیْهِ مِنْ بَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۱)

پس میں عرش کے نیچے آکر اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ میرے سینہ کو کھول دے گا اور میرے دل میں اپنی حمد وثنا اور بہترین تعریف کے وہ کلمات القاء فرمائے گا جو مجھ سے قبل کسی کے لئے القاء نہ کئے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے محمد! آپ اپنی امت میں سے ان لوگوں پر جن پر حساب کتاب نہیں، انہیں جنت کے داہنے دروازے میں سے داخل فرما دیجئے اور یہ لوگ دیگر دروازوں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شرکت کا حق بھی رکھتے ہیں (یعنی انہیں یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو جائیں)

اور ایک روایت میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اٰتِیْ بَابَ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَیَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ؟ فَاَقُوْلُ: مُحَمَّدٌ! فَیَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ لَا اَفْتَحُ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۲)

میں قیامت میں جنت کے دروازے پر جا کر اسے کھلوانے کی کوشش کروں گا تو

جنت کا خازن پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد! (ﷺ) تو وہ جواب دے گا کہ آپ ہی کے متعلق مجھے حکم ہوا ہے، آپ سے قبل میں کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولوں گا۔

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے خوش نصیبوں کا حال

صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ستر ہزار یا سات لاکھ خوش نصیب افراد بہ یک وقت پہلے مرحلہ میں جنت میں داخلہ سے مشرف ہوں گے۔ (مسلم شریف ۱۱۶/۱)

اور ترمذی کی ایک روایت میں معلوم ہوتا ہے کہ ان ستر ہزار میں ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے، اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شان کے مطابق مٹھی بھر افراد بھی بلا حساب کتاب داخل ہونے والے ہوں گے۔

(التذکرہ ۴۳۳/فتح الباری ۵۰۱/۱۴)

اور ایک روایت میں یہ تفصیل ہے کہ اولاً آپ ﷺ کو ستر ہزار کے عدد سے خوشخبری سنائی گئی، جس پر آپ نے اضافہ کی درخواست فرمائی تو آپ کو مژدہ سنایا گیا کہ ستر ہزار میں ہر فرد کے ساتھ ستر ہزار فرد اس جتھہ میں شامل ہوں گے۔ (نوادر الوصول، التذکرہ ۴۳۳) اس اعتبار سے ان خوش نصیبوں کی تعداد ۴۹ کروڑ تک پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مبارک جماعت کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔

جب آنحضرت ﷺ نے ان باسعادت حضرات کا تذکرہ فرمایا تو صحابہؓ میں اس بات پر بحث شروع ہوگئی کہ یہ خوش نصیب افراد کس طبقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں گے؟ چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ مقام تو بس انبیاء علیہم السلام کو مل سکتا ہے، بعض نے رائے دی کہ اس میں وہ لوگ ہی شامل ہوں گے جو ابتداء ہی سے اسلام میں شامل رہے ہیں، اور جنہوں نے زندگی میں کبھی بھی شرک نہیں کیا ہے، نیز بعض دیگر رائیں بھی سامنے

آئیں نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کس بارے میں بحث کی جارہی ہے؟ صحابہ نے سب رائیں بیان فرمادیں تو آپ نے فرمایا:

هُمُ الَّذِينَ لَا يَرْقُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۷)

وہ خوش نصیب لوگ وہ ہیں جو نہ تو جھاڑ پھونک کرتے ہیں اور نہ کراتے ہیں اور نہ (بدفالی) کے لئے پرندوں کو اڑاتے ہیں اور اپنے رب پر کامل توکل کرتے ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں سب سے پہلے داخلہ کا شرف حاصل کرنے والے افراد وہ ہوں گے، جو اپنے کمال توکل کی بنا پر دنیوی اسباب کو خاطر میں نہ لاتے ہوں گے، اور ہر اس بات سے بچتے ہوں گے جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جائے، مثلاً آیات قرآنیہ اور کلمات صحیحہ پر مبنی تعویذ اور جھاڑ پھونک اگرچہ درست ہے مگر اس میں عوام وخاص کے عقیدے بگڑنے کا امکان زیادہ رہتا ہے اس لئے وہ لوگ اس طرح کے اسباب کو اختیار کرنے میں احتیاط سے کام لیتے ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنے والے ہوں گے۔ (مستفاد فتح الباری ۱۴/۳۹۸)

یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی دنیا کے اسباب کو ترک کرکے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے نتیجہ کی اُمید رکھے، بلکہ توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب دنیوی ظاہری اختیار کرکے کامیابی کی اُمید اللہ تعالیٰ سے رکھی جائے مثلاً کھیت میں محنت کرکے بیج ڈال دے پھر پیداوار کی اُمید اللہ سے رکھے، اسی طرح دکان میں سامان رکھ کر بیٹھے پھر نفع کی اُمید اللہ تعالیٰ سے رکھے، چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی صفت یہی رہی ہے حالانکہ ان سے بڑا اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا اور کوئی نہیں ہوسکتا، انہوں نے مال حاصل کرنے کے اسباب اختیار فرمائے اسی طرح دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے فوج اور ہتھیار استعمال فرمائے اور پھر کامیابی اور ناکامی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرت اور فیصلہ پر بھروسہ فرمایا، یہی اصل میں توکل کی حقیقت

ہے۔(فتح الباری ۱۴/۵۰۰)

اور حدیث بالا میں جن اسباب کے ترک کی ترغیب وارد ہے، وہ صرف ایسے اسباب ہیں جنہیں اختیار کرنے میں شرک کا شائبہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور یہ بھی کامل درجہ ہے جو شخص اس درجہ پر نہ ہو اسے بھی غیر متوکل نہیں کہا جاسکتا۔

جنت میں اہلِ جنت کے داخلہ کا شاندار منظر

جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور اعمال صالحہ کی مناسبت سے لوگ ان دروازوں سے جنت میں داخل ہوں گے، ایک دروازہ ''ریان'' کے نام سے ہوگا جس سے روزہ داروں کو داخلہ کی دعوت دی جائے گی اسی طرح دیگر اعمال کرنے والوں کا حال ہوگا، بعض خوش نصیب اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے، جیسے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ان کا نام ہر دروازے سے پکارا جائے گا یعنی ہر دروازہ متمنی ہوگا کہ اس کی طرف سے سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ جنت کا شرف حاصل کریں، الغرض عجیب فرحت وسرور اور جوش اور جذبات کا منظر ہوگا، اہل جنت چمکتے دمکتے چہروں اور خوشی اور مسرت سے معمور دلوں کے جتھے کے جتھے بنا کر جنت میں داخل ہو رہے ہوں گے، جنت کے تمام دروازے پوری طرح کھلے ہوں گے اور پہرے دار فرشتے آنے والوں کا پرتپاک استقبال کر رہے ہوں گے اور ہر طرف سے مبارکبادیوں کی آوازیں گونج رہی ہوں گی، اور ادھر سب اہل جنت اپنے محبوب پروردگار کی حمد وثنا اور شکر کی ادائیگی میں مشغول ہوں گے، الغرض ایسا بشاشت انگیز، فرحت آمیز اور مسرت آگیں ماحول ہوگا، جس کو بیان کرنے سے الفاظ قاصر اور زبانیں عاجز ہیں، اور جس کے تصور ہی سے، دل کے جذبات کھل اٹھتے ہیں اور اس سعادت کے حصول کا شوق چٹکیاں لینے لگتا ہے رحمتِ خداوندی سے کیا بعید ہے کہ وہ اس شوق کو محض اپنی رحمت سے حقیقت بنا دے، انشاء اللہ، اسی خوش نما منظر کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا، حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ

اَبوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خزنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيكُمْ طِبْتُمْ فَادخُلُوهَا خٰلِدِيْنَ وَقَالُو الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الاَرضَ نَتَبَوَّامِنَ الْجنَّةِ حَيثُ نَشَاءُ فَنِعمَ اَجرُ الْعٰمِلِيْنَ۔

(سورۃ الزمر ۷۳.۷۴)

اور لے جائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے تھے جنت کی طرف گروہ در گروہ، یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے اور کہنے لگیں ان کو اس کے پہرے دار سلام پہنچے تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو، سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو، اور بولیں گے شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ، اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا، گھر بنالیں بہشت میں جہاں چاہیں، سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے ایسے خوش نصیب بندوں میں شامل فرمائے، آمین۔

جنت کی وسعت

جنت کی وسعت میں دنیا کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، قرآن کریم میں ہمارے تصور کا خیال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:

وَسَارِعُوا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران)

اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اور جنت کی طرف جس کی وسعت ایسی ہے جیسے آسمان اور زمین اور وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جنت میں داخل ہونے والے سب سے آخری شخص کو دنیا کے دس گنے کے بقدر وسعت والی جنت عطا فرمائی جائے گی (مسلم شریف ۱۰۱/۱) تو جب ادنی درجہ جنتی کے حصہ میں اتنی وسیع جنت آئے گی تو اعلیٰ درجات والوں کا کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں جنت کی نعمتوں کا مختصر حال

جنت میں کیا کیا نعمتیں کس انداز کی ہوں گی اس کا تصور کرنے سے ہماری عقلیں عاجز ہیں، وہاں کی نعمتیں ایسی ہوں گی جو کسی کی آنکھ نے کبھی دیکھی نہیں اور کسی کے دل میں ان کا خواب وخیال بھی نہیں گزرا، آج جو ہمیں ان نعمتوں کے متعلق قرآن وحدیث میں بتایا جارہا ہے یہ درحقیقت شوق دلانے کا ذریعہ ہے ان بشارت آمیز حالات کو سن کر ہمارے دل میں جو تصورات پیدا ہوتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جنت کی نعمتیں ہمارے ان محدود تصورات سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں، اور ان کا اصل علم انشاء اللہ انہیں دیکھ کر ہی ہوگا۔

قرآن کریم میں اہل جنت سے وعدہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ، جَزَاءً بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔

(الم سجدة)

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے، یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد عالی ہے:

وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ، نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔

(حم السجدة ۲۲/۳۱)

اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا، اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو، مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں جنت کی نعمتوں کا الگ الگ اجمالی تذکرہ بھی کیا گیا ہے، مثلاً بتایا گیا کہ:

☆ جنت میں ایسے باغ ہوں گے جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ (البقرة ۲۵ وغیرہ)

☆ جنت کے پھل ایسے ہوں گے کہ دیکھنے میں ایک جیسے ہوں گے مگر ہر پھل کے ذائقہ میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ (البقرة آیت: ۲۵) اور انواع بھی الگ الگ ہوں گی،

انار، کیلے، کھجور، انگور، الغرض ہر طرح کے پھل میسر ہوں گے۔

☆ جنت کی حوریں اور اہل جنت کی بیویاں نہایت خوبصورت، ہم عمر، شرمیلی، صاف ستھری، پاکیزہ اور بھرپور جوانی والی ہوں گی۔ (البقرۃ ۲۵ ،آل عمران ۱۵ الصّٰفّٰت ۴۸ الرحمن)

☆ جنت کے مکانات و محلات نہایت ستھرے اور بارونق ہوں گے۔

(التوبۃ ۷۲ ،الصف ۱۲)

☆ جنتی لوگ موتی اور سونے کے شاندار کنگن پہنے ہوئے ہوں گے (تاکہ اصل دولت مندی کا اظہار ہو سکے)۔ (الکھف ۳۱ ،الحج ۲۳ ،فاطر ۳۳)

☆ جنت میں نہایت لذیز سفید رنگ کی عمدہ شراب ملے گی جس کو پی کر نہ چکر آئیں گے نہ دماغ ماؤف ہوگا۔ (الصّٰفّٰت ۴۵، ۴۷)

☆ جنت میں خوبصورت لڑکے اہل جنت کی خاطر تواضع کے لئے سونے چاندی کی رکابیاں اور پیالے لئے ادھر ادھر لے جاتے پھریں گے۔ (الزخرف ۷۱)

☆ جنت میں پانی کی عمدہ نہریں ہیں جن کے پانی میں کسی قسم کی بو وغیرہ نہیں ہے۔ (محمد ۱۵)

☆ اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا ذائقہ بالکل اصلی حالت میں رہتا ہے، دنیا کے دودھ کی طرح (وقت گزرنے سے) تبدیل نہیں ہوتا (محمد ۱۵)

☆ اور شہد کی ایسی نہریں ہیں جن کا جھاگ صاف کر کے اتارا جا چکا ہے یعنی بالکل نتھرا ہوا شہد ہے۔ (محمد ۱۵)

☆ جنت میں حسب دلخواہ پرندوں کا گوشت میسر ہے۔ (الواقعۃ ۲۱)

☆ جنت میں جا بجا ترتیب کے ساتھ غالیچے اور مخمل کے فرش بچھے ہوئے ہیں۔

(الغاشیۃ ۱۴، ۱۵)

احادیث طیبہ میں جنت کا بیان

احادیث شریفہ میں بھی بہت وضاحت کے ساتھ جنت کی لازوال نعمتوں کا مبارک تذکرہ فرمایا گیا ہے جن کے مطالعہ سے طبعی طور پر دل میں ان عظیم نعمتوں کا مستحق بننے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، ایسی چند احادیث کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆ جنت کی خوشبو ۵۰۰ سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے۔ (صحیح ابن حبان ۲۳۹/۹، الترغیب ۲۷۰/۴)

☆ جنت کے سو درجات ہیں اور ہر ایک دوسرے درجہ کے درمیان زمین وآسمان کے بقدر مسافت ہے۔ (بخاری شریف ۳۹۱/۱، الترغیب ۲۸۱/۴)

☆ جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے اور ایک چاندی کی لگی ہے، اور ان کی سیمنٹ مشک ہے، اور ان کی کنکریوں کی جگہ ہیرے جواہرات ہیں اور مٹی زعفران کی ہے جو ان میں داخل ہو جائے گا وہ کبھی پریشان نہ ہوگا ہمیشہ مزے میں رہے گا، اور کبھی وہاں کسی کو موت نہ آئے گی، نہ کپڑے پرانے ہوں گے، اور نہ کبھی جوانی ختم ہوگی۔ (مسند احمد ۳۰۵/۲، الترغیب ۲۸۱/۴)

☆ ایک جنتی کو ایسا خیمہ عطا ہوگا جو صرف ایک خول دار موتی سے بنا ہوگا جس کی لمبائی اور چوڑائی ساٹھ میل کے بقدر ہوگی، اور اس مؤمن کے متعدد گھر والے اس میں مقیم ہوں گے، اس خیمے کی وسعت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے۔ (بخاری ۷۲۲/۲، مسلم ۳۸۰/۲، الترغیب ۲۸۴/۴)

☆ جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام "کوثر" ہے، اس نہر کے کنارے سونے کے ہیں، اور اس کی نالیوں میں ہیرے جواہرات بچھے ہوئے ہیں، اور اس کی مٹی مشک سے زیادہ معطر اور اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور اولے سے زیادہ سفید ہے۔ (ترمذی شریف ۱۷۴/۲، الترغیب ۲۸۵/۴)

☆ جنت کی عورتوں اور حوروں کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی عورت دنیا میں جھانک بھی لے تو پوری زمین اس کی بے مثال خوشبو سے معطر اور اس کی روشنی اور چمک دمک سے منور ہو جائے اور اس عورت کی اوڑھنی کی قیمت تمام جہان کی دولتوں سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ (بخاری شریف ۳۹۲/۱، الترغیب ۲۹۵/۴)

☆ جنت کی حوریں بیک وقت ستر بیش قیمت جوڑے پہنیں گی اور ان جوڑوں کے پہننے کے باوجود ان کی پنڈلیوں کی چمک دمک حتی کہ ان کی ہڈیوں کا گودا اُوپر سے صاف جھلکتا ہوگا جو ان کے نہایت حسن و جمال اور لطافت کی علامت ہوگا۔ (الترغیب ۲۹۷/٤)

☆ جنت کی حوریں اپنے شوہروں کو نہایت شاندار انداز میں مسحور کن آواز میں گانے سنائیں گی اور حمد وثنا اور شکر کے اشعار اپنی خوبصورت آواز میں پڑھا کریں گی۔ (الترغیب ۳۰۰/۴)

☆ جنت میں ایک عظیم بازار ہوگا جہاں جنتی ہر ہفتہ جایا کریں گے، وہاں شمال کی طرف سے ایسی ہوائیں چلتی ہوں گی جن کی وجہ سے ان جنتیوں کے حسن و جمال میں بے حد اضافہ ہو جائے گا، چنانچہ جب وہ اپنے گھروں کو لوٹیں گے تو ان کی بیویاں کہیں گی کہ آپ کے بازار جانے سے آپ کے حسن و جمال میں واقعی اضافہ ہو گیا ہے، یہ سن کر وہ جنتی اپنی بیویوں کے بارے میں بھی یہی جملہ کہیں گے۔ (مسلم ۳۷۹/۲، الترغیب ۲۰/۴)

☆ جنت میں ہر شخص کو سو مردوں کے برابر کھانے پینے اور جماع کی طاقت عطا ہو گی، اور سب کی عمریں ۳۳ سال کے جوان کے بقدر ہمیشہ رہیں گی۔ (کتاب العاقبۃ ۲۸۲، ۲۸۳)

☆ کم سے کم تر درجہ کے جنتی کو جنت میں اسی ہزار خدام اور بہتر بیویاں عطا ہوں گی۔ (کتاب العاقبۃ ۲۸۴)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

چوتھی فصل

قرآن کریم میں جہنم کا ذکر

اس کے بالمقابل کفار اور بدعمل لوگوں کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم بنائی ہے جس کی سزائیں اور ہولناکیاں ناقابل بیان ہیں، قرآن کریم میں جگہ جگہ جہنم کی سختیوں کو ذکر کر کے اس سے ڈرایا گیا ہے، اس سلسلے کی بعض آیات کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

☆ جہنم کی آگ کو دہکانے کے لئے ایندھن کے طور پر انسان اور پتھر استعمال ہوں گے۔ (البقرۃ ۲٤ والتحریم ٦)

☆ کافروں کی کھال جب جہنم کی آگ سے جل جائے گی تو فوراً دوسری نئی کھال ان پر چڑھادی جائے گی (تا کہ برابر شدید تکلیف کا احساس ہوتا رہے)۔ (النساء ٥٦)

☆ آگ ہی جہنمیوں کا اوڑھنا بچھونا ہوگی۔ (الاعراف ٤١)

☆ جہنمیوں کو (پانی کے بجائے سڑا ہوا) پیپ پلایا جائے گا، جسے انہیں زبردستی پینا پڑے گا۔ (ابراھیم ١٦-١٧)

☆ جہنمیوں کا لباس گندھک کا ہوگا (جس میں آگ جلدی لگتی ہے)۔ (ابراھیم ٥٠)

☆ جہنمیوں کی (شدت عذاب سے) ایسی دہاڑ اور چیخ وپکار ہوگی کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔ (ھود ١٠٦، الانبیاء ١٠٠)

☆ جہنمیوں پر نہایت کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا وہ پانی جب بدن کے اندر پہنچے گا تو پیٹ کی انتڑی اوجھڑی سب گلا کر نکال دے گا، اور کھال بھی گل پڑے گی اور اوپر سے لوہے کے ہتھوڑے سے پٹائی ہوتی رہے گی، بہت کوشش کریں گے کہ کسی طرح جہنم سے نکل بھاگیں مگر فرشتے پٹائی کر کے پھر انہیں جہنم میں دھکیلتے رہیں گے۔ (الحج ١٩-٢٢)

☆ ہر طرف سے آگ میں جلنے کی وجہ سے جہنمیوں کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

(المؤمنون ١٠٤)

☆ جہنمیوں کو سینڈھے (زقوم) کا درخت کھلایا جائے گا جو جہنم کی پیداوار ہوگا، جو شیطان نما نہایت بدصورت ہوگا جسے دیکھ کر بھی کراہت آئے گی اسی سے وہ پیٹ بھریں گے، اور اوپر سے جب پیاس لگے گی تو سخت ترین کھولتا ہوا پانی اور پیپ پلایا جائے گا۔ (الصّٰفّٰت ۶۲-۶۷ صفحہ ۵۷، الدخان ۴۳-۴۷)

☆ جہنمیوں کی گردن میں طوق پڑے ہوں گے اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں گی اور (مجرموں کی طرح) انہیں گھسیٹ کر کھولتے پانی میں ڈال دیا جائے گا پھر کبھی آگ میں دھونکایا جائے۔ (طٰہٰ ۷۱-۷۲) کافروں کو ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ کر لایا جائے گا۔ (الحاقۃ ۳۰)

☆ جہنم کے پہرے پر نہایت زبردست قوت والے اور سخت گیر فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی تعمیل میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتے (یعنی نہ وہ جہنمی پر رحم کھائیں گے اور نہ ہی انہیں چکمہ دے کر کوئی جہنمی نکل سکے گا)۔ (التحریم آیت: ۶)

احادیث شریف میں جہنم کی ہولناکیوں کا بیان

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ طیبہ میں نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ جہنم اور اس کے ہولناک عذابوں سے امت کو متنبہ فرمایا ہے، چند احادیث کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

☆ جہنم کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ۶۹ گنا زیادہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (مسلم ۲/۳۸۱)

☆ جہنم کی آگ کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا جس کی وجہ سے وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک دہکایا گیا جس کی بنا پر وہ جلتے جلتے سفید ہوگئی، اس کے بعد پھر ایک ہزار سال دہکایا گیا تو وہ سیاہ ہوگئی، چنانچہ اب وہ نہایت اندھیری اور سیاہی کے ساتھ دہک رہی ہے۔ (ترمذی ۲/۸۶)

☆ جہنمیوں کی غذا ''زقوم'' (سینڈھا) اتنی بدبودار ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی دنیا

میں اتار دیا جائے تو تمام دنیا والوں کا بدبو کی وجہ سے یہاں رہنا دوبھر ہو جائے، تو اندازہ لگائیے کہ جس کی غذا ہی یہ ہو گی اس کا کیا حال ہو گا۔(ترمذی شریف ۲/۸۶، ابن حبان ۹/۲۷۸)

☆ جہنمیوں کو پلایا جانے والا ''غساق'' (زخموں کا دھوون) اتنا سخت بدبودار ہے کہ اس کا اگر صرف ایک ڈول بھی دنیا میں ڈال دیا جائے تو ساری دنیا اس کی بدبو سے سڑ جائے گی۔(ترمذی ۲/۸۶)

☆ جہنمیوں کو پلایا جانے والا پانی اس قدر سخت گرم ہو گا کہ اس کو منہ سے قریب کرتے ہی چہرہ بالکل جھلس جائے گا حتیٰ کہ گرمی کی شدت سے اس کے سر کی کھال تک پگھل جائے گی، پھر جب وہ جہنمی اس بدبودار اور گرم ترین پانی با دل ناخواستہ پئے گا تو وہ اس کی سب انتڑیاں کاٹ کر پیچھے کے راستے باہر نکال دے گا۔اعاذنا اللّٰہ منہ۔(ترمذی شریف ۲/۸۵)

☆ جہنم کی لپٹوں سے جہنمی کا چہرہ اس طرح جھلس جائے گا کہ اوپر کا ہونٹ آدھے سر تک سمٹ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ اس کی ناف تک سکڑ جائے گا۔اللھم احفظنا منہ۔ (ترمذی شریف ۲/۱۵۱)

☆ کافر جہنمی کی داڑھ اُحد کے پہاڑ کے برابر ہو گی اور اس کی کھال کی موٹائی ۳ دن کے مسافت کے بقدر ہو جائے گی (تاکہ بدن بڑا ہونے سے تکلیف میں مزید اضافہ ہو سکے)۔(مسلم شریف ۲/۳۸۲)

☆ ایک روایت میں ہے کہ کافر کی کھال کی موٹائی ۴۲ ہاتھ کی ہو گی، اور داڑھ اُحد کے پہاڑ کے برابر ہو گی، اور ایک کافر کے بیٹھنے کی جگہ اتنی وسیع ہو گی جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی مسافت ہے (تقریباً ۴۵۰ کلومیٹر) (ترمذی شریف ۲/۸۵)

☆ کافر کی زبان جہنم میں ایک فرسخ اور دو فرسخ کے بقدر باہر نکال دی جائے گی حتیٰ کہ دیگر جہنمی اس پر چلا کریں گے۔(ترمذی شریف ۲/۸۵)

☆ جہنم کے اژدہے اُونٹ کی گردن کے برابر موٹے ہوں گے اور اتنے سخت زہریلے ہوں گے کہ ڈسنے کے بعد ان کے زہر کی ٹیسیں ستر (۷۰) سال تک اُٹھتی رہیں گی، اور جہنم کے بچھو خچروں کے برابر ہوں گے، جن کے ڈسنے کی ٹیس چالیس (۴۰) سال تک محسوس ہوگی۔ (مسند احمد ۴/ ۱۹۱، الترغیب والترہیب ۴/ ۲۵۸)

☆ جہنمیوں پر رونے کی حالت طاری کردی جائے گی پس روتے روتے ان کے آنسو خشک ہوجائیں گے تو پھر وہ خون کے آنسو اس قدر روئیں گے کہ ان کے چہروں میں (اتنے بڑے بڑے) گڈھے ہوجائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو وہ بھی چلنے لگیں۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۳۸ حدیث ۴۳۲۴ ص: ۹۸۳، الترغیب والترہیب ۴/ ۲۷۰)

☆ جہنم میں سب سے کم تر عذاب والا شخص وہ ہوگا جس کے جوتے میں جہنم کے انگارے رکھ دیئے جائیں گے جن کی گرمی سے اس کا دماغ ایسے کھولے گا جیسے دیگچی میں آگ پر پانی کھولتا ہے، اور وہ سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ سخت عذاب میں کوئی نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے کم تر عذاب والا ہوگا۔ (بخاری ۲/ ۹۷۱، الترغیب والترہیب ۴/ ۲۶۶)

☆ جہنم میں داخلہ کے بعد سب سے پہلے جہنمیوں کو زہریلے سانپوں کے زہر پر مشتمل ایک مشروب پینے کو ملے گا جس کے زہر کی شدت اس قدر زیادہ ہوگی کہ اس کو منہ سے قریب کرتے ہی اس کا گوشت اور ہڈیاں تتر بتر ہوجائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۴۲)

اس لیے ہمیں اللہ کے عذاب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے اور ہمیشہ اس کی فکر رہنی چاہیے کہ ہم اپنی بدعملی کی وجہ سے خدانخواستہ مستحق عذاب نہ ہوجائیں، اللہ تعالیٰ پوری امت کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

پانچویں فصل

بدعمل اہلِ ایمان کو جہنم سے نکالنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش

ایک عرصہ کے بعد جب کہ وہ اہلِ ایمان جنہوں نے بدعملیاں کر رکھی ہوں گی جہنم میں جا کر اپنی مقررہ سزا بھگت چکے ہوں گے، تو اللہ رب العالمین اپنی عظیم الشان رحمت کا اظہار فرماتے ہوئے ان مؤمنین کی جہنم سے رہائی کی کاروائی کی شروعات فرمائے گا، سب سے پہلے ہمارے آقا و مولا سرور کائنات فخرِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ صمدیت میں سجدہ ریز ہو جائیں گے، اور ایک زمانہ تک سجدہ میں رہ کر حمد و ثنا میں مشغول رہیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد (ﷺ) سر اُٹھایئے، ارشاد فرمایئے آپ کی بات سنی جائے گی اور سفارش فرمایئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے کے لیے درخواست کریں گے کہ یا رب امتی امتی! (اے رب! میری امت، میری امت) تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ جایئے! جس شخص کے دل میں ایک گیہوں یا جو کے برابر بھی ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لیجئے، چنانچہ آپ تشریف لا کر ایسے اہلِ ایمان کو نکال دیں گے، پھر واپس جا کر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو جائیں گے، اور اجازت ملنے پر پھر سفارش فرمائیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جایئے! جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر ایسے لوگوں کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائیں گے، اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دربار خداوندی میں مزید سفارش کریں گے، تو ارشاد ہو گا کہ جایئے جس شخص کے دل میں رائی کے دانے سے بھی تین گنا کم ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیجئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کم

ترین حد کے اہل ایمان کو بھی جہنم سے نکال لیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ الٰہ العالمین! مجھے ایسے لوگوں کو بھی نکالنے کا حکم فرمایئے جس نے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

لَیْسَ ذَاكَ اِلَیْكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِیْ وَكِبْرِیَائِیْ وَعَظْمَتِیْ وَجِبْرِیَائِیْ لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (مسلم شریف عن انسؓ ۱/۱۱۰)

اس کا آپ کو اختیار نہیں ہے، لیکن میری عزت، میری کبریائی، میری عظمت کی قسم میں ضرور بالضرور اس شخص کو جہنم سے خود نکالوں گا جس نے بھی کلمۂ طیبہ پڑھا ہو گا (یعنی دل سے مؤمن ہو گا)

ایک روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نبی کو دنیا میں ایک ایسی دُعاء کا اختیار دیا گیا ہے جس کی قبولیت کا پختہ وعدہ تھا، تمام انبیاء علیہم السلام نے اس دعاء کا استعمال دنیا ہی میں کر لیا مگر میں نے اپنی دُعا آخرت میں اپنی امت کی شفاعت اور سفارش کے لیے محفوظ کر لی ہے۔ (مسلم شریف ۱/۱۱۲-۱۱۳)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہوئے غور کیا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی امت کے گنہ گاروں کے بارے میں یہ فرمایا:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (ابراھیم ۳۶)

ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا پس جو شخص میری راہ پر چلے گا وہ تو میرا ہے، اور جو شخص میرا کہنا نہ مانے تو آپ بہت بخشنے والے مہربان ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بارے میں اس طرح التجا فرمائی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (المائدۃ: ۱۱۸)

اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف کر دیں

تو آپ زبردست ہیں، حکمت والے ہیں۔

مذکورہ آیت پڑھ کر آپ کو اپنی امت کا خیال آگیا، اور بے اختیار روتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ (اے اللہ! میری امت کا کیا ہوگا؟) کہہ کر بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اُٹھائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھ کر آؤ کہ آپ کو کس چیز نے رلایا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تشریف لا کر آپ سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری بات بتلادی۔ تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو یہ تسلی آمیز پیغام بھیج کر مسرور فرمایا کہ:

اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِیْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُ كَ۔ (مسلم شریف ۱۱۳/۱)

(پیارے محمد ﷺ!) ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کردیں گے، اور آپ کو ناگوار نہ رہنے دیں گے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے آقا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس قدر تعلق اور محبت ہے کہ آپ کو امت کے ایک فرد کا بھی جہنم میں رہنا قطعاً گوارہ نہیں ہے۔

جنتیوں کی اپنے بدعمل بھائیوں کے لیے سفارش

جنتی لوگ اپنے بدعمل مؤمن بھائیوں کے حق میں بھی بارگاہِ خداوندی میں انتہائی اصرار والحاح کے ساتھ سفارش کریں گے اور کہیں گے کہ کچھ لوگ دنیا میں ہمارے ساتھ نماز پڑھتے، روزے رکھتے اور حج کرتے تھے اب وہ یہاں جنت میں نظر نہیں آرہے، ان کو جہنم سے نکالنے کا فیصلہ فرمایا جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان جنتیوں کی سفارش قبول فرمائے گا اور حکم دے گا کہ جن جن لوگوں کو تم جانتے پہچانتے ہو انہیں وہاں سے نکال لاؤ، یہ حضرات جہنم میں جاکر اپنی جان پہچان کے سب لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدعمل لوگوں کی صورتیں آگ سے محفوظ فرمادے گا تاکہ انہیں پہچاننے میں دشواری نہ ہو، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جاؤ جس کے پاس ایک دینار کے بقدر بھی ایمانی عمل ہو اسے

نکال لاؤ وہ انہیں بھی نکال لائیں گے، پھران کے لیے آدھے دینار اور آخیر میں ایک رائی کے دانہ کے بقدر ایمانی عمل کی حد متعین کی جائے گی اور ایسے سب بدعملوں کو جہنم سے خلاصی نصیب ہو جائے گی۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کے خصوصی آزاد کردہ لوگ

اس کے بعد اللہ ارحم الراحمین ارشاد فرمائے گا:

شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔

فرشتے، انبیاء، اور اہلِ ایمان سب سفارش کر چکے، اب رب کریم ارحم الراحمین کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھر کر (جس کی وسعت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں) ایسے جہنمیوں کو جہنم سے نکالے گا جن کے پاس ایمان قلبی کے علاوہ کوئی بھی ظاہری عمل (نماز، روزہ، تسبیح وغیرہ) نہ ہوگا، یہ لوگ جل بھن کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، ان سب کو جنت کے دروازے پر واقع ''نہر حیات'' میں غوطہ لگایا جائے گا جس کے اثر سے یہ سب تر و تازہ ہو کر نکلیں گے اور ان کی گردنوں میں خاص قسم کے چھلے ڈال جائیں گے جنہیں دیکھ کر اہل جنت انہیں پہچان لیں گے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ جنتی ہیں جو بغیر کسی ظاہری عمل کے صرف دل میں ایمان کی بدولت جنت میں آئے ہیں، بہر حال اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اور تاحدِ نظر جو کچھ تمہاری نظروں میں سمائے، وہ سب تمہارا ہے تو وہ بول اُٹھیں گے کہ الٰہ العالمین! آپ نے تو ہمیں اس قدر نوازا ہے کہ شاید کائنات میں کسی کو اس قدر نہ نوازا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ میرے پاس تمہارے لیے اس سے بھی بڑی فضیلت والی نعمت ہے، وہ حیرت سے پوچھیں گے کہ وہ نعمت کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ انہیں یہ عظیم بشارت سنائے گا کہ:

رِضَائِيْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۳)

(سب سے افضل نعمت) میری خوشنودی ہے، اب میں کبھی بھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔

اللہ اکبر! رحمت خداوندی کی شان کتنی عظیم ہے، اس حدیث سے دولت ایمان کی قدر و قیمت اور اہمیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ جو چیز کام آئے گی وہ ایمان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ایمانِ کامل سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جنت میں داخل ہونے والے آخری شخص کا حال

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والے شخص کا حال یہ ہوگا کہ وہ گرتا پڑتا چل رہا ہوگا اور جہنم کی آگ کی لپٹیں اسے جھلسا رہی ہوں گی بالآخر جب وہ جہنم سے بہ مشکل نکل پائے گا تو جہنم کی طرف دیکھ کر بے اختیار یہ کہے گا کہ وہ ذات بڑی بابرکت ہے جس نے مجھے تجھ (جہنم) سے نجات عطا فرمائی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ نعمت بخشی ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو بھی نہیں عطا کی گئی۔ پھر اس کے سامنے ایک درخت ظاہر ہوگا تو وہ عرض کرے گا کہ اے رب کریم آپ مجھے اس درخت کے قریب فرمادیجئے تاکہ میں اس کے سایہ میں بیٹھوں اور اس کے پانی سے پیاس بجھاؤں۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدمی اگر میں تیری مراد پوری کردوں تو تو کچھ اور مانگے گا؟ وہ شخص کہے گا کہ نہیں پروردگار! اور مزید سوال نہ کرنے کا پکا وعدہ کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی معذرت کو قبول فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی بے صبر طبیعت سے واقف ہے اور اسے اسکے مطلوبہ درخت کے نیچے پہنچادے گا۔ وہ شخص اس کے قریب جا کر اس کے سایہ میں بیٹھے گا اور وہاں موجود پانی پئے گا۔ پھر اس کے لئے ایک دوسرا درخت سامنے لایا جائے گا۔ جو پہلے درخت سے اور اچھا ہوگا۔ تو پھر وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس کے قریب جانے کی درخواست کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدمی کیا تو نے کچھ اور سوال نہ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا؟ اور اگر میں تیری مراد پوری کردوں تو پھر تو کچھ اور سوال کرے گا؟ چنانچہ پھر وہ شخص سوال نہ کرنے کا وعدہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی بے صبری کو جانتے ہوئے چشم پوشی فرما کر اسے اس درخت کے قریب

پہنچادے گا اور وہ اس کے سایہ اور پانی سے فائدہ اٹھائے گا۔ پھر ایک تیسرا درخت جنت کے دروازے کے بالکل قریب نمودار ہوگا جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ خوبصورت ہو گا۔ تو یہ شخص اس کے قریب جانے کی بھی درخواست کرے گا۔ بالآخر جب اسے اس درخت تک پہنچا دیا جائے گا تو اسے وہاں اہل جنت کی آوازیں سنائی دیں گی۔ تو وہ درخواست کرے گا اے رب کریم! اب بس مجھے جنت میں داخل فرمادیجئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے مخاطب ہو کر فرمائے گا کہ آخر تیرا سوال کرنا کب ختم ہوگا؟ کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ میں تجھے دنیا کی دوگنی جنت عطا کردوں؟ تو وہ شخص حیرت زدہ ہو کر کہے گا کہ اے رب کریم! آپ رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق فرماتے ہیں؟ اتنی روایت بیان کر کے اس حدیث کے راوی عبداللہ بن مسعودؓ ہنسنے لگے۔ اور حاضرین سے فرمایا مجھ سے نہیں پوچھتے کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں؟ چنانچہ حاضرین نے یہی سوال آپ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح اس روایت کو بیان کر کے آنحضرت ﷺ نے بھی تبسم فرمایا تھا۔ اور جب صحابہ نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ؐ نے فرمایا تھا کہ میں رب العالمین کے ہنسنے کی وجہ سے ہنس رہا ہوں۔ کیونکہ جب وہ بندہ یہ عرض کرے گا کہ الٰہ العالمین آپ رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کررہے ہیں۔ تو رب العالمین فرمائے گا میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں جس بات کو چاہوں اس کو پورا کرنے پر قادر ہوں۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۵) اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کا مطلب اس کا راضی ہونا اور خوش ہونا ہے۔

اور اس روایت کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس اضافہ کے ساتھ روایت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا، کہ مانگ لے جو مانگنا ہے؟ چنانچہ وہ جو چاہے گا مانگے گا اور اللہ تعالیٰ اسے مزید باتیں یاد دلاتا رہے گا تا آنکہ جب اس کی سب آرزوئیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تجھے تیری آرزوؤں کے ساتھ مزید دس نعمتیں عطا کی جاتی ہیں۔ پھر وہ جنت میں جا کر اپنے محل میں داخل ہوگا تو جنت کی حوروں میں سے اس کی دو بیویاں اسے دیکھ کر کہیں گی "تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں جس نے تم کو ہمارے لئے اور ہم کو تمہارے لئے وجود بخشا" وہ جنتی شخص (ان کی اس پیار بھری گفتگو اور اللہ کی عظیم نعمتیں دیکھ کر) بول اٹھے گا مجھے جو نعمتیں ملی ہیں وہ کائنات میں کسی اور کو نہ ملی ہوں گی۔ (مسلم شریف ۱/۱۰۶)

جب موت کو بھی موت آجائے گی

اس کے بعد جب سب جنتی جنت میں اور سب جہنمی جہنم میں اپنے اپنے اصل ٹھکانوں تک پہنچ جائیں گے، اور جن کا جہنم سے نکلنا مقدر ہوگا وہ سب نکل کر جنت میں داخل ہو چکیں گے، تو جنت اور جہنم کے بیچ ایک دیوار پر موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا، اور تمام اہل جنت اور اہل جہنم کو جمع کر کے پوچھا جائے گا کہ جانتے ہو یہ مینڈھا کون ہے، سب جواب دیں گے کہ "یہ موت ہے" پھر سب کی نظروں کے سامنے اس مینڈھے کو ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ:

يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ۔ (بخاری شریف ۶۹۱/۲)

اے جنتیو! اب یہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے، اب موت نہیں آئے گی، اور اے جہنمیو! اب تم اس میں ہمیشہ رہو گے، اب تمہیں موت نہ آئے گی (یعنی اب موت کو خود موت آگئی ہے)

آنحضرت ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اس دن جنتیوں کو اس قدر خوشی ہوگی کہ اگر شدت مسرت سے کسی کو موت آیا کرتی تو سب جنتی اس خبر کی خوشی میں وفات پا جاتے، جبکہ جہنمیوں کو اس قدر غم ہوگا کہ اگر کسی کو شدت غم سے موت آیا کرتی تو سب جہنمی اس غم میں مر جاتے کہ اب ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا، یہاں سے نکلنے کی اُمید ہی ختم ہو گئی ہے۔ (مستفاد ترمذی شریف ۱۴۸/۲، الترغیب والترہیب ۳۱۷/۴)

بہر حال موت، حشر ونشر اور جنت وجہنم کے یہ ہوش ربا حالات ہماری غفلتوں کو دور کرنے کے لئے کافی ہیں، اور ان حالات کا تذکرہ اور یاد دہانی اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرم وحیا کا جذبہ اور اس کا حق ادا کرنے کا داعیہ موجود ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے حیاء خداوندی کی ایک نشانی "موت اور اس کے بعد کے حالات یاد رکھنے" کو بھی قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی یاد دہانی کی دولت عطا فرمائے۔ (آمین)

حرف آخر

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

☆ دنیوی زیب وزینت سے اجتناب

☆ اللہ کی نظر میں دنیا کی حیثیت

☆ دنیا کی محبت: ہر برائی کی جڑ

☆ قناعت: دائمی دولت

☆ ہر وقت مستعد رہیے!

دنیا کی زیب وزینت ترک کرنے کی ہدایت

زیر بحث حدیث کے آخر میں خلاصہ کے طور پر یہ جامع جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ "وَمَنْ اَرَادَ الاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا" یعنی جس شخص کو آخرت میں کامل طور پر کامیابی کا اُمیدوار ہو اسے دنیا کی زیب وزینت سے دل ہٹانا ہوگا، اور پوری توجہ آخرت کی طرف کرنی پڑے گی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا دنیا کی زندگی کی بے وقعتی کو واضح فرمایا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (الانعام ۳۲)

اور دنیوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو ولعب کے، اور آخرت کا گھر متقیوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَہْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ۔ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ۔ (العنکبوت ۶۴)

اور یہ دنیوی زندگی فی نفسہ بجز لہو ولعب کے اور کچھ بھی نہیں، اور اصل زندگی عالم آخرت ہے، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

اور سورہ حدید میں مزید وضاحت کے ساتھ اعلان فرمایا:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا وَفِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانٌ۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (الحدید آیت: ۲۰)

تم خوب جان لو کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی حیات محض لہو ولعب اور ایک ظاہری زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے

سے اپنے کو زیادہ بتلاتا ہے، جیسے بارش برستی ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے سو تو اس کو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت کا حال یہ ہے کہ اس میں (کفار کے لئے) سخت عذاب ہے، اور (اہل ایمان کے لئے) خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے، اور دنیوی زندگی محض دھوکے کا اسباب ہے۔

دنیوی زیب وزینت کی مثال

قرآن کریم میں کئی جگہ دنیا کی ناپائیداری کو واضح مثالوں کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے۔ ایک آیت میں ارشاد ہے:

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا أَتٰهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (سورۃ یونس آیت ۲۴)

دنیا کی زندگانی کی وہی مثال ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے، پھر رلا ملا نکلا اس سے زمین کا سبزہ جس کو آدمی اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین بارونق اور حزین ہو گئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی، کہ اچانک اس پر ہمارا حکم رات یا دن کو آ پہنچا، پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر، گویا کل یہاں نہ تھی آبادی، اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں۔

یعنی جس طرح زمین سیرابی کے بعد شاداب نظر آتی ہے مگر یہ شادابی اس کی عارضی ہے، اگر کوئی آفت سماویہ اس پر نازل ہو جائے تو اس کی رونق منٹوں سیکنڈوں میں کافور ہو جاتی ہے، یہی حال دنیا کی زیب وزینت کا ہے کہ وہ محض وقتی ہے چند ہی دنوں میں یہ رونق بے رونقی میں تبدیل ہو جانے والی ہے۔

نیز سورۂ کہف میں ارشاد خداوندی ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا۔

(الکہف آیت: ۴۶/۴۵)

اور بتلا دیجئے ان کو دینوی زندگی کی مثال جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ، پھر کل ہو گیا چورا چورا، ہوا میں اڑتا ہوا، اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت، مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں، اور باقی رہنے والی نیکیوں کا تیرے رب کے یہاں بہتر بدلہ ہے، اور بہتر توقع ہے۔

دنیا کی ہر کھیتی کا انجام یہی ہے کہ اس کے پک جانے کے بعد اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے، اور پھر اس کا بھُس ہوا میں اڑتا پھرتا ہے یہی حال اس دنیا اور اس کے مال ومتاع اور خزانوں کا ہے کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب پورے عالم کو تہ و بالا کر دیا جائے گا اور معمولی چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا بڑے بڑے زبردست پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑے اڑے پھریں گے لہذا ایسی فنا ہو جانے والی چیز میں جی لگانا اور دن ورات بس اسی کی دھن اور فکر میں رہنا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت

تمام دنیا اور اس کی نعمتیں اللہ کی نظر میں قطعاً بے وقعت اور بے حیثیت ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ دنیا کی نعمتیں کفار کو پوری فراوانی سے مرحمت فرماتا ہے اور ان کا کفر وشرک ان نعمتوں کے حصول میں مانع نہیں بنتا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ۔

(ترمذی شریف ۲/۵۸)

اگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس

میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ فرماتا۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے جارہے تھے، تو راستہ میں بکری کا ایک مردار بچہ نظر پڑا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا خیال ہے اس بچہ کے گھر والوں نے اسے بے حیثیت سمجھ کر یہاں پھینک دیا ہے، صحابہؓ نے اس کی تائید فرمائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْیَا اَهْوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِنْ هٰذِهٖ عَلٰی اَهْلِهَا۔ (ترمذی شریف ۵۸/۲)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس بکری کے بچے کے اپنے گھر والوں کی نظر میں ذلیل ہونے سے زیادہ بے حیثیت اور بے وقعت ہے۔

اور ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَافِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔

(ترمذی شریف ۵۸/۲)

بے شک دنیا خود بھی قابل لعنت ہے، اور اس میں جو چیزیں ہیں وہ بھی قابل لعنت ہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقہ اعمال کے اور سوائے عالم یا متعلم کے۔

یعنی دنیا میں رہ کر اگر انسان اللہ سے غافل اور آخرت سے بے پرواہ ہوجائے تو یہ دنیا کی پوری زندگی اور اس کی ساری نعمتیں انسان کو لعنت کے طوق میں مبتلا کرنے والی ہیں، لہٰذا دنیا سے بس اتنا تعلق رہنا چاہیے جتنی اس کی ضرورت ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کا مقابلہ اس طرح کرو کہ ایک طرف تو محض ایک انگلی میں لگا ہوا پانی کا قطرہ ہو اور دوسری طرف پورا کا پورا سمندر ہو جس کی اتھاہ کا کوئی اندازہ نہیں، تو یہ قطرہ پوری دنیا کی زندگی ہے جو نہایت محدود ہے اور یہ سمندر کی مثال پوری آخرت ہے جو لامحدود اور لازوال ہے۔ (ترمذی شریف ۵۸/۲)

اس لئے دنیا میں جتنے دن رہنا ہے اتنی فکر یہاں کے بارے میں کی جائے اور آخرت میں جتنے دن رہنا ہے اتنی فکر وہاں کی کرنی لازم ہے۔

کافروں کی دنیوی شان و شوکت دیکھ کر پریشان نہ ہوں

عام طور پر دنیا میں کفار کی شان وشوکت ، مال و دولت اور ظاہر عیش و آرام دیکھ کر لوگ ان کی حرص کرنے میں پڑ جاتے ہیں یا دل تنگ ہو جاتے ہیں اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ان کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے حلال وحرام میں تمیز ختم کر دیتے ہیں جیسا کا آج کل کے نام نہاد دانشوروں کا حال ہے، تو ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِھَادُ۔ (آل عمران ۱۹۶-۱۹۷)

آپ کو دھوکہ نہ دے کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا یہ فائدہ ہے تھوڑا سا، پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

دنیا اور اس کی سب چمک دمک محض عارضی ہے، انسان کی زندگی میں اگر کوئی نعمت میسر آجائے تو کوئی ضمانت نہیں کہ وہ آخری دم تک باقی بھی رہے، اس لئے کہ دنیا تغیر پذیر ہے، مال، صحت، عزت اور عافیت کے اعتبار سے لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا دنیا کی بڑی سے بڑی کہی جانے والی نعمت بھی ناپائیدار ہے، اور اس سے انتفاع کا سلسلہ یقیناً ختم ہو جانے والا ہے، اگر زندگی میں ختم نہ ہوا تو مرنے کے بعد یقیناً ہو جائے گا، مرنے کے بعد نہ بیوی بیوی رہے گی، نہ مال مال رہے گا نہ جائیداد اور کھیتی باڑی ساتھ ہوگی۔ ان سب اشیاء کا ساتھ چھوٹ جائے گا، اس لئے قرآن وحدیث میں انسانوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ دنیا کی زیب وزینت کو مقصود نہ بنائیں بلکہ اس کے مقابلے میں آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنے کی جدوجہد اور فکر کرنی چاہئے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

اِسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ فَاجْتَرَّتْ وَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَكَلَتْ وَاِنَّ هٰذَا الْمَالَ حُلْوَةٌ، مَنْ اَخَذَهٗ بِحَقِّهٖ وَوَضَعَهٗ فِيْ حَقِّهٖ كَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ۔

(بخاری شریف ۲/ ۹۵۱ مسلم شریف ۱/ ۳۳۶)

خیر سے تو خیر ہی برآمد ہوتی ہے (تاہم) یہ مال دل کش اور میٹھا اور ذائقہ دار ہے۔ (جیسے) سینچائی کی نالی سے اگنے والا سبزہ (بے حساب کھانے والے جانور کو) ہیضہ کی وجہ سے ہلاک کردیتا ہے یا ہلاکت کے قریب پہنچا دیتا ہے، سوائے اس جانور کے جو ہریالی گھاس کو کھا کر پیٹ بھرنے کے بعد سورج کی دھوپ میں بیٹھ کر جگالی کرتا ہے اور لید اور پیشاب سے فراغت کے بعد پھر واپس آ کر گھاس چرتا ہے (تو وہ ہیضہ سے محفوظ رہتا ہے اور ہلاک نہیں ہوتا تو اسی طرح) اس مال میں بڑی مٹھاس ہے، جو اس کو صحیح جگہ خرچ کرے تو اس کے لیے یہ بہترین مددگار ہے، اور جو اسے غلط طریقہ پر کمائے تو وہ اس جانور کے مانند ہو کر ہلاک ہوگا جو برابر کھاتا رہتا ہے اور اس کی بھوک کبھی ختم نہیں ہوتی (بالآخر وہ ہیضہ سے ہلاک ہو جاتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے دنیا میں اشتغال کی اصل حد معلوم ہوگئی، کہ دنیا سے صرف بقدر ضرورت اور برائے ضرورت ہی فائدہ اٹھانا مفید ہے، اس میں ایسا اشتغال کہ بس آدمی ۹۹ ہی کی گردان میں ہر وقت مبتلا رہے اور آخرت کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہ انتہائی خطرناک اور وبال جان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنْ مَسْئَلَةٍ وَسَعْيًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهٗ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا مُفَاخِرًا مُكَاثِرًا مُرَائِيًا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔ (شعب الایمان ۷/ ۲۹۸)

جو شخص حلال طریقہ سے، سوال سے بچنے، گھر والوں کی ضروریات پورا کرنے اور اپنے پڑوسیوں پر مہربانی کرنے کی غرض سے دنیا طلب کرے تو وہ قیامت میں اس حال

میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا، اور جو شخص فخر ومباہات، اور ناموری کے لیے دنیا کمائے تو وہ اللہ کے دربار میں اس حال میں حاضر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوں گے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے شرم وحیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہم دنیا سے تعلق اس کی حد کے اندر رہ کر رکھیں، اور اس سے تجاوز نہ کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

دنیا عافیت کی جگہ ہے ہی نہیں

دنیا میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ مکمل طور پر عافیت میں ہے، کیونکہ یہاں ہر شخص کے ساتھ کچھ نہ کچھ ایسے عوارض لگے ہوئے ہیں جو بار بار اس کی عافیت میں خلل ڈالتے رہتے ہیں، اور اس معاملہ میں امیر غریب، چھوٹے بڑے، بادشاہ یا رعایا کسی میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ غور کیا جائے تو دنیا میں جو شخص جتنے بڑے عہدے پر فائز ہوتا ہے یا جتنا بڑا مالدار اور عزت دار ہوتا ہے اتنا ہی اس کے ذہن پر تفکرات اور خطرات کا بوجھ ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی جان کے لالے پڑے رہتے ہیں، ہر وقت کمانڈوز کے نرغہ میں رہتے ہیں، آزادانہ اپنی مرضی سے کہیں آنا جانا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ پھر ہر وقت بڑائی جاتے رہنے کے خوف سے ان کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، پوری پوری رات نرم ونازک گدوں پر کروٹیں بدلتے گزر جاتی ہے۔ اور فرض کیجیے اگر انسان بالکل ہی عافیت سے ہو، مال، دولت، عزت اور ہر لذت کے حصول کا اس کے پاس انتظام ہو پھر بھی وہ پوری طرح عافیت میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ بھوک کے وقت اسے بھوک سے اور پیاس کے وقت پیاس سے سابقہ پڑے گا اور کھانے پینے کے بعد پھر فضلات کو نکالنے کی فکر ہوگی، اور اس کے تقاضے کے وقت بے چینی برداشت کرنی ہوگی، اور اگر یہ فضلات اندر جا کر رک جائیں تو پھر ان کو نکالنے کے لیے کیا کیا تدبیریں کرنی پڑیں گی، الغرض سب کچھ ہونے کے باوجود ان فطری عوارض سے انسان مرتے دم تک نجات نہیں پاسکتا۔

اس کے برخلاف جنت اصل میں عافیت کی جگہ ہے جہاں ہر طرح کی من چاہی نعمتیں میسر ہوں گی اور کھانے پینے کے بعد ایک ہی خوشبودار ڈکار سے سارا کھایا پیا ہضم ہو جائے گا نہ بے چینی ہوگی نہ تکلیف اور نہ بدبو کا احساس ہوگا، اس لیے اس عظیم عافیت کی جگہ کو ہی اصل مقصود طلب بنانا چاہیے اور دنیا کی زیب وزینت میں پڑ کر جنت سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ (مسلم شریف ۲/۴۰۷)

دنیا مؤمن کے لیے قید خانہ ہے، اور کافر کے لیے جنت ہے۔

اس لیے کہ مؤمن کا اصل ٹھکانہ جنت ہے جو واقعۃً جائے عافیت ہے، اس اصل ٹھکانہ کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی واقعۃً قید خانہ سے کم نہیں ہے، جہاں انسان طرح طرح کی قیودات کا پابند ہے، اور اس کے بالمقابل کافر کو آخرت میں سخت ترین عذاب کا سامنا کرنا ہے لہٰذا وہاں کے عذاب کے مقابلہ میں جب تک اس کی جان میں جان ہے اور جب تک اسے دنیا میں عذاب سے مہلت ملی ہوئی وہ اس کے لیے جنت کے درجہ میں ہے۔

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے

دنیا سے ایسا تعلق جو آخرت سے غافل کردے یہی تمام گناہوں اور معاصی کی جڑ اور بنیاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ (شعب الایمان ۷/۳۳۸)

دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے۔

غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ دنیا میں جو شخص بھی گناہ کرتا ہے اس کا اصل محرک دنیا سے تعلق ہی ہوتا ہے، مثلاً کسی کا مال ناجائز طور پر حاصل کرے یا

لہو ولعب میں مبتلا ہو، یا بدکاری اور حرام کاری کے راستہ پر چلے یہ سب چیزیں دنیا سے محبت ہی کی وجہ سے سامنے آتی ہیں، سیدنا عیسیٰ نے ارشاد فرمایا:

''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اور مال (مداوا تو کیا ہوتا) وہ خود ہی مریض ہے، آپ سے پوچھا گیا کہ مال کا مرض کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: کہ جب مال آتا ہے تو انسان تکبر وغرور وفخر ومباہات سے بہت کم محفوظ رہ پاتا ہے، اور اگر بالفرض ان باتوں سے محفوظ بھی رہ جائے پھر بھی اس مال کے رکھ رکھاؤ کی فکر انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے محروم کر ہی دیتی ہے۔ (شعب الایمان ۷/۳۳۸)''

اسی بنا پر اولیاء اللہ کی شان یہ ہوتی ہے کہ ان کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہوتا، ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ مِنَ الدُّنْیَا كَمَا یَحْمِیْ اَحَدُكُمْ مَرِیْضَهُ الْمَاءَ۔

(شعب الایمان ۷/۳۳۸)

جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتا ہے جیسے کوئی شخص اپنے مریض کو (سردی کی بیماری کے وقت) پانی سے بچاتا ہے۔

اس لئے کے دنیا سے تعلق، اللہ تعالیٰ سے تقرب میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اسی بنا پر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو دنیا کی محبت سے پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔

دنیا سے تعلق آخرت کے لئے مضر ہے

دنیا سے تعلق اور اس کی لذتوں میں انہماک بظاہر بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور بہت سے لوگ بس دنیوی لذتوں ہی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ دنیا میں یہ وقتی لذتیں آخرت کی دائمی زندگی کی دائمی نعمتوں میں کمی اور نقصان کا سبب ہیں جو در حقیقت عظیم ترین نقصان ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی۔ (البیہقی فی شعب الایمان ۷/۲۸۸ مجمع الزوائد ۱۰/۲۴۹)

جو شخص اپنی دنیا میں جی لگائے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرے گا، اور جو شخص اپنی آخرت سے محبت رکھے (اور اس کے بارے میں فکر مند رہے) تو وہ صرف اپنی دنیا کا (وقتی) نقصان کرے گا، لہٰذا باقی رہنے والی آخرت کی زندگی کو دنیا کی فانی زندگی پر ترجیح دیا کرو۔

اور ایک روایت میں ارشاد ہے:

حُلْوَةُ الدُّنْيَا مُرَّةُ الْاٰخِرَةِ، وَمُرَّةُ الدُّنْيَا حُلْوَةُ الْاٰخِرَةِ۔ (شعب الایمان ۷/۲۸۸، مجمع الزوائد ۱۰/۲۴۹)

دنیا کی میٹھی چیز آخرت میں کڑواہٹ کا سبب ہے، اور دنیا کی کڑوی زندگی آخرت میں مٹھاس کا سبب ہے۔

چنانچہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو دنیا میں نہایت عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی گزارتے ہیں لیکن یہی پر تعیش غفلت والی زندگی ان کے لئے آخرت میں سخت ترین عذاب کا سبب بن جائے گی، اور اسی طرح کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کی زندگی دنیا میں نہایت تنگی اور ترشی کے ساتھ گزرتی ہے لیکن ان آزمائشوں پر صبر کی بدولت ان کا مقام آخرت میں اس قدر بلند ہو جائے گا جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیشہ آخرت بنانے کی فکر لازم ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کے دل میں دنیا کی محبت گھر کر جائے تو تین باتیں اس کو چپٹ جاتی ہیں (۱) ایسی بدبختی جس کی مصیبت کبھی ختم نہیں ہوتی (۲) ایسی حرص جس سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا (۳) اور ایسی خواہش جو کبھی شرمندۂ تکمیل نہیں ہوتی، پس دنیا (کسی کے لئے) طلبگار رہے اور (کوئی) اس کا طلب گار ہے، لہٰذا جو شخص دنیا کے پیچھے پڑتا ہے تو آخرت اس کا پیچھا پکڑ لیتی ہے تا آنکہ اس کی موت آجاتی ہے، اور (اس کے برعکس) جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے تو دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے تا آنکہ وہ اپنے مقدر کا رزق حاصل کر لیتا ہے۔

(رواہ الطبرانی باسناد حسن، الترغیب والترهیب ۴/۸۵)''

دنیا کی محبت دلی بے اطمینانی کا سبب ہے

دنیا سے تعلق جب بڑھتا ہے تو ساتھ میں دلی بے اطمینانی بھی بڑھتی جاتی ہے، اور تمام تر اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود انسان سکون سے محروم رہتا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّتَهُ فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ نِيَّتَهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ أَمْرَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ۔ (شعب الایمان ۷/۲۸۸، ابن ماجہ حدیث ۴۱۰۵، الترغیب والترہیب ۴/۵۶)

دنیا جس شخص کی مقصود بن جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات پراگندہ فرمادیتا ہے اور محتاجگی اس کی آنکھوں کے سامنے کردیتا ہے، اور اسے دنیا میں صرف اسی قدر ملتا ہے جتنا اس کے لئے مقدر ہے، اور (اس کے بالمقابل) آخرت جس کا نصب العین ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا ڈال دیتا ہے اور اس کے معاملات کو مجتمع فرمادیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے۔

اور ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِبْنَ آدَمَ: تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَأَسُدَّ فَقْرَكَ وَإِلَّا تَفْعَلْ مَلَأْتُ صَدْرَكَ شُغْلًا وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ۔ (شعب الایمان ۷/۲۸۹)

اے انسان! میری بندگی کے لئے یکسو ہوجا، تو میں تیرے سینے کو غنا سے بھردوں گا اور تیری ضرورت پوری کردوں گا، اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو میں تیرے سینہ کو مشغولیت سے بھردوں گا اور تیری محتاجگی دور نہیں کروں گا۔

اس لئے دلی اطمینان کے حصول کے لئے بھی ضروری ہے کہ دنیا سے تعلق اعتدال کی حد میں رہے اس سے متجاوز نہ ہو، اور اگر تعلق حد سے بڑھ جائے گا تو پھر محرومی ہی محرومی ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَرْبَعَةٌ مِنَ الشَّقَاءِ: جُمُودُ الْعَيْنِ، وَقَسْوَةُ الْقَلْبِ وَطُولُ الْآمَلِ وَالْحِرْصُ عَلَى الدُّنْيَا۔(مجمع الزوائد عن البزار ۱۰/۲۲۶)

چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں (۱) آنکھ سے آنسو نہ نکلنا (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبے منصوبے باندھنا (۴) دنیا پر حریص ہونا۔

شوقین مزاج لوگ اللہ کو پسند نہیں

شوقین مزاج اور فیشن کے دل دادہ لوگ اللہ کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہیں، نبی اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کو امت کے بدترین افراد میں شمار فرمایا ہے، ارشاد نبوی ہے:

شِرَارُ أُمَّتِي الَّذِينَ وُلِدُوا فِي النَّعِيمِ وَغُذُوا بِهِ، هِمَّتُهُمْ أَلْوَانُ الطَّعَامِ وَأَلْوَانُ الثِّيَابِ يَتَشَدَّقُونَ فِي الْكَلَامِ۔(کتاب الزہد لابن المبارک ۲۶۳)

میری اُمت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو ناز ونعم میں پیدا ہوئے اور اسی میں پلے اور بڑھے، جن کو ہر وقت بس انواع واقسام کے کھانوں اور طرح طرح کے لباس زیب تن کرنے کی فکر دامن گیر رہتی ہے اور جو (تکبر کی وجہ سے) مٹھار مٹھار کر بات چیت کرتے رہتے ہیں۔

سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ کا ارشاد ہے کہ: تم (زیب وزینت کے لئے) بار بار غسل خانوں کے چکر لگانے اور بالوں کی بار بار صفائی سے بچتے رہو، اور عمدہ عمدہ قالینوں کے استعمال سے بچو، اس لئے کہ اللہ کے خاص بندے عیش وعشرت کے دل دادہ نہیں ہوتے۔(کتاب الزہد ۲۶۳)

دنیا سے بے رغبتی موجب سکون ہے

دنیا میں رہ کر دنیا میں مدہوش نہ رہنا انسان کے لئے سب سے بڑا سکون کا ذریعہ ہے، ایسا شخص ظاہری طور پر کتنا ہی خستہ حال کیوں نہ ہو مگر اسے اندرونی طور پر وہ قلبی

اطمینانِ نصیب ہوتا ہے جو بڑے بڑے سرمایہ داروں کو بھی میسر نہیں آتا، اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اَلزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا يُرِيحُ الْقَلْبَ وَالْجَسَدَ۔

(کتاب الزھد ۲۱۰ مجمع الزوائد ۱۰/۲۸۶)

دنیا سے بے رغبتی دل اور بدن دونوں کے لئے راحت بخش ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی دولت سکون اور عافیت ہے، اگر سکون نہ ہو تو سب دولتیں بے کار ہیں، اور یہ سکون جبھی مل سکتا ہے جب ہم دنیا سے صرف بقدر ضرورت اور برائے ضرورت تعلق رکھیں، اور اللہ کی نعمتوں پر شکر گزار رہ کر اس کی رضا پر راضی رہیں۔

حضرت لقمانؑ نے ارشاد فرمایا دین پر سب سے زیادہ مددگار صفت دنیا سے بے رغبتی ہے کیونکہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے وہ خالص رضائے خداوندی کے لئے عمل کرتا ہے، اور جو شخص اخلاص سے عمل کرے اس کو اللہ تعالیٰ اجر و ثواب سے سرفراز فرماتا ہے۔ (کتاب الزہد ۲۷) یہ صفت زہد انسانوں کو لوگوں کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اور ایسے شخص کو ہی قبولیت عند اللہ اور عند الناس کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

قناعت دائمی دولت ہے

کثرت کی فکر کے بجائے عطاء خداوندی پر راضی رہنا قناعت کہلاتا ہے، اور جس شخص کو قناعت کی دولت نصیب ہو جائے وہ ہر حال میں مگن رہتا ہے، پھر وہ کبھی احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا، اور نہ دوسرے کی حرص کرتا ہے ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ۔ (شعب الایمان ۷/۲۹۰)

(جس شخص کو تین صفات حاصل ہو گئیں) وہ فلاح پا گیا (۱) جو اسلام سے مشرف ہو (۲) جسے بقدر ضرورت روزی ملتی ہو (۳) اور اللہ نے اسے اپنے دیئے ہوئے رزق پر قناعت سے نواز دیا ہو۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْقَنَاعَةِ فَإِنَّ الْقَنَاعَةَ مَالٌ لَا يَنْفَدُ۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۲۵۶)

تم قناعت کو اختیار کرو، اس لئے کہ قناعت ایسا مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

آدمی سب سے زیادہ اپنی اولاد کی روزی کے بارے میں فکر مند رہتا ہے اور اس کے لئے پہلے ہی سے انتظام کر کے جاتا ہے، دعائیں کرتا ہے، محنت و جدوجہد کرتا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے متعلق فکر فرمائی، بلاشبہ اگر آپ یہ دعا فرما دیتے کہ آپ کے خاندان کا ہر فرد دنیا کی ہر دولت سے بے حساب نوازا جائے تو یقیناً وہ دعا شرف قبولیت حاصل کر جاتی لیکن آپ نے اپنے خاندان کے لئے کثرت مال و دولت کی دعا نہیں فرمائی بلکہ آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا (مسلم ۲/۴۰۹، شعب الایمان ۷/۲۹۱)

اے اللہ! محمد (ﷺ) کے اہل خاندان کی روزی قوت (برابر سرابر) مقرر فرما دے۔

یعنی نہ اتنی کم ہو کہ مخلوق کے سامنے ذلت کا باعث ہو اور نہ اتنی زیادہ ہو کہ آخرت سے غافل کر دے، آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: قیامت کے روز مالدار اور غریب سب کو یہی حسرت ہوگی کہ انہیں دنیا میں بس برابر سرابر روزی ملی ہوتی۔ (الترغیب ۴/۸۱)

نیز آپ ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْتَلِيْ عَبْدَهُ بِمَا اَعْطَاهُ فَمَنْ رَضِيَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَهُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهِ وَوَسَّعَهُ وَمَنْ لَمْ يَرْضَ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ۔ (مجمع الزوائد ۱۰/۲۵۷)

اللہ تعالیٰ اپنے عطا کردہ مال کے ذریعہ اپنے بندہ کو آزماتا ہے، پس جو شخص اللہ کی تقسیم پر راضی رہے اللہ تعالیٰ اسے برکت سے نوازتا ہے اور اس کو وسعت عطا فرماتا ہے اور جو اس پر راضی نہ رہے (بلکہ زیادہ کی حرص کرے) تو اس کو برکت سے محرومی رہتی ہے۔

الغرض یہ قناعت اور استغناء انتہائی سکون اور عزو شرف کی چیز ہے۔

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر

ہوئے اور فرمایا:

یَامُحَمَّدُ اعِشْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَاعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنَّکَ مَجْزِیٌّ بِہٖ، وَاَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ وَاعْلَمْ اَنَّ شَرَفَ الْمُؤْمِنِ صَلٰوتُہٗ بِاللَّیْلِ وَعِزَّہٗ اِسْتِغْنَائُہٗ عَنِ النَّاسِ۔ (الطبرانی باسناد حسن مجمع الزوائد ۱۰/۲۱۶)

اے محمد! (ﷺ) آپ جتنا چاہیں رہیں (بہر حال) ایک دن وفات پانی ہے، اور آپ جو چاہیں اعمال کریں ان کا آپ کو بدلہ مل کر رہنا ہے۔ اور آپ جس سے چاہیں (دنیا میں) تعلق رکھیں اسے (بہر حال) چھوڑ کر جانا ہے، اور اچھی طرح معلوم ہو کہ مؤمن کے لئے شرف کی بات اس کا رات کو نماز پڑھنا ہے اور مؤمن کی اصل عزت کی چیز اس کا لوگوں سے مستغنی رہنا ہے۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے میرے بدن کا کچھ حصہ ہاتھ میں پکڑ کر ارشاد فرمایا:

کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ۔ (بخاری شریف ۲/۹۴۹)

تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر ہو۔

یعنی جس طرح مسافر راستے میں ٹھہرنے کی جگہ سے دل نہیں لگاتا بلکہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے اور وہاں کی عافیت کے لئے ہر وقت فکر مند رہتا ہے اسی طرح مومن کو اپنے "مسافر آخرت" ہونے کا تصور ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیے۔ یہ ایسی عظیم نصیحت ہے جو تمام نصیحتوں کو جامع ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کی مقدس زندگی اسی ہدایت کی عملی تفسیر تھی۔

آنحضرت ﷺ کی شان

خادم رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا (جس میں کوئی آرام کی چیز نہ تھی) اور آپ ﷺ ایک کھری چٹائی پر

آرام فرماتے، جس کی سختی کے نشانات آپ کے بدن اقدس پر نمایاں ہو رہے تھے، میں یہ منظر دیکھ کر رو دیا، تو آپ نے فرمایا: میاں عبداللہ کیوں روتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! یہ (دنیا کے بادشاہ) قیصر و کسریٰ تو نرم و نازک ریشم کے قالین پر لیٹیں اور آپ (دونوں جہانوں کے سردار ہونے کے باوجود) اس کھری چٹائی پر تشریف فرما ہیں۔ (یہ دیکھ کر مجھے رونا آرہا ہے) اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

فَلَاتَبْكِ يَاعَبْدَ اللّٰهِ فَإِنَّ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةَ وَمَا أَنَا وَالدُّنْيَا، وَمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ الدُّنْيَا إِلَّا كَمَثَلِ رَاكِبٍ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ سَارَ وَتَرَكَهَا۔

(الترغیب والترہیب ۴/۹۸)

عبداللہ مت روؤ، کیوں کہ ان کے لئے دنیا ہی سب کچھ ہے، اور ہمارے لئے آخرت (کی نعمتیں ہیں) اور مجھے دنیا سے کیا لینا دینا، میری او، دنیا کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مسافر سوار (آرام کے لئے) کسی درخت کے نیچے اُتر کر آرام کرے اور پھر کچھ دیر بعد اُسے چھوڑ کر چلتا بنے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے امت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اختیاری طور پر فقر کا راستہ اختیار کیا اور اپنے "اُسوۂ مبارکہ" سے دنیا سے بے رغبت رہنے کی تلقین فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی جس حال میں بھی رہے آخرت سے غافل نہ رہے۔ اور دنیا کی زیب و زینت اور لہو و لعب میں مبتلا ہو کر اپنی آخرت کا نقصان نہ کرے۔ بلکہ دنیا میں ملنے والے فرصت کے لمحات کو آخرت کی کامیابی کے حصول کا ذریعہ بنانے کی بھرپور کوشش برابر کرتا رہے۔

صحت اور وقت کی ناقدری

عام طور پر انسان اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں صحت اور وقت کی نہایت ناقدری کرتا ہے، اور ان نعمتوں سے اسے جتنا فائدہ اٹھانا چاہیے اور آخرت میں ان کے ذریعہ جتنی کامیابی حاصل کرنی چاہیے اس میں سخت غفلت اور سستی سے کام لیتا ہے، آنحضرت ﷺ کا

ارشاد عالی ہے:

نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ۔

(بخاری شریف رقم: ۶۴۱۲)

دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں بہت سے انسان خسارے میں ہیں: (۱) صحت وعافیت (۲) فرصت کے لمحات۔

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے محدث ابن بطالؒ نے فرمایا: کہ صحت اور فرصت کے لمحات اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتیں ہیں ان کی قدردانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی (جس میں ابتلاء عام ہے) تو وہ شخص آخرت کے خسارے میں ہوگا۔

اور علامہ ابن الجوزیؒ نے فرمایا: کہ کبھی انسان صحت مند ہوتا ہے مگر اسے فرصت نہیں ملتی، اور کبھی فرصت میں ہوتا ہے مگر صحت ساتھ نہیں دیتی اور جب یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو اب اس پر سستی غالب آجاتی ہے لہٰذا جو شخص سستی کو دور کر کے ان نعمتوں کو عبادت واطاعت میں لگائے وہ تو فائدہ اور نفع میں رہے گا اور جو سستی میں پڑ کر وقت ضائع کردے گا اس کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

اور علامہ طیبیؒ نے فرمایا: کہ یوں سمجھئے کہ صحت اور وقت انسانی زندگی کا اصل سرمایہ ہے اب یہ انسان کی سمجھ ہے کہ وہ انہیں کس کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کام میں لگائے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ کر اس کا یقینی معاوضہ حاصل کر کے فلاح یاب ہوگا، اور اگر وقتی لذتوں یا سستی میں انہیں ضائع کردے گا تو ظاہر ہے کہ اس کو حسرت اور افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ (فتح الباری ۱۴/۲۷۶-۲۷۷)

ہر وقت مستعد رہئے!

اس لئے عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہر وقت آخرت کے لئے مستعد رہے، اور آج کا کام کل پر نہ ٹالے، بلکہ زندگی میں جتنی بھی نیکیاں سمیٹی جاسکیں کم سے کم وقت میں

سمیٹ لے کیونکہ پتہ نہیں کہ پھر یہ موقع ہاتھ آئے کہ نہ آئے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے، جب تو شام میں ہو تو صبح کا انتظار مت کر اور جب صبح میں ہو تو شام کا انتظار نہ کر، اور صحت کے زمانہ میں مرض کے وقت کا بھی کام کر لے (یعنی صحت کے وقت اعمال کا ذخیرہ جمع کر لے جو مرض میں کام آئے) اور زندگی میں مرنے کے بعد کے لئے ذخیرہ اکٹھا کر لے (بخاری شریف ۶۴۱۶) حضرت ابن عمرؓ کا یہ مقولہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے آپ ﷺ نے ایک صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (فتح الباری ۲۸۲/۱۴)

پانچ باتوں کو پانچ باتوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقر و فاقہ سے پہلے، فرصت کے لمحات کو مشغولیت سے، اور زندگی کو موت سے پہلے۔

اس حدیث میں ان پانچ اسباب کو بیان کیا گیا ہے جن میں مدہوش ہو کر انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیزیں محض عارضی ہیں، کچھ پتہ نہیں کب ان کا تسلسل ختم ہو جائے اور پھر بعد میں حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے، لوگ عام طور پر جوانی کے زمانہ کو کھیل کود اور تفریحات میں ضائع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ اتنا قیمتی زمانہ ہے کہ اس میں عبادت و ثواب بڑھاپے کی عبادت سے کہیں زیادہ ہے، ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عبادت گزار متقی جوان سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ ''تیرا مقام میری نظر میں بعض فرشتوں کے برابر ہے'' (کتاب الزہد ۱۱۷) اور ایک روایت میں ہے کہ ''جو نوجوان دنیا کی لذتوں اور لہو و لعب کو محض رضائے خداوندی کے لئے چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو ''۷۲ صدیقین'' کے برابر اجر عطا فرماتا ہے۔ (کتاب الزہد ۱۱۷) اور پہلے یہ روایت گزر چکی ہے کہ عبادت گزار جوان کو میدان حشر میں عرش خداوندی کا سایہ عطا کیا جائے گا۔''

الغرض یہ نہایت قیمتی زمانہ عام طور پر غفلت میں ضائع کر دیا جاتا ہے، اور اس نقصان کی پرواہ نہیں کی جاتی، یہی حال صحت، مالداری اور فراغ عیشی کا ہے، ضرورت ہے کہ ہم غافل نہ رہیں بلکہ پوری طرح مستعد رہ کر آخرت کی تیاری کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں فکر آخرت کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

جنت تک جانے کا راستہ

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم میں سے ہر شخص جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ''جی ہاں! یا رسول اللہ'' تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فَاقْصِرُوْا مِنَ الْاَمَلِ وَثَبِّتُوْا اٰجَالَكُمْ بَيْنَ اَبْصَارِكُمْ وَاسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔

تو اپنی آرزوئیں مختصر کرو، اور اپنی موت ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو، اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیا کرو جیسے اس سے حیا کرنے کا حق ہے۔

حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم سب اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ كَذٰلِكَ الْحَيَاءُ مِنَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ اللّٰهِ اَنْ لَا تَنْسَوُا الْمَقَابِرَ وَالْبِلٰى، وَاَنْ لَا تَنْسَوُا الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى، وَاَنْ لَا تَنْسَوُا الْجَوْفَ وَمَا احْتَوٰى، وَمَنْ يَشْتَهِي كَرَامَةَ الْاٰخِرَةِ يَدَعُ زِيْنَةَ الدُّنْيَا، هُنَالِكَ اسْتَحْيَى الْعَبْدُ مِنَ اللّٰهِ وَهُنَالِكَ اَصَابَ وِلَايَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (کتاب الزہد ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ سے حیا کا یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ اللہ سے حیاء یہ ہے کہ تم قبرستانوں اور مرنے کے بعد کی بوسیدگی کو مت بھولو، اور سر اور سر کے متعلقہ چیزوں کو مت فراموش کرو، اور پیٹ اور اس میں جانے والی چیزوں سے مت غافل ہو، اور جو شخص آخرت کی عزت چاہتا ہو وہ دنیا کی زیب وزینت چھوڑ دے (جب آدمی ایسا کرے گا) تو وہ اللہ تعالیٰ

سے شرمانے والا ہوگا، اوراس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور ولایت حاصل کر پائے گا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ پاک ارشاد عالی ہر مسلمان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیے، اور اس کا آپس میں ایک دوسرے سے ذکر بھی کرتے رہنا چاہیے، اللہ کرے کہ یہ ہدایت ہمارے دلوں کی گہرائی میں اتر جائے اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق نصیب ہو جس ہم دنیا وآخرت میں اپنے خالق و مالک کے محبوب اور مقرب بن جائیں، اس قادر مطلق ذات سے کچھ بعید نہیں کہ ذرے کو آفتاب اور تنکے کو ماہتاب بنادے، نااہلوں کو اہلیت سے نواز دے اور نالائقوں کو لیاقت عطا کردے، خیر اور توفیق صرف اسی کی اختیار میں ہے، ہم اس کی ذات سے دارین کی خیر وعافیت کے طالب ہیں، بے شک وہی دعاؤں کا سننے والا اور وہی عاجزوں کو شرف قبولیت سے نوازنے والا ہے۔

واخردعواناان الحمد للہ رب العالمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمدوعلی اله وصحبه اجمعین، برحمتك یاارحم الراحمینَ۔

کتبه احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ولوالدیه

خادم الحدیث النبوی الشریف

بالجامعة القاسمیة، شاهی مراد آباد

۱۴۲۳/۲/۲۳ھ

ماخذ ومراجع

(اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے، مرتب)

۱	القرآن الکریم	ترجمہ: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ	مجمع الملک فہد، مدینہ منورہ
۲	القرآن الکریم	ترجمہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	فرید بک ڈپو، دہلی
۳	صحیح البخاری	الامام ابو محمد بن اسمٰعیل بن بردزبہ البخاریؒ (م ۲۳۶ھ)	مکتبہ الاصلاح لا لبلاغ، مرادآباد
۴	صحیح مسلم	الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ (م ۲۶۱ھ)	مختار اینڈ کمپنی، دیوبند
۵	جامع الترمذی	الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ	مختار اینڈ کمپنی، دیوبند
۶	سنن ابی داوٗد	الامام ابوداوٗد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ (م ۲۷۵ھ)	اشرفی بکڈپو دیوبند مرقم: دارالفکر، بیروت
۷	سنن النسائی	الامام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب النسائیؒ (م ۳۰۳ھ)	مکتبہ تھانوی دیوبند دارالفکر، بیروت
۸	سنن ابن ماجہ	الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ)	اشرفی بکڈپو، دیوبند دارالفکر، بیروت
۹	مسند امام احمد بن حنبل (تحقیق احمد محمد شاکر)	الامام احمد بن محمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ)	دارالحدیث، القاہرہ

۱۰	المعجم الاوسط	العلامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	مکتبۃ المعارف الریاض
۱۱	کتاب الدعاء	العلامہ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ (م۳۶۰ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۲	مصنف ابن ابی شیبہ	العلامہ ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ الکوفیؒ (م۲۳۵ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۳	شعب الایمان	الامام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (۴۵۸ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۴	مشکوۃ المصابیح	الامام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ	اشرفی بک ڈپو، دیوبند
۱۵	مکارم الاخلاق	الامام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیاؒ (م۲۸۱ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۶	موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا	الامام ابو بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیاؒ (م۲۸۱ھ)	موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت
۱۷	کتاب مجابی الدعوۃ	الامام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیاؒ (م۲۸۱ھ)	موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت
۱۸	صحیح ابن حبان	الحافظ محمد بن حبان ابوحاتم التمیمیؒ (م۳۵۴ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۹	مصنف عبدالرزاق	الحافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ (م۲۱۱ھ)	دارالقلم، بیروت

۲۰	الجامع لاحکام القرآن	الامام ابوعبداللہ محمد بن احمد الاندلسی القرطبیؒ (م ۶۶۸ھ)	دارالفکر، بیروت
۲۱	تفسیر در منثور	العلامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطیؒ (م ۹۱۱ھ)	مطبع امیریہ، مصر
۲۲	تفسیر ابن کثیر (مکمل)	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ)	دارالسلام، ریاض
۲۳	تفسیر خازن	علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادیؒ	دارالمعرفہ، بیروت
۲۴	الترغیب والترہیب	الحافظ ذکی الدین بن عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذریؒ (م ۶۵۶ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۵	الترغیب والترہیب	الامام عبداللہ بن اسعد الیافعیؒ (م ۷۷۸ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۶	مجمع الزوائد	الحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ)	دارالکتاب العربی، بیروت
۲۷	نوادر الاصول	العلامہ عبداللہ بن بن محمد الحکیم الترمذیؒ (م ۳۲۰ھ)	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸	اکمال المعلم	الحافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبیؒ (م ۵۴۴ھ)	دارالوفاء، دمشق
۲۹	المفہم (شرح مسلم)	الامام ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبیؒ (م ۶۵۶ھ)	دار ابن کثیر، دمشق

۳۰	المنہاج شرح مسلم	العلامہ محی الدین بن یحییٰ النوویؒ (م ۶۷۶ھ)	بیت الافکار الدولیہ، ریاض
۳۱	ریاض الصالحین	العلامہ محی الدین بن یحییٰ النوویؒ (م ۶۷۶ھ)	ادارہ اشاعت دینیات، دہلی
۳۲	فتح الباری	العلامہ الحافظ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۳	دلائل النبوۃ	العلامہ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (م ۴۵۸ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۴	تفسیر روح المعانی	علامہ ابوالفضل السید محمود الآلوسی البغدادیؒ (م ۱۲۷۰ھ)	مطبع منیریہ، مصر
۳۵	الروض الانف	العلامہ ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السہیلیؒ (م ۵۸۱ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۶	اشرف الوسائل	العلامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمیؒ (م ۹۷۴ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۷	فیض القدیر	علامہ زین الدین عبدالرؤف محمد بن علی المناویؒ (م ۱۰۳۱ھ)	دار الفکر، بیروت
۳۸	کنز العمال	العلامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندیؒ (م ۹۷۵ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۳۹	شمائل الرسول	الحافظ ابن کثیر الدمشقیؒ (م ۷۷۴ھ)	دار القبلہ، جدہ
۴۰	کتاب الزہد	شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزیؒ (م ۱۸۱ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۱	كتاب الزواجر	الامام ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکی (م ۹۷۴ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۲	الفتاوی الحدیثیہ	الامام ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن حجر المکی (م ۹۷۴ھ)	دار المعرفۃ، بیروت
۴۳	مرقاۃ المفاتیح	العلامہ علی بن سلطان القاری (م ۱۰۱۴ھ)	اصح المطابع، بمبئی
۴۴	شرح فقہ اکبر	العلامہ علی بن سلطان القاری (م ۱۰۱۴ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۵	الاصابہ	الحافظ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶	اسد الغابہ	الامام عز الدین ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ)	دار الفکر، بیروت
۴۷	شرح الصدور	الحافظ جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)	دار التراث، مدینہ منورہ
۴۸	التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ	الحافظ ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی (م ۶۷۱ھ)	مکتبہ تجاریہ، مکہ معظمہ
۴۹	البدایہ والنہایہ	الحافظ ابن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ)	دار المعرفۃ، بیروت
۵۰	کتاب العاقبۃ	الحافظ عبدالحق بن عبدالرحمن الاشبیلی (م ۵۸۲ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۵۱	عقود الجمان	العلامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی (م ۹۴۲ھ)	مکتبۃ الایمان، مدینہ منورہ

۵۲	کتاب الروح	الامام محمد بن ابی بکر الدمشقی المعروف بابن القیم الجوزیہؒ (م ۷۵۱ھ)	دار الکتاب العربی، بیروت
۵۳	ادب الخصاف	الامام ابو بکر الخصافؒ (م ۲۶۱ھ)	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۵۴	کتاب الفتن	الامام ابو عبداللہ نعیم بن حماد المروزیؒ (م ۲۲۹ھ)	مکتبہ تجاریہ، مکہ معظمہ
۵۵	احیاء العلوم	حجۃ الاسلام امام غزالیؒ	نول کشور، لکھنؤ
۵۶	فیض الباری	امالی: العلامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	مجلس علمیہ، ڈابھیل
۵۷	تکملہ فتح الملہم	العلامہ محمد تقی عثمانی	مکتبہ دار العلوم، کراچی
۵۸	الدر المختار	الشیخ علاء الدین الحصکفیؒ (م ۱۰۸۸ھ)	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۵۹	رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ)	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی دار الفکر، بیروت احیاء التراث العربی، بیروت
۶۰	شرح عقود رسم المفتی	العلامہ ابن عابدین شامیؒ (م ۱۲۵۲ھ)	مکتبہ اختری، سہارنپور
۶۱	رسائل ابن عابدین	العلامہ ابن عابدین الشامیؒ (م ۱۲۵۲ھ)	سہیل اکیڈمی، لاہور

۶۲	اللباس والزینۃ من السنۃ المطہرۃ	محمد عبد الحکیم القاضی	دار الحدیث، القاہرہ
۶۳	معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	معراج بکڈپو، دیوبند
۶۴	مظاہر حق	علامہ قطب الدین شاہ جہانپوریؒ	کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
۶۵	مذاق العارفین	مولانا محمد احسن صدیقی نانوتویؒ	مطبع تیج کمار، لکھنؤ
۶۶	معارف امدادیہ	حافظ محمد اقبال قریشی	مکتبہ امدادیہ، ملتان
۶۷	معارف الاکابر	حافظ محمد اقبال قریشی	کتب خانہ یحیوی، سہارنپور
۶۸	اصلاح الرسوم	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	تھانوی، دیوبند
۶۹	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	ادارہ تالیفات اولیاء، دیوبند
۷۰	عطر ہدایہ	علامہ فتح محمد صاحب لکھنویؒ	کانپور
۷۱	غیر اسلامی حکومت کے شرعی احکام	مرتبہ: مفتی محمد زید صاحب مظاہری	ادارہ افادات اشرفیہ، ہتھوڑا باندہ
۷۲	احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی	دار الاشاعت، دہلی

۷۳	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ	مکتبہ محمودیہ، میرٹھ
۷۴	بیس بڑے مسلمان	مولانا عبدالرشید ارشد	مکتبہ رشیدیہ، لاہور
۷۵	بیس مردان حق	مولانا عبدالرشید ارشد	مکتبہ رشیدیہ، لاہور
۷۶	اصلاحی نصاب	حکیم الامت حضرت تھانویؒ	دارالاشاعت، دہلی
۷۷	قصد السبیل	حکیم الامت حضرت تھانویؒ	دارالاشاعت، دہلی
۷۸	تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ)	علامہ جلال الدین السیوطیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند
۷۹	النعیم المقیم	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
۸۰	مشاہیر کے آخری کلمات	زاہد حسین انجم	تاج کمپنی، دہلی